جلوہ ہائے جمال

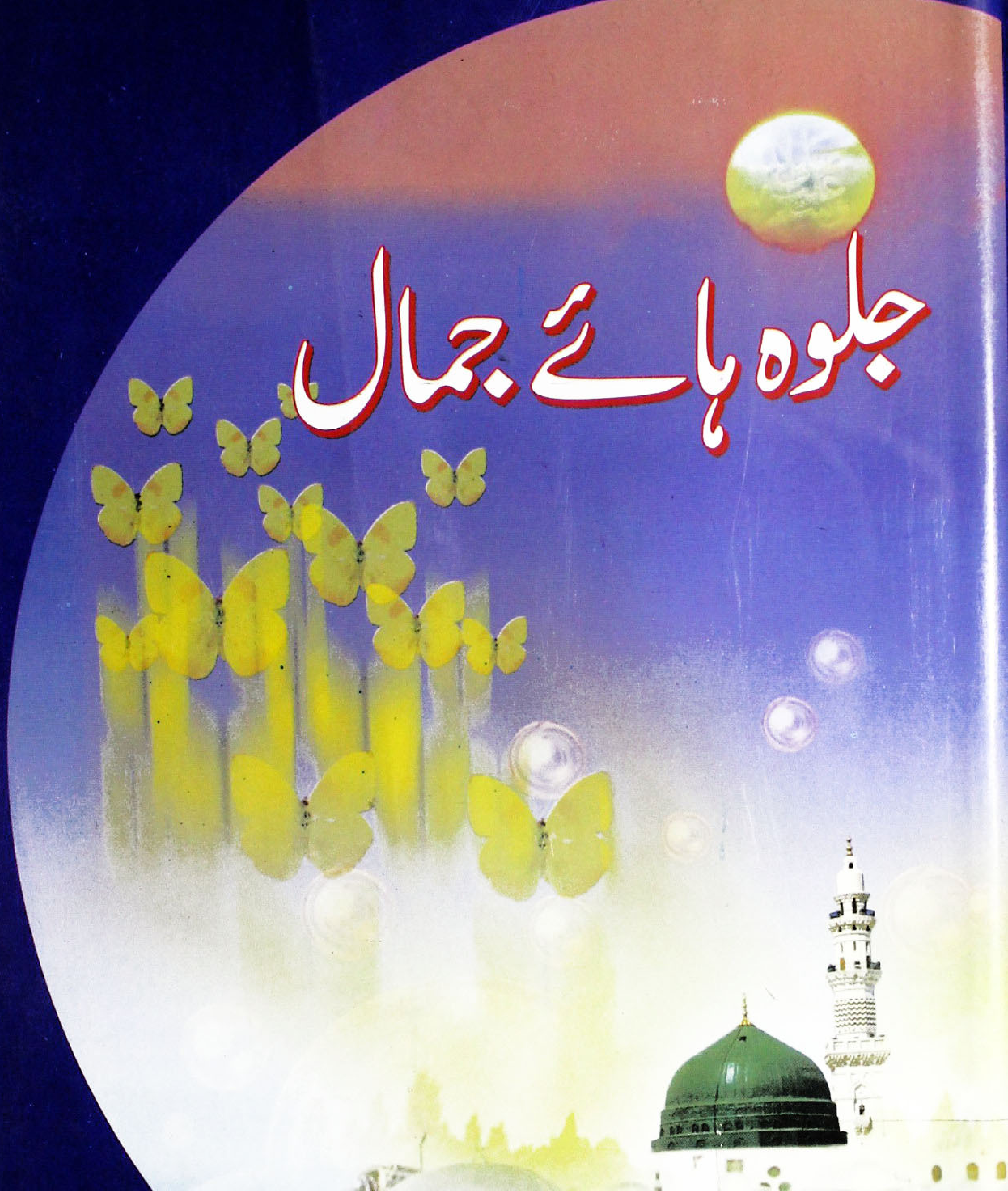

تفاخر محمود گوندل

Marfat.com

جلوہ ہائے جمال

(سفر نامۂ حجاز و نعتیہ مجموعہ)

تفاخُر محمود گوندل

ماورا

Marfat.com

باذوق لوگوں کے لیے
ہماری کتابیں
خوبصورت کتابیں
تزئین واہتمام اشاعت

خالد شریف

All rights reserved with the author.
Permission may be taken from writer/ publisher
to reproduce anything contained in this book.

292691
2632
118519

ماورا

ضابطہ

اشاعت	:	2013
ناشر	:	ماورا پبلشرز' لاہور
کمپوزر	:	طارق محمود (0345-4690652)
طابع	:	شرکت پرنٹنگ پریس' لاہور
قیمت	:	-/500 روپے

خوبصورت کتب کی اشاعت کے لیے رابطہ

MAVRA BOOKS
60-The Mall, Lahore.
Ph: 92 42 36303390 - 36304063
Mob: 0300-4020955
e-mail: mavrabooks@yahoo.com

Marfat.com

نذرانۂ وجدان

میں اپنی اس حقیر کاوش ''جلوہ ہائے جمال'' (سفرنامہ حجاز و مجموعۂ نعت) کو صاحبِ لوح و قلم، سیّدِ عرب و عجم، صاحبِ جود و کرم، موجبِ نازِ عارفاں، باعثِ فخرِ صادقاں، راحتِ قلوبِ عاشقاں، سروِ خراماں، حارسِ گیہاں، مونسِ دل شکستگاں، صورتِ صبحِ درخشاں، نیرِّ تاباں، ماہِ فروزاں، انتہائے کمال، منتہائے جمال، روحِ ارض و سما، شارع لاالہ، جانِ صبح و مسا، چشمِ امواجِ بقا، مطلعِ دل کشا، مقطعِ جاں فزا، شمعِ غارِ حرا، قبلۂ اغنیا، کعبۂ اصفیا، ابرِ لطف و عطا، جلوۂ حق نما، قسیم وجسیم، تسنیم و وسیم، شہرِ یارِ حرم، سحابِ کرم، گنجِ نعم، نورِ مبیں، آبروئے زمیں، اولادِ آدم کی فتحِ مبیں، مورثِ کمالات اولین و آخرین، طرحِ دارِ عرب، نگاہِ شریعت، قائدِ فوجِ اسلام، دافعِ جیوشِ اصنام، سرورِ وسعتِ کائنات، نازشِ جملہ موجودات، صدرِ حسنِ کمالات، ہم سفرِ جبرائیل، فخرِ ذبیح و خلیل، رشکِ مسیح و کلیم، اخترِ برجِ دلبری، خورشیدِ سما سروری، مہرِ سکوتِ ہفت اختراں، غلغلۂ کون و مکاں، رمزِ کن فکاں، آبیارِ جوئے لطافت، نیسانِ گہر بارِ عنایت، سراجِ سالکاں، شبِ چراغِ رہ نورداں، فداہ' اَبی و اُمی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کی نذر کرتا ہوں جس کی تابش سے رخسارِ شمس و قمر، نجوم و کہکشاں عالمِ امکان میں روشنی بکھیرتے ہیں۔

ے در بیاں ناید جمالِ حالِ اُو
ہر دو عالم چیست؟ عکسِ خالِ اُو
(مولانا رومؒ)

خاکِ رہِ حجاز

Marfat.com

Marfat.com

انتساب

والدہ محترمہ، معظّمہ، مکرّمہ

کے نام

جن کی سحر خیزیوں اور پُرخلوص دعاؤں نے

مجھے مصائب و آلام کی جگر فگار آندھیوں سے محفوظ رکھا ہے

تیری اُلفت کی قسم، تیری محبت کی قسم

ابرِ رحمت سے بھی بڑھ کر ہیں دعائیں تیری

Marfat.com

Marfat.com

دریں وادی زمانی جاودانی
زخاکش بے صور روید معانی
حکیماں باکلیماں دوش بر دوش
کہ ایں جا کس نگوید 'لن ترانی'

(اقبالؒ)

ترجمہ: بطحا پہنچنے والا اس کے فیض سے فانی اور جاودانی بن جاتا ہے۔ یہاں کی خاک سے صورت کے بغیر معنی پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں کوئی فلسفی ہو یا ولی اللہ سب برابر ہو جاتے ہیں کہ اس جگہ پر لن ترانی کی کوئی آواز نہیں ہوتی۔

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	تاثرات		صفحہ نمبر
۱-	''صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم''	(تفاخر محمود گوندل)	۱۳
۲-	بے خود کر دینے والی تحریر	(ڈاکٹر عبد القدیر خان)	۱۸
۳-	جن دنوں طلبی رہی	(خواجہ غلام قطب الدین فریدی)	۲۱
۴-	خوش قسمت عاشق	(جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال)	۲۳
۵-	تفاخر کا توشۂ آخرت	(عطاالحق قاسمی)	۲۴
۶-	زورِ قلم اور ادب کا بحرِ بے کراں	(ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی)	۲۶
۷-	ذکرِ شہرِ جمال کیا کہیے	(سیّد سلمان گیلانی)	۲۸

ابواب

۱-	تخیّل کی اُڑان	۳۱
۲-	وصلِ حبیبؐ سے ذرا پہلے	۴۲
۳-	توؐ فرمودی رہِ بطحا گرفتم	۵۸
۴-	مکّۃ المکرّمہ...... مظہرِ جلالِ کبریا	۷۳
۵-	مدینہ منوّرہ ...... مظہرِ جمالِ مصطفےٰؐ	۱۴۷
۶-	متاعِ گراں مایہ	۲۰۰
۷-	نذرانۂ عقیدت (نعتیہ کلام)	۲۱۵

Marfat.com

Marfat.com

''صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم''

تفاخرُ محمود گوندل

یہ اللہ ربّ العزت کا لطفِ بے پایاں ہے کہ اس نے اپنے ایک اسفل و عاجز بندے کو اپنے اور اپنے محبوب ﷺ کے گھر کی زیارت کا شرفِ عظیم بخشا۔ ایک ایسی لامثال زیارت جس کے بعد ایک مسلمان ایسے احساسِ تفاخر سے سرشار رہتا ہے جس پر لاکھوں اوجِ قیصر و دارائی نثار کیے جا سکتے ہیں۔ ایک ایسی باکمال نعمتِ عظمیٰ جس کے سامنے نعائمِ خلدِ بریں کی لطافتیں بھی قربان ہونے کو تیار رہتی ہیں۔ ایسی وجد آفرین زیارت جو انسان کی رگ رگ میں برگِ گل کی نزاکت و مہکار بھر دے۔ بیت اللہ شریف اور روضۂ سرکار رسالت مآب ﷺ کی لمعہ افشانیوں کا تذکرہ کارِ طفلاں نہیں ہوتا۔ اس کے لیے ہوش و حواس اور تاب و تواں کی پائندگی کے ساتھ ساتھ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے کراں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر قلبِ انسانی میں موجزن ہونا چاہیے۔ اور پھر یہ جذبہ مدامی صورت میں موجود رہے۔

کیوں عمر شرحِ زلفِ بتاں میں گنوائی جائے
کوئے نبیؐ میں کیوں نہ یہ دولت لٹائی جائے

حاضری کے وقت ہیبتِ خداوندی اور جمالِ مصطفےٰ ﷺ کے سامنے بڑے بڑے ارسطوئے زماں اپنی عقل و خرد کی دھجیاں فضائے بسیط میں اڑا بیٹھتے ہیں۔ جنیدؒ و بایزیدؒ اپنے دامن تفخر کی پونجیاں لٹا بیٹھتے ہیں۔ آمنہؓ کے دُرِ یتیم کے جمالِ جہاں آرا کے سامنے حسینانِ زمن گردنیں کٹوا بیٹھتے ہیں وہاں مجھ ایسا رقیق القلبی کا شکار اور کائناتِ رنگ و بو میں

Marfat.com

سب سے زیادہ خطا کار انسان پورے حواسِ خمسہ کے ساتھ ان نظارہ سوز تجلیوں کا مشاہدہ کرنے کی تاب رکھ سکتا ہے؟

اس کو صرف عطائے للٰہی کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ اگر خلاقِ دو عالم کا فضل و کرم اور حضور سرورِ کائنات ﷺ کی کرم گستری کی انتہا اس عاجز کے شاملِ حال نہ ہوتی تو یہ سب سے ارفع آرزو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکتی۔ دیارِ حرم کی زیارت کی داستانیں رقم کرنے والوں میں بڑے بڑے قدآور صاحبانِ فکر و فن شامل ہیں۔ ایسے ایسے طرح دار ادیب، اقلیمِ زبان و بیان جن کے ہاتھ کی چھڑی اور جیب کی گھڑی ہوتی ہے۔ ان اصحابِ بصیرت و دانش کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ہر ادیب کا اندازِ بیاں اور اُسلوبِ تحریر الگ ذوقِ مشاہدہ رکھتا ہے۔ کوئی بالکل سادہ اور سلیس پیرائے میں اپنے مشاہدات قلم بند کرنے کو کمالِ فن سمجھتا ہے اور کوئی ادق نگاری کو ادب کی معراج خیال کرتا ہے۔ اگرچہ موجودہ دور میں سادہ حسنِ بیان ہی عوام الناس میں قبولیت کی سند خیال کیا جاتا ہے بلکہ اسّی فی صد پڑھا لکھا طبقہ اسی رائے کا حامی ہے اور اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اب اردو اور فارسی ادب کا مطالعہ کرنے والوں کا مبلغِ علم اور ادبی پایہ فرو سے فروتر ہوتا چلا گیا ہے۔ دبستانِ لکھنؤ اور دبستانِ دہلی کے علمی جراثیم رکھنے والا طبقہ اس سماج سے عنقا ہو گیا ہے۔ اس بدیہہ حقیقت کے باوجود مجھ ایسا کم فہم ابھی تک ادق نگاری کے پُر پیچ دامنِ تخیل میں پناہ لیے ہوئے ہے۔۔۔ کیوں کہ میری ذاتی رائے میں منظر کشی کے لیے طلاقتِ لسانی کا اظہار اور زورِ بیاں ہی کام آ سکتا ہے بشرطیکہ کہ توفیقِ ایزدی شاملِ حال ہو۔ اس ضمن میں نثر نگاری کے میدان میں علامہ شبلی نعمانی، محمد حسین آزاد، رجب علی بیگ سرور، ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خاں، شورش کاشمیری، رفیق احمد باجوہ اور پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ اور شعر گوئی کے میدان میں میر انیس، مولینا احمد رضا خانؒ بریلوی

Marfat.com

شامل ہیں۔

میرے بہت سے کرم فرماؤں کا خیال ہے کہ شاید میں ثقیل زبان استعمال کر کے اپنے اُسلوبِ تحریر کی دھاک بٹھانا چاہتا ہوں اور اپنے فصیح القلم ہونے کا تاثر دینا چاہتا ہوں۔ اس رائے کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ میں ایک طویل عرصہ سے مشکل اردو پڑھ اور لکھ رہا ہوں۔ اب میرے لیے اُس معیار سے نیچے آنا ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔۔۔ اور مجھے خود بھی سلیس اردو لکھنے میں لطف نہیں آتا۔ میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ میں اردو زبان و ادب کا ایک ادنیٰ خوشہ چین ہوں اور نثر اور شاعری کے حوالے سے اصلاح کو بلاتأمل قبول کر لیتا ہوں۔ ''جلوہ ہائے جمال'' کے متعلق میرا وجدان، ایمان و ایقان یہ ہے کہ (تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں نہ کہ فخر و ریا کے طور پر) اس تخلیق میں عنایتِ پروردگار اور حضور ﷺ کی خاص چشمِ التفات شامل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک تو نامور فصحائے پاکستان نے اپنے تاثرات کی خیرات عطا کرنے میں کسی پس و پیش کا اظہار نہیں کیا، دوسرے یہ کہ مجھ سخن ناشناس کے بارے میں زبان و ادب کے حوالے سے جو اسنادِ قبولیت مرحمت فرمائیں وہ سراسر تائیدِ خداوندی ہے۔ یہ تاثرات پڑھ کر بار بار آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں کہ ایک حرف ناشناس کو کس قدر نوازا جا رہا ہے۔ محسنِ پاکستان محترم ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کا بطور خاص ممنونِ کرم ہوں کہ انھوں نے بے پناہ مصروفیات کے باوجود رشحاتِ قلم سے نوازا۔ محورِ عقیدت قبلہ خواجہ غلام قطب الدین فریدی صاحب مدظلہٗ، محترم ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال صاحب (فرزندِ ارجمند حضرت علامہ اقبالؒ) قابلِ صد احترام ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی صاحب، راحتِ جاں جناب عطاالحق قاسمی صاحب اور خانوادۂ سادات کے عظیم فرزند معروف نعت گو شاعر قبلہ سیّد سلمان گیلانی صاحب کی خوئے دل نوازی مدتوں تڑپاتی رہے گی۔ جلوہ ہائے جمال کی کمپوزنگ اور

Marfat.com

نعتیہ کلام کی اصلاح کے سلسلہ میں برادرِ مکرم پروفیسر سیّد غلام مجتبیٰ شاہ کی روایتی شانِ فیاضی و قرینۂ استغنا حقِ رفاقت ادا کرتا رہا۔ میں شکریے کے رسمی الفاظ کے ساتھ خلوص کے اس رشتے کو آلودۂ تصنع نہیں کرنا چاہتا۔ اللہ انھیں اجرِ جزیل عطا کرے۔

عزیز مکرم محمد فاروق سپرا صاحب کے توسل سے روزنامہ جنگ کے ''اقرا'' ایڈیشن کے انچارج بردارم عبدالمجید ساجد صاحب سے شرفِ شناسائی حاصل ہوا۔ انھوں نے خصوصی دلچسپی سے جلوہ ہائے جمال سے اقتباسات ترجیحاً پہلے صفحے پر شائع کیے۔ نجانے کب تک ان کی شفقتوں اور محبتوں کا قرض اپنے ناتواں کندھوں پر لیے پھرتا رہوں گا۔ ان کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔

ذوقِ جمالیات کے حوالے سے بعض ادبی شخصیات لطافت کا بلیغ استعارہ بن جاتی ہیں اِنھیں نفیس ہستیوں میں ملک کے ممتاز و مؤقر اشاعتی ادارے ''**ماورا**'' کے مہتممِ اعلیٰ جناب خالد شریف کا شمار ہوتا ہے۔ میں اسے اپنی خوش بختی تصوّر کرتا ہوں کہ میرا ذوقِ جستجو، میرے رخشِ تخیّل کو کشاں کشاں جناب خالد شریف کے پاس لے گیا۔ جہاں اُس نے تسکین وطمانیت اور فرحت و انبساط کی ایسی خوشبو محسوس کی جس سے مشامِ جاں مُعطّر ہوتے چلے گئے۔ میں موصوف کا دل کی گہرائیوں سے شکرگزار ہوں کہ اُنھوں نے ''جلوہ ہائے جمال'' کی تزئین و آرائش اور اشاعت کو خوب سے خوب تر بنا کر باذوق قارئین کے ذوقِ مطالعہ کو جلا بخشی۔ اس کرم فرمائی کے لیے میں جناب خالد شریف کا ازحد شکرگزار ہوں۔

اس مقدس ومحترم سفرنامۂ حجاز کی اشاعت میں تعاون کے سلسلہ میں بہت سے بلاکشانِ محبت کے نام شامل ہیں۔ ان میں کئی میرے شاگردانِ رشید بھی شامل ہیں۔ ان سب کے تابناک مستقبل کے لیے دعا گو ہوں۔

Marfat.com

سفرنامے کی اشاعت کے حوالے سے ابھی خوب سے خوب تر کے لیے ذوقِ جستجو میں سفر کا ارتقا جاری تھا کہ اس اثنا میں ملک کے معروف شاعر و آرٹسٹ جناب عاطف وحید یاسر (جن کے کلامِ بلاغت نظام کا میں بڑا معترف ہوں) سے رابطہ ہو گیا۔ انھوں نے اپنی فیاضانہ تمنا کا اظہار فرمایا کہ کتاب کا ٹائٹل اور تزئین میں خود اپنی نگرانی میں کرواؤں گا۔ چنانچہ انھوں نے اس کتاب کو اپنی مصورانہ فنِ کمال کی انتہاؤں سے روشناس کرا دیا ہے۔ ایک شعر ان کی نذر کرتا ہوں۔

چلی ہیں اتنی نزاکت سے انگلیاں ان کی
کہ دل پہ آج بھی نقشِ عمل اُبھرتا ہے

میری دعا ہے ہ اللہ رب العزت اپنے محبوب ﷺ کے صدقے میں اس سفرنامے کو میرے اور میرے احباب کے لیے توشۂ آخرت بنا دے اور میدانِ حشر میں حضور ﷺ کے غلاموں کے ساتھ جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

غرض ادائے نیاز است ورنہ حاجت نیست
کمالِ حشمتِ محمود را بعجزِ ایاز

خاکِ رہِ حجاز
تفاخُر محمود گوندل
جھیورانوالی
0346-6815083
053-3571311

Marfat.com

بے خود کردینے والی تحریر

از خامۂ نفیس رقم: نازشِ ملتِ اسلامیہ، محسنِ پاکستان

جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب

نشانِ امتیاز، ہلالِ امتیاز (دوبار)

فقید المثال مرزا اسد اللہ خان غالبؔ نے ایک شعر اپنی بے ساختہ شاعری کے بارے میں کہا تھا:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

پروفیسر تفاخر محمود گوندل کی زیرِ مطالعہ کتاب ''جلوہ ہائے جمال'' سفرنامۂ حجاز و نعتیہ مجموعہ یہی تاثر دیتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تفاخر صاحب بس کاغذ و قلم لے کر بیٹھ گئے اور روحانی طور پر یہ تمام مضمون ان کے قلم سے نکلتا رہا۔ کسی بھی روح افزا کلام و شاعری کے لیے روحانی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جس طرح ربّ العزت نے علامہ اقبالؒ کی شکوہ اور جوابِ شکوہ لکھنے میں رہنمائی فرمائی اسی طرح اللہ ربّ العزت نے اس کتاب اور نعتیہ مجموعہ ترتیب کرنے میں رہنمائی فرمائی ہے۔ ان کے ہر ہر لفظ، ہر ہر جملہ سے ان کی

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سے اور اس کے پیارے نبی ﷺ سے والہانہ محبت اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے جس تفصیل، محبت اور خلوص سے آپ نے اپنے سفر نامہ کو تحریر کیا ہے وہ پڑھنے والے کو بھی مدہوش اور بے خود کر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان جس نیک کام کی بھی خواہش کرے اور اللہ ربّ العزت سے دعا مانگے وہ یقیناً قبول ہو جاتی ہے۔ پروفیسر تفاخُر کی داستان پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ ان کے لیے راہ ہموار کر دی اور اس سعادت سے نواز دیا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے تمام عزیز و اقارب پر اپنا رحم و کرم قائم رکھے۔ آمین۔ ثم آمین۔

احقر

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

DR. A. Q. KHAN
NI & BAR, HI

"Mountain View"
207, Hillside Road,
E-7, Islamabad,
Pakistan
Date: ۳ مارچ ۲۰۱۳

"جلوہ ہائے جمال۔ سفر نامہ حجاز، نعتیہ مجموعہ"
مصنفہ پروفیسر تفاخر محمود گوندل

تبصرہ

فقید المثال مرزا اسد اللہ خان غالب نے ایک شعر اپنی بے ساختہ شاعری کے بارے میں کہا تھا:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

پروفیسر تفاخر محمود گوندل کی زیر مطالعہ کتاب جلوہ ہائے جمال، سفر نامہ حجاز، نعتیہ مجموعہ یہی تاثر دیتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تفاخر صاحب بس کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئے اور روحانی طور پر یہ تمام مضمون ان کے قلم سے نکلتا رہا۔ کسی کی روح افزا کلام، شاعری کے لیے روحانی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جس طرح رب العزت نے علامہ اقبال کی شکوہ جواب شکوہ لکھنے میں رہنمائی فرمائی اُسی طرح اللہ رب العزت نے اس کتاب اور نعتیہ مجموعہ ترتیب کرنے میں رہنمائی فرمائی ہے۔ ان کے ہر ہر لفظ، ہر ہر جملہ سے ان کی اللہ تعالیٰ سے اور اس کے پیارے نبی سے والہانہ محبت اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ جس تفصیل، محبت اور خلوص سے آپ نے اپنے سفر نامہ کو تحریر کیا ہے وہ پڑھنے والے کو بھی مدہوش بے خود کر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان جس نیک کام کی بھی خواہش کرے اور اللہ رب العزت سے دعا مانگے وہ یقیناً مقبول ہو جاتی ہے۔ پروفیسر تفاخر کی داستان پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ ان کے لیے راہ ہموار کر دی اور اس سعادت سے نواز دیا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے تمام عزیز و اقارب پر اپنا رحم و کرم قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

احقر۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان۔

Marfat.com

”جن دنوں طلبی رہی“

از: کشافِ معضلاتِ معارف، حلاّلِ نکات وعوارف، مطرزبہ طرازِ علم وفن، سلطانِ اقلیم الفاظ ومعانی، فرحت وانبساطِ قلبِ تفاخر، فصیح القلم جناب محترم خواجہ غلام قطب الدین فریدی صاحب دامت برکاتہم مسند آرائے آستانۂ عالیہ گڑھی شریف تحصیل خان پور ضلع رحیم یار خان، صدر آل پاکستان مشائخ کونسل

کہتے ہیں کہ اسم کی معنویت مسمّٰی پر اثرات مرتب کرتی ہے مگر میرے دوست پروفیسر تفاخر محمود گوندل صاحب اپنے نام کی دست برد سے مکمل طور پر محفوظ رہے ہیں۔ تفاخر نام کے باوجود ان میں پایا جانے والا عجز وانکسار ان کے مزاج کا طرۂ امتیاز ہے۔ بے پناہ علمی صلاحیتوں کے باوجود ان کی ذات میں عُجب اور تفاخر نام کی کوئی چیز کبھی نہیں دیکھی گئی۔

ہاں اگر مالک کے کرم پہ ناز ہو، تو تفاخر بھی محمود ہو جاتا ہے۔ عشقِ رسول ﷺ سے سرشار یہ لوگ کرم کی بدولت حضوری سے باریاب ہوتے ہیں بلکہ یہی لوگ ہیں جو دُور رہ کر بھی حضوری کے مزے اٹھاتے ہیں اور اگر اس کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں ان حسین لمحات وواقعات کو قلم بند کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہو تو وہ انھیں محفوظ کر کے نہ صرف اپنے لیے راحتِ جاں بلکہ دوسروں کے لیے بھی مشعلِ راہ بنا دیتے ہیں۔

وہ سرزمین جس کا ذرّہ ذرّہ رشکِ آفتاب وماہتاب ہے اور جہاں کی ہوائیں ادب آموز اور فضا معطر معطر ہے قدسی جہاں قطار در قطار سلامی کے منتظر ہوں وہاں آدابِ حضوری سے آگاہی ضروری ہے۔ اس بارگاہِ ناز میں لسان الغیب حافظ شیرازیؒ

Marfat.com

بادِ صبا کو پاسِ ادب کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں:

مکن اے صبا مشوش سرِ زلف آں پری را
کہ ہزار جانِ حافظ بہ فدائے تار موئے

جس سرزمین پہ گزرا ہوا ہر لمحہ تجلیات سے عبارت ہے کہ حرا کے چاند نے جہاں جہاں قدم رکھے وہاں کا گوشہ گوشہ ایک بقعۂ نور ہے۔ پروفیسر تفاخر صاحب نے ان جلووں کو سمیٹ کر جلوہ ہائے جمال ترتیب دیا۔ ان کی یہ کاوش اگرچہ شستہ الفاظ سے آراستہ و پیراستہ ہے مگر یہ الفاظ کی بازی گری نہیں آوازِ دل ہے جو دل سے اٹھتی ہے اور دل میں اتر جاتی ہے۔ عمدہ الفاظ کا چناؤ، عبارت کی روانی اور اشعار کے برمحل استعمال نے کتاب کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ جلوہ ہائے جمال میں ایسے واقعتاً بھی درج ہیں جو مصنف کے روحانی ارتقا کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ پروفیسر تفاخر صاحب ہمیشہ علمی و ادبی سلسلہ جاری رکھتے ہیں اور یوں ان کا چراغِ فکر و فن ہمیشہ روشن رہتا ہے۔ لیکن اس مجموعہ ''جلوہ ہائے جمال'' نے اسے اور زیادہ جلا بخش بنا دیا ہے۔ مجھے کامل توقع ہے کہ یہ مجموعہ اپنے محاسن کی بنا پر جہاں قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا وہاں ذوقِ حضوری اور ادب آموزی کا موجب بھی بنے گا۔

از

خواجہ غلام قطب الدین فریدی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ گڑھی شریف

Marfat.com

''خوش قسمت عاشق''

از: کلکِ گہربار، جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب، فرزندِ ارجمند
حکیم الامت، شاعرِ مشرق حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

ایک ایسی تصنیف جو الفاظ کے لبادے میں عشقیہ جذبات کا اظہار کرے، پر الفاظ ہی کے انداز میں اظہارِ خیال کرنا مشکل ہوتا ہے۔ عشق کی دنیا کا تعلق ''روح'' سے ہے اور زبان یا الفاظ کا ''مادہ'' سے۔ اس معاملے میں اظہارِ خیال کی کتنی ہی کوشش کروں کامیابی ممکن نہیں۔

میں آپ کو اپنا تجربہ بتاتا ہوں۔ میں قرطبہ سے مدینہ پہنچا۔ وہاں تاریکی تھی اور مدینہ روشن تھا۔ میں نے گلہ کیا کہ مسجدِ قرطبہ تاریک کیوں ہے؟ خاموشی طاری رہی۔ میں نے کہا: میرے ''والد'' یہاں تک پہنچنے کے لیے ترستے رہے انھیں نہیں بلایا۔ میں یہاں کیوں پہنچ گیا؟ کوئی جواب نہیں۔ میں نے اس تجربہ کا ذکر آغا شورش کاشمیری مرحوم سے کیا، جواب دیا: ''عاشقوں کو نہیں بلاتے''۔

گوندل صاحب! آپ تو بڑے خوش قسمت ہیں بلکہ ''خوش قسمت عاشق'' ہیں جو بلوائے گئے تاکہ آپ ''جلوہ ہائے جمال'' قلم بند کر سکیں۔

خیر اندیش

جاوید اقبال

Marfat.com

تقریظ ۔ تفاخر کا توشۂ آخرت

از: نازشِ صحافت، پاسبانِ حرمتِ لسان وقلم، گرامی قدر جناب عطاالحق قاسمی صاحب،
معروف کالم نگار، روزنامہ جنگ۔ لاہور

میں تفاخر محمود گوندل سے ذاتی طور پر متعارف نہیں تھا۔ یہ تعارف کسی اور کی معرفت یا کسی اور حوالے سے ہوتا تو اس کی دل پذیری میں شاید کچھ کمی رہ جاتی۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ ان سے میرا تعارف ان کے سفرنامہ حجاز ''جلوہ ہائے جمال'' کی وساطت سے ہوا۔ انھوں نے اپنے سفرنامے کا مسودہ مجھے ارسال کیا تو میں نے یہ مسودہ بھی ان دوسرے مسودوں کے ساتھ اپنی میز پر رکھ لیا جن پر میں نے رائے دینا تھی لیکن حیرت کی بات ہے کہ اگلے ہی روز میں نے سب مسودوں کے نیچے سے یہ مسودہ نکالا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ ایسا کیوں کر ہوا؟ مجھے نہیں معلوم! البتہ دورانِ مطالعہ میں نے محسوس کیا کہ عشق و مستی میں ڈوبی ہوئی اس تحریر نے شاید مجھے خود پکارا تھا۔ تفاخر محمود شاعر بھی ہیں اور منفرد مقرر بھی اور اپنے یہ دونوں ہنر محفلوں کو گرمانے کے ضمن میں بھی کام میں لاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے سفرنامہ حجاز میں یہ دونوں ہنر قاری کو اپنے ساتھ رکھنے میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔

خانۂ کعبہ کے طواف اور حضور سرورِ کائنات ﷺ کے روضۂ مبارک پر حاضری کے دوران ایک مسلمان جس جذباتی کیفیت سے گزرتا ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں لیکن

Marfat.com

اس کیفیت کو جس خوبصورت پیرائے میں تفاخر نے بیان کیا ہے اس کے ''صدقے'' میں یہ سفر نامہ ''ادب'' کی صنف میں شامل ہو گیا ہے۔ کوئی بھی صنف نہ ادب ہے اور نہ غیر ادب۔ اسے ''دائرۂ ادب'' میں وہ ''لوازمات'' شامل کرتے ہیں جو ادب کے ''پکوان'' کے لیے ضروری ہیں۔۔۔ تفاخر محمود کے پاس یہ سب کچھ تھا۔۔۔ اور یوں ان کا یہ سفر نامہ جہاں ان کے لیے ''توشۂ آخرت'' ثابت ہوگا وہاں وہ اس کی برکت سے ایک خوبصورت نثر نگار کے طور پر بھی سامنے آئے ہیں۔ میں انھیں اس کامیابی پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

عطاالحق قاسمی

Marfat.com

”جلوہ ہائے جمال“

(زورِ قلم اور ادب کا بحرِ بے کراں)

از: شناورِ بحرِ زبان و ادب، جناب ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی صاحب، مدیرِ اعلیٰ اردو ڈائجسٹ
جنرل سیکرٹری کاروانِ علم فاؤنڈیشن، لاہور

یہ بات تو درست ہے کہ جب تک حضورِ حق سے اِذنِ بازیابی نہ ملے آدمی اس دیارِ پاک میں حاضر نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس شخص کی خوش قسمتی کا کیا ٹھکانہ ہے جسے بلاوے کا سندیسہ بھی آجائے، خواہ وہ رویائے صادقہ سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے۔ پہلے تفاخر محمود کے والدِ محترم کو ”رویا“ ہوا کہ ان کے بیٹے سفید لباس پہنے حضور سیدِ دوعالم ﷺ کے روضۂ اطہر پر جاروب کشی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ دوسرا خود مصنف نے خواب میں دیکھا کہ وہ آقائے دوجہاں ﷺ کے دربار میں حاضر ہیں اور باچشم نم گنبدِ خضریٰ کے سامنے کھڑے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جو مقرّبینِ خاص ہوں ان کو سندیسے بھی آتے ہیں جب کہ مجھ گنہگار کے ساتھ معاملہ کچھ الگ قسم کا تھا۔ میں 1976ء میں روضۂ اطہر کے باہر پہنچا مگر مسجدِ نبوی ﷺ میں داخل ہونے کے بعد جیسے ہی میں نے روضۂ انور کے قریب پہنچنے کے لیے چلنا شروع کیا میری حالت غیر ہوتی گئی۔ چند قدم چل کر یوں لگا کہ میں ابھی گر کر ختم ہو جاؤں گا۔ اس وارداتِ قلبی یا ذہنی کی میں کوئی توجیہ نہیں کرسکتا۔

تفاخر صاحب کے ادبی ذوق نے مجھے گھیر لیا ہے۔ سوچتا ہوں کہ میں بھلا ان کی

Marfat.com

تعریف کیسے کروں؟ وہ ادب کا ایک بحرِ بے کراں ہیں (وہ ذخیرۂ الفاظ کہاں سے لاؤں) قارئین کو ان کی بات سمجھنے کے لیے لغت دیکھنی پڑے گی۔ دورانِ تذکرہ انھوں نے جابجا جو اشعار جڑے ہیں وہ یوں ہیں جیسے زیورِ ادب میں نگینے۔ مثلاً علامہ اقبالؒ کی یہ رباعی ملاحظہ کریں۔

مے از مے خانۂ مغرب چشیدم
بجانِ من کہ دردِ سر خریدم
نشستم با نکویانِ فرنگی
ازاں بے سود تر روزے ندیدم

تفاخر محمود گوندل کے ہاں جذبوں کی فراوانی، زورِ قلم اور زورِ بیاں کی جولانی بے پناہ ہے۔ انھوں نے ''جلوہ ہائے جمال'' کے نام سے سفرِ حجاز کیا لکھا، پڑھنے والے کو لفظوں کے جمال آفریں چکا چوند سے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ اس کہکشاں رنگ سیلابِ عظیم کے ریلوں میں بہتا چلا جاتا ہے۔ مصنف نے مکہ مدینہ کے راستوں، اس کی گلیوں، بازاروں اور اس کے ذرّے ذرّے سے جس والہانہ انداز سے پیار کیا وہ پڑھنے والے کے دل میں عشق کی ایسی جوت جگاتا ہے جو دنیا کے سارے دھندے چھوڑ کر ایک ہی در کو تھام لینے اور زندگی وہیں تمام کر دینے کی تحریک دے دے۔ اللہ انھیں اس کا اجر عطا فرمائے۔ (آمین)

اعجاز حسن قریشی

۱۰۔ اپریل ۲۰۱۳ء

ذکرِ شہرِ جمال کیا کہنے

از حاملِ لحنِ داؤدی، شاعرِ عظمت مرام، جناب سیّد سلمان گیلانی صاحب
سرپرستِ اعلیٰ بزمِ حسانِ پاکستان، لاہور

جلوہ ہائے جمال کیا کہنے
ذکرِ لطفِ وصال کیا کہنے
یہ تفاخر کا ہے سفر نامہ
کس قدر باکمال کیا کہنے
طرزِ تحریر ہے ادیبانہ
رنگِ فکر و خیال کیا کہنے
عشق کی چاشنی سے ہے لبریز
اس کا ہر قیل و قال کیا کہنے
ایک اک لفظ میں ہے پوشیدہ
لذّتِ وجد و حال کیا کہنے
لکھ سکے اُنؐ کی شان لفظوں میں
کس میں اتنی مجال کیا کہنے

Marfat.com

اُنؐ کا لطف و کرم ہوا ورنہ
کام تھا یہ محال کیا کہنے

اے تفاخر! خدا نے دی ہے تجھے
دولتِ لازوال کیا کہنے

ہو گئی پڑھ کے یہ سفر نامہ
روح میری نہال کیا کہنے

حرمِ مکّہ کا وہ ذکرِ حسیں
عظمتِ ذوالجلال کیا کہنے

تذکرہ ارضِ پاکِ طیبہ کا
ذکرِ شہرِ جمال کیا کہنے

واہ جس جس سے اُنؐ کی نسبت ہے
اُنؐ کے اصحابؓ و آل کیا کہنے

الغرض یہ کتاب ہے سلمان
واقعی بے مثال کیا کہنے

Marfat.com

Marfat.com

تخیّل کی اُڑان

آج سے تقریباً نو برس قبل، قبلہ والد صاحب (اللہ ان کا سایۂ عاطفت اس عاجز پر مدام سلامت رکھے) حج بیت اللہ کی سعادت کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں اپنے قیام کے دوران انھوں نے مجھے فون پر بتایا کہ تمھارے لیے ایک خوش خبری لے کر آ رہا ہوں لیکن تفصیلات فون پر نہیں بتا سکتا۔ یہ خوش خبری کیا تھی؟ اسرار و رموز میں ڈھلے اس پیغام نے اضطراب و اشتیاق کی آگ تیز تر کر دی۔ محترم ابا جان کی آمد تک زندگی کا ایک ایک لمحہ انتظار میں گراں گزرنے لگا۔ حیاتِ تفاخر اپنے شب و روز طے کرتی رہی۔ ستارے ڈوب ڈوب کر طلوع ہوتے رہے۔ سورج اپنی راہیں بدل بدل کر طلوع و غروب ہوتا رہا۔ چاند اپنی منزلیں طے کرتا رہا۔ والد صاحب کی آمد کے انتظار میں چند دنوں کے فاصلے بھی صدیوں پر محیط ہوتے نظر آنے لگے۔ دل و دماغ پر درد و اضطراب کی بدلیاں چھائی رہنے لگیں۔ اقلیمِ معرفت کے تاجدار حضرت مصلح الدین سعدیؒ نے اس کیفیت کا بڑا خوب صورت نقشہ کھینچا۔

دلے کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ است
زعشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است

ترجمہ: ''جس دل میں عشق ہو اور وہ صبر سے کام لینے کا دعویٰ بھی کرے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ دل نہیں پتھر ہے۔ عشق اور صبر کے درمیان ہزار میل کا فاصلہ ہے''۔

Marfat.com

بالآخر زندگی کا وہ خوب صورت لمحہ بھی آ پہنچا جب محترم ابا جان اعصابی کمزوری کے باوجود بخیریت تمام مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد گھر تشریف لائے۔ جب میں نے ان سے بغل گیر ہونے کی سعادت حاصل کی تو ان کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ ان کے ہونٹوں پر میرے لیے تبسّم کی ایک ہلکی سی لکیر بنی ہوئی تھی۔ ہوائی اڈے پر ان کے استقبال سے لے کر گھر واپس پہنچنے تک میں گم سم مگر مضطرب کیفیت میں بیٹھا رہا۔ میں ان کے راستے کی تکان اُترنے کا انتظار کرتا رہا کہ ان کے رفقا اور عزیز و اقارب سے ملاقاتوں کے بعد ان کی زبانِ گوہر فشاں سے مذکورہ خوش خبری سنوں گا۔

چنانچہ تھکاوٹ دور ہونے کے بعد ایک رات جب انھیں فرحت آمیز ماحول میں دیکھا تو میں نے استفسار کیا کہ مجھے وہ فون والی دل خوش کن بات بتائیں کیوں کہ اب ضبط کے بندھن ٹوٹنے لگے ہیں۔ والد صاحب مسکرائے، ان کی آنکھوں میں مسرت و ابتہاج کے اشکوں کی نمی در آئی۔ کہنے لگے: مناسکِ حج کے بعد مدینہ منورہ پہنچا تو رات کو آقائے دو جہاں کے مزارِ پُر انوار پر حاضری دینے کے بعد واپس ہوٹل آ کر بستر پر دراز ہوا اور آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب دیکھا کہ تم نے سفید لباس زیبِ تن کر رکھا ہے اور حضور سیّدِ دو عالم ﷺ کے روضۂ اطہر پر جاروب کشی کا فریضہ انجام دے رہے ہو۔ اللہ اللہ:

ابا جان کی زبانِ گوہر فشاں سے یہ خواب سنتے ہی دل رقصِ بسمل کا منظر پیش کرنے لگا۔ بار بار ذہن میں یہ سوال ابھرنے لگا کہ اکثر خواب، محض خواب ہی رہتے ہیں یا کبھی حقیقت کا روپ بھی دھار لیتے ہیں مگر یہ سوچ کر دل طمانیت کی دولت سے بہرہ یاب ہو جاتا کہ جس مقدس سرزمین پر قبلہ والد صاحب نے یہ خواب دیکھا ہے وہ ان شاء اللہ ضرور حقائق کی صورت میں سامنے آئے گا۔ اس کے بعد عقل اور عشق میں جنگ شروع ہو گئی۔

Marfat.com

عقل کی مجبوری اور دلیل یہ کہ ابھی معاشی استحکام کا معاملہ درپیش ہے اس لیے یہ تمنا پوری ہونا مشکل نظر آ رہی ہے جبکہ عشق ہوا کے دوش پر سوار ہو کر صدیوں کے فاصلے لمحوں میں طے کرنے کے لیے بے قرار تھا۔ لیکن میرا وجدان یہ کہتا تھا کہ تاریخِ عالم شاہد ہے کہ سمندِ وقت کی بے کرانیوں کے باوجود عشق کی ایک جست قصے تمام کر دیتی ہے۔ بیم و رجا کے اس عالم میں وقت مُٹھی میں بند ریت کی طرح پھسلتا رہا۔ گزرتے وقت میں مجھے کبھی کبھی اقلیمِ محبت کے کارپردازان یہ نویدِ جاں فزا ضرور سنا دیتے۔

مری زندگی جو کشا کشِ غمِ زندگی میں بسر ہوئی
تو کہا یہ عشق نے آ اِدھر تری زندگی کو سنوار دوں

اس دوران جب کوئی دوست حج یا عمرے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے سوئے بطحا روانہ ہوتا تو ولولے بے چین ہو جاتے۔ یہ بے قرار تمنا سینے میں انگڑائیاں لینے لگتی کہ ایک بھٹکے ہوئے آہو کو کب سوئے حرم روانہ ہونے کے لیے اذنِ باریابی عطا ہوتا ہے۔ کب ہنگامۂ زمانہ گراں باری کی حدوں کو چھوئے گا کب رختِ سفر باندھوں گا اور اس ہیچمدان کو کب بارگاہِ رسالت سے فیض یابی کا موقع ملے گا۔ مگر دل اس حقیقت سے آشنا تھا کہ تمام تر اضطراب کے باوجود یہ سعادت زورِ بازو سے تو حاصل نہیں ہو سکتی۔

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

2005ء میں میرے مخلص اور جاں نثار چھوٹے بھائی محمد اصغر ایڈووکیٹ (جو اس وقت پاک نیوی میں ایم سی پی او کے طور پر خدمات انجام دے رہے تھے) کا عمرے کی سعادت حاصل کرنے کا پروگرام بن گیا۔ وہ محترمہ والدہ صاحبہ کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے

Marfat.com

تھے کہ اس مقدس سفر کا لطف دوبالا ہو جائے۔ انھوں نے بڑی فیاضی سے مجھے پیشکش کی کہ اگر آپ والدہ محترمہ کے ساتھ جانے کی حامی بھر لیں تو میں بسروچشم آپ کے حق میں اس ارادے سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں...... اگرچہ یہ حیات بخش پیش کش بڑی پُرکشش تھی اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ والدہ صاحبہ کی سعید اور بابرکت رفاقت میسر ہو تو کیا کہنے: اس رفاقت کو تو لوگ ترستے ہیں مگر میں نے از حد اظہارِ تشکر کے ساتھ بھائی کی یہ فراخ دلانہ خوئے دل نوازی لوٹا دی کہ آپ ہی والدہ صاحبہ کے ساتھ جانے کی سعادت حاصل کریں۔

ویسے بھی ابھی کاتبِ تقدیر نے میرے جانے کے وقت کا ابھی تعین نہیں کیا تھا۔ شاید وہ چاہتا تھا کہ ابھی میں بیکراں جذبوں کو قابو میں رکھوں؛ ابھی بادبان کو تہہ رکھوں۔ چنانچہ بھائی اصغر ایڈووکیٹ امی جان کی خوب صورت معیت میں سرزمینِ حجاز روانہ ہو گئے۔ اس اثنا میں دیگر قافلے بھی روانہ ہوتے رہے۔ ہر مرتبہ یہ حسرت دل میں ہنگامہ بپا کرتی رہی کہ

کاش میں بھی کبھی دربارِ نبیؐ تک پہنچوں
ہر برس قافلۂ شوق رواں ہوتا ہے

ستمبر 2005ء میں مجھے ہیپاٹائیٹس جیسے موذی مرض نے آن گھیرا۔ اس خوفناک اور دہشت آفریں مرض کا حملہ اتنا شدید تھا کہ میں نفسیاتی طور پر لڑکھڑا کر رہ گیا۔ چاروں طرف رقصِ قضا ہوتا نظر آنے لگا کیوں کہ میں نے سن رکھا تھا کہ میڈیکل سائنس کی تمام تر جدید تخلیقی مہارتوں کے باوجود بھی، ابھی تک اس دلدوز بیماری کا کوئی شافی علاج دریافت نہیں ہو سکا، اگرچہ میدانِ طب کے تینوں شعبوں یعنی ایلوپیتھک، ہومیوپیتھک اور دیسی طریقۂ علاج کے میدان میں کسی حد تک پیش رفت ضرور ہوئی ہے لیکن تا حال حتمی علاج

Marfat.com

دریافت نہیں ہوسکا۔ ان حقائق کے پیشِ نظر نازونعم میں پلا ہوا ایک نازک اندام شاعر بھلا اس بیماری کے حملے کی روک تھام کے لیے اپنے اندر کیسے قوتِ مدافعت پیدا کرسکتا تھا۔ لے دے کے تشفی وتسکین کے لیے والدین کی دعاؤں کا سہارا ایسا تھا جس کے بل بوتے پر بحرِ علالت میں ہچکولے کھاتی ہوئی کشتیِ حیات ساحلِ مرادِ زندگی کی جانب رواں دواں تھی۔

تری دعا کے توسّل سے بچ گیا ورنہ
تُلا ہوا تھا مجھے نوچنے پہ دستِ سموم

طویل غور وفکر کے بعد اپنے عزیز دوست ڈاکٹر محمد عارف مسعود صاحب کے مشورے پر انجکشن تھراپی شروع کردی۔ ان ٹیکوں کے اثرات اتنے اذیت ناک تھے کہ نقاہت تشویش ناک حد تک زیادہ ہوگئی۔ دو قدم چلتے ہوئے بھی سانس پھولنے لگتا۔ والدہ صاحبہ تمام رات اللہ ربّ العزت کی بارگاہِ فیاض میں میری زندگی کی خیرات مانگتے گزار دیتیں۔ مجھے آج بھی ان کی یہ بے پایاں شفقت یاد آتی ہے تو سوچتا ہوں کہ اس شفیق ہستی کی عنایات سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتا۔

فروری 2006ء کی ایک شام کو جب مایوسی وقنوطیت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی میں عشا کی نماز کے بعد نم ناک آنکھوں کے ساتھ سو گیا...... رات کو ربِّ رحمٰن کی رحمتِ بے پیدا کنار جوش میں آ گئی۔ میرے تسکینِ قلب کا سامان ہوگیا...... میں نے زندگی میں پہلا حسین ولطیف خواب دیکھا کہ میں آقائے دوجہاں حضور سرورِ کائنات ﷺ کے دربار میں حاضر ہوں اور باچشمِ گریاں سبز گنبد کے سامنے کھڑا ہوں...... یہ تھا چشمِ تصور میں حاضری کا ابتدائیہ۔ میرا وجدان اس خواب کو محترم والد صاحب کے خواب کا تسلسل قرار

Marfat.com

دینے لگا۔

اسی شدید علالت میں تقریباً ایک ماہ بعد میں نے بالکل اسی نوعیت کا ایک اور خواب دیکھا۔ اب کے مجھے عالمِ رویا میں آقائے نامدار حضور سیّد دو عالم ﷺ کے روضۂ اطہر کے اندر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور بڑے عرصے تک آقا ﷺ کے پائیں مبارک کی جانب کھڑا رہا۔ اللہ اللہ ؎

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں

صبح اٹھا تو دل عالمِ تصور میں ہی سہی لیکن لذتِ وصل سے سرشار تھا۔ میں نے یہ خواب محترمہ والدہ صاحبہ کو سنایا تو فرمانے لگیں، ''ایک تو تمھارے لیے خوش خبری ہے کہ جلد یا بدیر تمھیں ضرور حاضری نصیب ہوگی لیکن اس کے لیے وقت کا تعین کرنا مشکل ہوگا۔ دوسرے یہ کہ تم غزلیات کے بجائے صرف نعت کہا کرو''۔ میں نے اسی روز نمازِ ظہر کے بعد خواب کی کیفیات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک نعت کہی جو میرے نعتیہ مجموعے ''نکہتِ نور'' کی اولین نعتوں میں شامل ہے۔ اس نعت کا یہ شعر گزشتہ شب کے خواب کی عکاسی کرتا ہے۔ ؎

کل رات فاصلوں کو تکلف نہیں رہا
جھپکی جو میں نے آنکھ تو دیدار ہو گیا

اور پھر مقطع میں بحرِ غمِ زندگی میں ڈوبی ہوئی شہنائی کا بھی ذکر کیا۔ ؎

یادِ رسولؐ آئی تفاخر کو تھامنے
جب یہ غموں کے بوجھ سے ناچار ہو گیا

Marfat.com

اب شب و روز کچھ اس طرح بسر ہو رہے تھے کہ بیماری کی شدت اپنا کام دکھا رہی تھی؛ ساتھ ساتھ علاج بھی چل رہا تھا اور جانبِ دربارِ خدا و مصطفےٰ ﷺ دل بھی کھنچ رہا تھا۔ کبھی علاج بیماری پر غالب آ جاتا اور کبھی بیماری علاج کو فتح کر لیتی۔ اس کشاکشِ علاج و علالت میں جب کبھی آرزوئے وصلِ حبیب کی اشتہا حدوں کو چھونے لگتی تو مجھ پر ایک عالمِ بےخودی طاری ہو جاتا۔ جب سے میں نے دو دفعہ خود کو مدینے شریف میں دیکھا تو آہستہ آہستہ ذہن سے موت کا خوف جاتا رہا اور دل میں یہ ایقان پختہ ہونے لگا کہ ایک روز مقدر ضرور مہربان ہو گا۔ اب کسی حد تک صحت بھی بحال ہونے لگی۔ گھر والے مجبور کرنے لگے کہ تنخواہ سے کچھ رقم بچا لیا کرو اور کمیٹی ڈال کر عمرے کی تیاری کرو۔ جب ان کا اصرار حد سے بڑھ جاتا تو میں انھیں ایک ہی جواب دیتا کہ حجاز مقدس کے سفر کے لیے میں رقم کا بندوبست از خود نہیں کروں گا۔ جو مالکِ کونین مجھے اس قسم کے مقدس خواب دکھا رہا ہے بندوبست بھی وہی فرمائے گا۔ میں نے اللہ ربّ العزت کے حضور اس نفسِ مضمون کے ساتھ یہ درخواست پیش کر رکھی ہے کہ اے قاضی الحاجات وہاں جانے کے لیے پردۂ غیب سے میرے لیے سامانِ راحت پیدا فرما۔

قارئینِ کرام! جتنا کسی کو کل کے طلوعِ آفتاب کا یقین ہوتا ہے، مجھے بھی اس درخواست کی قبولیت کا اتنا ہی محکم یقین تھا کہ میری تمام تر لغزشوں، کوتاہیوں، خطاکاریوں اور معاصی کے باوجود قادرِ مطلق ضرور اپنی عنایات سے بہرہ اندوز کریں گے اور حاضری کا سامان خود بخود ہو جائے گا۔

میرے عصیاں دیکھ کر میری ندامت دیکھ کر
کیسے ممکن ہے تری رحمت نہ آئے جوش میں

Marfat.com

ایک بار پھر چند لمحوں کے لیے آپ کو ماضی کی طرف لیے چلتا ہوں۔ پہلی مرتبہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کے دربارِ اقدس میں حاضری کے بعد والدہ صاحب نے تلقین کی تھی کہ اب تم نعت کہا کرو۔ میں روزانہ نماز ظہر کے بعد قرطاس وقلم میں ربط پیدا کرتے ہوئے بیٹھ جاتا اور بحمد للہ ایک نعت روز مکمل ہو جاتی۔ یوں اللہ کے کرم اور حضور ﷺ کی خصوصی توجہ سے یہ نعتیہ گلدستہ ''نکہتِ نور'' کی صورت میں سامنے آ گیا۔ اسی میں یہ معروف نعت بھی زیبِ قرطاس ہے۔

فقط میں تو مدینہ چاہتا ہوں
وہیں پہ مرنا جینا چاہتا ہوں
جو لے جائے مجھے سیدھا مدینے
کوئی ایسا سفینہ چاہتا ہوں

اس نعتیہ مجموعے کی تقریبِ رونمائی میرے اپنے ادارے انٹر کالج باگڑیاں والا میں ہوئی۔ اس وقت میرے شفیق عمِ محترم اور پرنسپل صاحب زادہ عبدالمالک نوراللہ مرقدہٗ بقیدِ حیات تھے۔ انھوں نے بڑے زبردست جوش و جذبے سے اس تقریب کا اہتمام فرمایا۔ حضرت عبدالمالک نے اس عاجز کے بارے میں جن گراں قدر خیالات کا اظہار فرمایا انھیں دہرا کر میں کسی خودستائی کا پہلو نمایاں نہیں کرنا چاہتا۔ یقیناً یہ ان کا حسنِ ظن تھا۔ خدائے عز وجل ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی لحد کو بقعۂ نور بنا دے۔ (آمین) اس محفل کے مقررین میں زمیندار ہائی سکول کے پرنسپل ظفر اقبال بٹ بھی شامل تھے۔ انھوں نے اظہارِ خیال کے دوران ایک بڑی عجیب وغریب اور میرے لیے بڑی بابرکت بات کہی۔ میں تحدیثِ نعمت کے طور پر ان کے الفاظ رقم کرتا ہوں۔ فرمانے لگے، ''تفاخر کو ہیپا ٹائٹس کی

Marfat.com

بیماری نہیں ہے، اسے عشقِ رسول ﷺ کے مرض نے گھیرا ہوا ہے جس کا علاج صرف اور صرف دربارِ حبیبِ کبریا ﷺ پر حاضری ہے''۔ 2007ء میں کہے گئے ان کے یہ الفاظ مجھے دربارِ نبوی ﷺ میں حاضری دیتے وقت یاد آ رہے ہیں۔ دراصل میں اپنے اس نذرانۂ عقیدت ''نکہتِ نور'' کو بجا طور پر اس مقدس سفر کی جانب روانہ ہونے کا دیباچہ سمجھتا ہوں۔

اس ضمن میں ایک اور حیرت انگیز بات کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب صاحب زادہ عبدالمالک صاحبؒ حج بیت اللہ کی سعادت کے لیے تشریف لے گئے تو انھوں نے بیت اللہ شریف پہ پہلی نظر ڈالتے ہی یہ دعا مانگی کہ اے بارِ الہا! اگلے برس میرے عزیز دوست سید افتخار حسین حاضری کے لیے ضرور آئیں۔ خلوص کے اس بندے کے لبوں سے نکلی ہوئی یہ دعا فوراً قبول ہوئی اور اگلے برس ہمارے موجودہ سربراہِ ادارہ برادرم سیّد افتخار حسین عمرے کی ادائیگی کے لیے روانہ ہو گئے۔ میں اور صاحب زادہ عبدالمالکؒ ان کے استقبال کے لیے اسلام آباد ائیر پورٹ پر پہنچ گئے۔ حسنِ اتفاق دیکھیے کہ برادرام سیّد افتخار حسین نے ایئر پورٹ پر ہی مجھے کان میں بتایا کہ میں نے بھی بیت اللہ شریف پر پہلی نظر ڈالتے ہی تمھاری شفایابی کے علاوہ یہ دعا بھی مانگی تھی کہ اے ذاتِ کبریا! اب تفاخر بھی یہاں آئے۔ خانوادۂ سادات کے اس ایثار پیشہ فرزند کی دعا کو بھی خالقِ کائنات نے شرفِ قبولیت بخشا۔ دیر صرف اس کی حکمت کے تحت ہو رہی تھی؛ دعا بہر حال قبول ہو چکی تھی۔

جنوری 2010ء میں ہم کالج کولیگ، سٹاف روم میں اکٹھے ہوئے تو ہمارے ایجوکیشن کے استاد پروفیسر عرفان انجم صاحب اور اکنامکس کے استاد پروفیسر امیر الدین ملک صاحب نے تجویز پیش کی کہ اس مرتبہ گرمیوں کی چھٹیوں میں اپنے اپنے گھر والوں کو بھی ساتھ لے کر

Marfat.com

عمرے کی سعادت حاصل کریں۔ اس خوب صورت تجویز کو سب نے بنظرِ استحسان دیکھا۔ میں نے بھی اس مبارک خیال سے اتفاق کر لیا لیکن مالی مشکلات کا وہی عالم کیوں کہ میں نے مکان کی تعمیر کے سلسلہ میں بینک سے قرض لے رکھا تھا۔ قسطوں کی بھاری ادائیگی کی وجہ سے میرے لیے فی الفور اس تجویز پر عمل کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں دل ہی دل میں چارہ سازِ بے کساں کے حضور دعا مانگتا رہتا کہ ؎

حضورؐ ایسا کوئی انتظام ہو جائے
سلام کے لیے حاضر غلام ہو جائے

سب لوگ ذہنی طور پر تیار نظر آنے لگے۔ مجھے یہ احساسِ محرومی کھائے جا رہا تھا کہ اگر میرے رفقائے کارروانہ ہو گئے اور میں رہ گیا تو آرزومندی میں کہیں دم ہی نہ نکل جائے۔ میرے اس اظہارِ محرومی پر تقدیرِ ایزدی مسکرا رہی تھی کہ اے پیکرِ خطا! لا تقنطو من رحمت اللہ۔ اے محرومیوں کے سمندر میں غوطہ زنی کرنے والے تفاخر! تم اپنے دوستوں میں گھر والوں کے ساتھ سب سے پہلے روانہ ہو گے۔ رحمتِ تمام نے اس رُوسیاہ کی ہر خطا سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ ؎

زاہد کو اپنے زہد و عبادت پہ ہے غرور
مجھ کو ترے کرم تری رحمت پہ ناز ہے

قارئینِ ذی احترام! میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ دربارِ مصطفیٰؐ میں حاضری کے لیے میرا سارا دارومدار اللہ کی رحمت اور چشمِ عنایت پر تھا۔ میں نے ایک پائی بھی جمع کرنے کا اہتمام نہیں کیا تھا البتہ اہلیہ سلمیٰ تفاخر نے اپنی تنخواہ میں سے پس انداز کیا ہوا تھا لیکن اس نے مجھے اس کی بھنک تک بھی نہ پڑنے دی۔ میں اپنے اللہ سے لو لگا کر دعا کی قبولیت کا انتظار کر رہا تھا۔

Marfat.com

یہ غالباً ستمبر 2011ء کی بات ہے۔ میں سہ پہر کو مکان کی چھت پر بیٹھا علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی طرف سے بھیجا ہوا مشقوں کا کام کر رہا تھا کہ مجھے سپین سے ایک فون موصول ہوا۔ یہ فون میرے ایک دیرینہ شاگرد راشد محمود آف چکوڑا کا تھا۔ (میں نے مصلحتاً راشد کی رضامندی سے اس سفر کی روانگی تک اس کا نام ظاہر نہیں کیا تھا) اس نے کہا، سر! میں نے ڈنگہ کے UBL میں آپ کے نام ایک لاکھ روپیہ ارسال کیا ہے۔ وہ وصول کر لیں اور عمرے کی سعادت حاصل کریں۔ کچھ مزید گفتگو بھی ہوئی جو انتہائی ذاتی نوعیت کی تھی۔ میں صرف اپنے قارئین کو اللہ رب العزت کی شانِ بندہ نوازی سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کس طرح اور کس انداز سے خلوص کے ساتھ مانگی ہوئی دعاؤں کو اپنی جناب میں قبولیت کا شرف بخشتا ہے۔ میں اپنی خوش نصیبی پر جس قدر بھی ناز کروں، کم ہے کہ اس نے مجھے اس رفیع الشان محبوب ﷺ کی بارگاہِ اقدس پناہ میں حاضری کا شرف بخشا جس کا ظہورِ قدسی عالمِ انسانیت کی معراج کبریٰ کا مظہر ہے...... جس کی عظمت کے سامنے ساتوں آسمانوں کی رفعتیں سرنگوں ہیں...... ملائکہ سما جس پر ہمہ وقت درود بھیج رہے ہیں۔ اللھم صلی علیٰ محمد و علیٰ آلِ محمد۔

عزیزم راشد آج کل سپین ہی میں مقیم ہے۔ بہت نیک سیرت نوجوان ہے۔ بحمد اللہ اپنے کاروبار میں ارتقا کی جانب گامزن ہے۔ سرزمینِ حجاز میں قیام کے دوران وہ متواتر رابطے میں رہا اور میری صحت کے بارے میں دریافت کرتا رہا۔ میرا دستِ دعا جب بھی اٹھتا تو اس کی درازیِ عمر اور کاروبارِ حیات میں ترقی کے لیے قاضی الحاجات سے ضرور سوال کرتا ہے۔ اللہ اسے اپنی عنایات سے بہرہ یاب کرتا رہے۔ (آمین)

مری دعا ہے کہ تُو بن کے ماہتاب رہے
خدا کرے کہ سلامت ترا شباب رہے

Marfat.com

وصلِ حبیب ﷺ سے ذرا پہلے

کوئے نبیؐ میں اس طرح جانا نہ چاہیے
اک اک قدم پہ سجدۂ شکرانہ چاہیے

اس مقدس و معتبر اور حیات بخش سفر پر روانگی سے قبل اپنے باذوق قارئین کو اگر اپنی مصروفیات سے آگاہ نہ کروں اور پھر اس پاکیزہ داستان کو ضبطِ تحریر میں لانے کی وجوہات سے آگاہ نہ کروں تو مقصد ادھورا رہے گا اور ایک ایسی تشنگی باقی رہے گی جو مجھے اور ادب شناسوں کو بے قرار رکھے گی۔ جب مجھے آقا ﷺ کے دربارِ دُربار میں حاضری کے آثار واضح طور پر نظر آنے لگے تو میں نے ذہنی بالیدگی اور قلبی فرحت کے لیے خود کو تیار کرنا شروع کر دیا تاکہ اس وقت تک شعوری سوتے پوری توانائیوں سے بیدار ہو جائیں ...... میرے قویٰ جلالِ کبریا کی ہیبت اور جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی رعنائی سے متمتع ہونے کے لیے کسی حد تک تیار ہو جائیں۔

(اگرچہ ایک نحیف و نزار انسان ان ہر دو ہستیوں کے انوار کا سامنا کرنے کی سکت نہیں رکھتا بلکہ بڑی بڑی صاحبِ سطوت ہستیاں بھی حاضری کے تصور سے ہی لڑکھڑا جاتی ہیں)

چنانچہ میں نے اپنے ایک فیاض دوست چودھری فیاض احمد فیضی سے محفلِ نعت کے انعقاد کا مشورہ و تقاضا کیا۔ انھوں نے حسبِ روایت فوری طور پر میری تجویز سے بھرپور

Marfat.com

اتفاق کرتے ہوئے پروگرام کو حتمی شکل دینے کا عندیہ دے دیا۔ میرے عزیز دوست چودھری فیاض احمد فیضی میرے ادبی ذوق کو توانائی عطا کرنے کے لیے اپنی خوبصورت کاوشیں برائے کار لاتے ہیں۔ اللہ انھیں اجرِ جزیل سے نوازے (آمین)۔ اس ضمن میں طویل صلاح مشورے کے بعد خطاب کے لیے ادب نواز شخصیت اور رموزِ خطابت سے شناسا علامہ صاحب زادہ غلام بشیر صاحب مدظلہ' کا انتخاب کیا گیا ...... صاحب زادہ صاحب کو مبدا فیاض نے زبردست طلاقتِ لسانی سے نواز رکھا ہے۔ ان کا سفینۂ بیان آبشار کے بہاؤ کی طرح رکنے کا نام نہیں لیتا۔ بلاشبہ وہ موجودہ دور میں فنِ خطابت کے شہسوار کہے جا سکتے ہیں۔ ان کے قلبی نیاز مند چودھری اعجاز احمد آف بولے کے توسّل سے تاریخ کا تعین کر لیا گیا۔ توصیف وثنائے مصطفیٰ ﷺ کے لیے محمد سرور نقشبندی کو میری فرمائش پر بطور خاص دعوت دی گئی۔ اللہ نے انھیں لحنِ داؤدی سے نواز رکھا ہے اور نعت کے مزاج سے بھی اچھی طرح واقف ہیں۔ اس بزمِ تحریم کی صدارت مجددِ نعت پروفیسر حفیظ تائبؒ صاحب کے برادرِ اصغر اور میرے شفیق دوست فدائے رسالت مآب ﷺ جناب عبدالمجید منہاس نے فرمائی۔ وہ اس ناچیز کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے ہیں اور گاہے گاہے غریب خانے کو قدومِ میمنت لزوم سے سرفراز فرماتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خوب صورت ربطِ والہانہ کو مداومت بخشے اور ان کی عنایات میں تسلسل برقرار رہے۔ ع

قربان یک نگاہِ تو عمرِ درازِ ما

اس روحانی وجدان کی تجدید اور تسلسل کے طور پر دوسری محفلِ نعت 13 فروری (روانگی کے دن) سے دو یوم قبل گیارہ فروری بروز ہفتہ سکالرز کالج بھلوال میں منعقد ہوئی۔ اہلِ بھلوال اس عاجز سے بہت عقیدت رکھتے ہیں۔ جب بھی کسی ادبی محفل کا انعقاد ہوتا ہے تو اس کی نظامت اس عاجز کے ذمہ ہوتی ہے۔ مجھے بھلوال اور مضافات میں متعارف

Marfat.com

کروانے کا سہرا فقیر عزلت نشین پروفیسر ارشد جبار پراچہ صاحب کے سر ہے۔ پروفیسر پراچہ صاحب صاحبِ حوصلہ اور صاحبِ استقامت انسان ہیں۔ ان کی دونوں ٹانگوں سے معذوری مجھ ایسے کمزور اعصاب کے مالک اور کئی دیگر لوگوں کے حوصلوں کو نیا ولولہ اور عزائم کو تسخیر کے نئے افق عطا کرتی ہے۔ اس متوکل، وضع دار، ایثار پیشہ اور غیور انسان سے جو کچھ میں نے سیکھا اس کے اظہار کے لیے ایک الگ کتب مدون کرنے کی ضرورت ہے۔ بھلوال شہر کے باذوق باسیوں میں جن سلیم الفطرت لوگوں سے میرا تعلق قائم ہو چکا ہے ان میں ممتاز ادبی و سماجی کارکن جناب ملک محمد آصف، جناب بختیار بخاری ایڈووکیٹ، چیف ایڈیٹر ہفت روزہ ''روشن'' سوزِ دروں سے آشنا جناب رضوان سدیدی، جناب الطاف نوید صاحب، جناب پروفیسر مبشر حسن ڈائریکٹر سکالرز کالج اور کئی دوست دارانِ ملت شامل ہیں۔

حسبِ روایت اس محفل کی نقابت بھی اس کم فہم کے سپرد تھی۔ محفل کی صدارت جناب قبلہ پیر غلام حمید الدین احمد معظمی مدظلہ' نے کی۔ آپ نے حضور سرورِ کونین ﷺ کی عظمت کے موضوع پر بڑی فاضلانہ گفتگو فرمائی۔ مہمانِ خصوصی معروف عوامی شاعر جناب سید امین گیلانیؒ مغفور کے فرزندِ ارجمند سید سلمان گیلانی تھے ...... وہ اپنے فاضل باپ کی طرح بڑے وسیع المطالعہ اور کہنہ مشق شاعر ہیں...... شعر کہنے اور پڑھنے کا منفرد انداز رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ وزیر اعلیٰ پنجاب کے خصوصی معاون بھی آئے ہوئے تھے۔ یہ محض عطائے خدائے لایزال تھی کہ سامعین اس عاجز کے فنِ خطابت سے طویل عرصہ تک محظوظ ہوتے رہے۔

زمانہ مجھ کو بھلائے گا کس طرح یارو
نفس نفس میں سمو دی ہے نغمگی میں نے

Marfat.com

اس سے پہلے میرے اپنے گاؤں جھیوراں والی کے ایک معروف دینی ادارے ''سراج منیر'' کے مہتمم اعلیٰ اور ان کے کریم النفس رفقا جن میں جناب شبیر خیالی پیش پیش تھے نے میری تخلیقی کاوشوں کو خراج پیش کرنے کے لیے میرے اعزاز میں ایک زبردست باوقار تقریب کا اہتمام کیا۔ یہ ادارہ ''سراجِ منیر'' کے مہتمم اعلیٰ پروفیسر ندیم بن صدیق کی نظروں کا حسن تھا کہ انھوں نے بھرے جہان میں حرفِ تحسین کے لیے میرا انتخاب کیا۔ میری دعا ہے کہ مالکِ ارض وسما اس مؤقر ادارے کو ارتقا بخشے، اس میں زیرِ تعلیم نوجوانوں کو ملک وملت کا مفید شہری بننے کی توفیق ارزانی کرے اور پروفیسر ندیم بن صدیق دام فیوضکم کو عنایاتِ خسروانہ سے بہرہ اندوز کرے۔ (آمین)

بھلوال میں منعقدہ تقریب سے قبل میں ابا جان کے دیرینہ دوست چودھری نصر اللہ خاں وڑائچ ایڈووکیٹ سپریم کورٹ، کی فاتحہ خوانی کے لیے ان کے صاحب زادوں کے پاس لاہور بھی گیا۔ ان کے برادرِ اصغر سر تا پا شفقت و مروت چودھری محمد اکرم وڑائچ صاحب سابق چیف منیجر سٹیٹ بینک آف پاکستان کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ وہ بڑے متواضع، منکسر المزاج اور خلیق انسان ہیں۔ دیر تک کچھ نجی اور کچھ حرمین شریفین کی زیارت کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ واپسی پر اقلیم تصوّف کے تاج دار حضرت سید علی ہجویریؒ کی روحِ پُرفتوح کو ایصالِ ثواب کی صورت میں نذرانہ پیش کیا اور اس آبروئے ملتِ بیضا کے پاسبان کی خدمت میں حرفِ نیاز پیش کیا جس کے دم سے لاہور عروس البلاد کا درجہ رکھتا ہے۔

12 فروری بروز جمعۃ المبارک میں نے کالج سٹاف سے اجازت چاہی۔ ان شفیق بندوں نے بڑی پُرتکلف ضیافت کا اہتمام کر رکھا تھا۔ اللہ انھیں اجرِ جزیل عطا کرے (آمین) کھانے کے بعد تمام دوستوں نے بڑی محبت اور نمناک آنکھوں سے رخصت کیا۔

Marfat.com

ہمارے سکول حصہ کے اساتذہ جن کی رہنمائی جناب چودھری مستنصر حسین صاحب اور چودھری منیر صاحب کر رہے تھے بڑے والہانہ انداز میں الوداع کہا۔ اللہ ان سب کو سلامت رکھے۔(آمین)

اسی روز علی الصباح میں داغِ مفارقت دے جانے والی دو عظیم اور نادر الوجود ہستیوں چودھری اعجاز احمد ساہی صاحبؒ اور محترم صاحب زادہ عبدالمالکؒ کے مزارات پر حاضری کے لیے گیا۔ان کے مزارات پر اس روز دل کی عجیب حالت تھی۔ میں اتنا رویا کہ عالت غیر ہونے لگی۔ بار بار خیال آتا کہ اگر یہ لامثال ہستیاں بقیدِ حیات ہوتیں تو مجھے الوداع کہنے کا منظر اور ہوتا۔ان کے چہروں پر مسرت وشادمانی کی کیفیات الگ رنگ دکھاتیں۔ بہرحال رضائے خداوندی پر صابر و شاکر رہنا پڑتا ہے۔ اپنے حقیقی ماموں درویش خدا مست، فارسی، اردو اور عربی زبان وادب کے بے تاج بادشاہ حضرت مولینا قاری الحافظ عباداللہ بیگویؒ کی تربتِ پُرنور پر بھی حاضری دی جو بیگہ کے قدیمی قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔قبلہ بیگویؒ صاحب کی تربت پرانوار پر حاضری دیتے وقت ایک بار پھر آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے مجھے فرما رہے ہوں تفاخر! سبز گنبد کے مکیں کی خدمت میں جا کر عاشقِ رسول ﷺ معروف نعت گو شاعر حضرت ماہر القادریؒ کا یہ مشہورِ زمانہ ''سلام'' پڑھنا جس کا پہلا شعر یہ ہے

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

یاد رہے کہ قبلہ حافظ صاحب کو یہ سلام بہت پسند تھا۔

ٹھیکریاں شریف سے رخصت ہوتے وقت اپنے پھوپھا اور خاندان بھر کی ہر

Marfat.com

دلعزیز شخصیت قبلہ صاحب زادہ محمد افضل صاحب دامت برکاتہم سے خصوصی دعا کروائی۔ انھوں نے پشت پر اپنا دستِ شفقت پھیر کر رخصت کیا۔ 12 فروری بروز اتوار دوپہر کے کھانے پر میں نے اپنے قریبی عزیزوں کو مدعو کیا۔ اس چھوٹے سے اجتماع کا مقصد محض خدا کی رضا کا حصول اور اعزہ سے اپنی کردہ و ناکردہ خطاؤں کی معافی چاہنا تھا کیوں کہ میں دربارِ خداوندی میں حاضر ہونے سے پہلے دوستوں اور عزیزوں کی کسی بھی قسم کی ناراضی کا بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پر لے جانا نہیں چاہتا تھا اور اس مقصد کے لیے میں نے اپنے دیرینہ دوست ملک امیر الدین صاحب کے دولت کدے پر بھی منڈی بہاؤالدین میں حاضری دی۔ الحمد للہ تمام رفقا اور دوستوں نے کمال شفقت سے رخصت کیا۔۔۔ اور میرا دل تسکین وطمانیت کی دولت سے بہرہ یاب ہوگیا۔

اب ایک دو معروضات سفرنامہ حجاز کی اشاعت کے سلسلہ میں پیش کرنا چاہوں گا۔ میں گزشتہ ایک سال سے نعت کے دوسرے مجموعے کی اشاعت کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ جب نعتوں کی مطلوبہ تعداد تیار ہوگئی تو میرا ذاتی طور پر خیال یہ تھا کہ یہ مجموعۂ نعت جس کا نام ادبی کرم فرماؤں کے مشورے سے ''جلوہ ہائے جمال'' تجویز ہو چکا تھا ضرور شایع ہو جائے تا کہ یہ نذرانۂ عقیدت آقائے دوجہاں ﷺ کی بارگاہِ اقدس پناہ میں پیش کر سکوں اور اس سلسلہ میں کہنہ مشق شاعر و ادیب پروفیسر سیّد غلام مجتبیٰ (جو میرے انتہائی قریبی دوستوں میں شمار ہوتے ہیں) مذکورہ مسودۂ نعت کی کمپوزنگ اور تصحیح وغیرہ کر چکے تھے۔ میں برادرم سیّد افتخار حسین شاہ صاحب کی معیت میں سیّد غلام مجتبیٰ شاہ صاحب کے پاس پروف ریڈنگ کے لیے مسودہ حاصل کرنے گیا تو میں نے ''جلوہ ہائے جمال'' کی جلدی اشاعت کے حوالہ سے تبادلۂ خیال کیا۔ برادرم سیّد افتخار صاحب نے وقت کی مناسبت اور

Marfat.com

نزاکت کے پیشِ نظر ایک بہت خوب صورت مشورہ دیا (یہ مخلصانہ کرم فرمائی سیّد صاحب عرصہ انیس سال سے کر رہے ہیں۔ ایسے جاں نثار رفیق کی رفاقت بجا طور پر میرے لیے باعثِ فخر و مباہات ہے) پروفیسر سیّد افتخار صاحب کا مؤقف تھا کہ تمھیں فی الوقت اس مجموعۂ نعت کی اشاعت کا ارادہ ملتوی کر کے عمرے کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ انھوں نے مزید کہا کہ تم بفضلِ تعالیٰ اردو نثر لکھنے کا ملکہ بھی رکھتے ہو (حالاں کہ یہ سیّد افتخار صاحب کا محض حسنِ ظن ہے ورنہ میں تو خود کو اردو زبان و ادب کا ادنیٰ طالب علم سمجھتا ہوں کجا کہ ملکہ رکھنے کا دعویٰ کیا جائے) اس لیے زیاراتِ مقدسہ کے ساتھ ساتھ اسے ایک تاریخی مطالعاتی سفر بھی سمجھتے ہوئے سفر نامہ حجاز مرتب کرنے کا اہتمام کر لینا۔

نتیجے کے طور پر ''جلوہ ہائے جمال'' کے دو حصے بن جائیں گے۔ پہلا حصہ تاثرات و محسوسات پر جب کہ دوسرا حصہ نعتیہ کلام پر مشتمل ہوگا۔ اس بہت ہی خوب صورت اور گراں قدر مشورے کو میرے علاوہ پروفیسر غلام مجتبیٰ شاہ صاحب نے بھی بہت پسند کیا۔ یوں اسی دن اس ارادے کی بنیاد رکھ دی گئی۔ میں نے اسے توشۂ آخرت سمجھتے ہوئے کتابی شکل دینے کا مصمّم ارادہ کر لیا۔

مری جبینِ محبت کو ناز ہے اس پر
وہ سجدہ جس کو ترے آستاں نے لوٹ لیا

سفر نامۂ حجاز مرتب کرنے کی جانب پیش رفت ایک اور وجہ سے بھی ہوئی۔ میرے ایک قابل و فاضل دوست (نام مصلحتاً درج نہیں کرنا چاہتا) جنھیں اردو زبان و ادب پر گہرا عبور حاصل ہے؛ انھیں بندشِ الفاظ اور ثقیل الفاظ و زبان استعمال کرنے پر کمال حاصل

Marfat.com

ہے؛ میں انھیں بجا طور پر آبروئے قرطاس وقلم حضرت شورش کاشمیریؒ کا مزاج شناس کہہ سکتا ہوں۔ یہ صاحب آج سے دس برس قبل حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد واپس لوٹے تو دورانِ ملاقات انھوں نے یہ مژدۂ جاں فزا سنایا کہ میں سفر نامہ حجاز تحریر کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ اس ضمن میں کچھ ابتدائی امور پر کام بھی ہو چکا ہے بلکہ ایک مرتبہ انھوں نے مجھے اپنی دل کش تحریر کے کچھ نمونے بھی دکھائے۔ میں بہت خوش ہوا اور انھیں رائے دی کہ جلد از جلد اس بابرکت کام کو انجام دینے کی کوشش کریں کیوں کہ زندگی تو ہمسائے سے مانگے ہوئے زیور کی طرح ہے، دھڑکا سا لگا رہتا ہے کہ کہیں کھو نہ جائے پھر کہیں مشتاقانِ علم وفن ایک جذباتی و وجدانی تحریر پڑھنے سے محروم نہ رہ جائیں۔ انھوں نے میری رائے سے اتفاق تو کر لیا پھر نجانے لاہور جا کر ان کے اس نیک ارادے کو کس کی نظر لگ گئی یا پھر حکمتِ خداوندی یہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ کوئے نبی ﷺ کے احوال تحریر کرنے کے بجائے فرقہ وارانہ مسائل کو موضوعِ بحث بنانے کی طرف مائل ہو گئے۔ پھر وہ اختلافی مسائل کی دلدل میں اتنے پھنسے کہ ان سے رابطہ تک منقطع ہو گیا حالاں کہ یہ موضوعات اتنے گمبھیر قسم کے ہیں کہ صدیوں ان پر اکابرینِ اُمت مناظرے کرتے رہے ہیں؛ تضیعِ اوقات کے علاوہ ان کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا۔ مجھے افسوس صرف اس بات کا تھا کہ ایک فاضل اور مفیض ادیب نے سارا زورِ قلم دو مسلمان گروہوں کے مسائل پر بحث کرنے پر صرف کر دیا۔ مجھے اس بات کا الگ صدمہ ہوا اور ادبی اذہان الگ ایک اچھوتے شاہکار کے مطالعہ سے محروم رہ گئے۔ میرا ایمان ہے کہ اگر وہ ادب پرور شخصیت اپنے پہلے ارادے پر قائم رہتی تو یقیناً سفر ناموں میں ایک گراں قدر پاکیزہ داستان کا اضافہ ہوتا اور بعید نہیں تھا کہ وہ کسی ادبی ایوارڈ سے نوازا جاتا۔ چناں چہ میں نے اس روز سے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اگر زندگی نے وفا

Marfat.com

کی اور خدا کا بے پایاں لطف و کرم مجھے اس ارضِ قرآن میں لے گیا تو میں خود یہ سعادت حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ ع

قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

میں نے اس پاک سرزمین پر روانگی سے پہلے حجازِ مقدس کے جن سفرناموں کا بالاستعیاب مطالعہ کیا ان میں ممتاز مفتی کی شہرۂ آفاق کتاب ''لبیک''، نسیم حجازی کا ''سفرنامۂ حجاز'' اور بے مثال ادیب و شاعر اور شعلہ نوا مقرر شورش کاشمیری کی کتاب ''شب جائیکہ من بودم'' شامل ہے۔ جہاں تک ممتاز مفتی کی کتاب ''لبیک'' کا تعلق ہے وہ باذوق قارئین کے معتدبہ حصے کی پسندیدہ ہونے کے باوجود مجھے قطعاً متاثر نہیں کر سکی (اپنے اس اظہارِ اختلاف کے لیے میں ممتاز مفتی کے مدّاحین سے معافی کا خواستگار ہوں) اگرچہ اس میں بعض بڑے نادر اور اچھوتے فقرات قاری کے ذہن کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں......لیکن مجموعی طور پر مجھے ان کی تحریر بے رونق سی لگی۔ میں نے دوستوں کے بے حد اصرار پر ''لبیک'' بازار سے خرید کر پڑھی اور اس کے لیے انتہائی پُرسکون وقت کی تلاش کر کے مطالعہ کرتا رہا تاکہ خوابیدہ جذبوں کو مہمیز مل سکے، مگر افسوس میری آرزو تشنۂ تکمیل ہی رہی۔ ''لبیک'' کو اپنی پسندیدہ کتاب قرار دینے والے قارئین سے دل کی گہرائیوں سے معذرت چاہتے ہوئے اس کی توجیہ پیش کرنا چاہوں گا۔ میرے اس مؤقف کا ابطال کرنے کا آپ پورا حق رکھتے ہیں۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق! اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

میری رائے کے مطابق بیت اللہ شریف اور گنبدِ خضریٰ کے سامنے حاضری دینے کا احوال تحریر کرنے والے ادیب کے دل میں سوز اور تڑپ درجۂ کمال پر ہونی چاہیے

Marfat.com

اور اس کے سینے میں آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ عقیدت و محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن ہونا چاہیے۔ بدقسمتی سے مجھے صاحبِ لبیک کی تحریر میں یہ دولتِ نایاب عنقا نظر آئی۔ ہوسکتا ہے ایسے نامور صاحبِ قلم کے دل میں مجھ حقیر و ناچیز سے زیادہ جذبۂ حبِ رسول ﷺ چھپا ہوا ہو لیکن کم از کم اس کی کوئی جھلک مجھے ان کے اندازِ تحریر میں نظر نہیں آئی۔

دوسرا سفرنامہ اسلامی تاریخ کے موضوعات پر ناول نگاری کے تاج دار صاحبِ طرز ادیب نسیم حجازی کا پڑھا۔ اگرچہ مبدا فیاض نے انھیں جذبوں اور قلم میں اتنی توانائی عطا کی ہوئی ہے موجودہ دور میں جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ فطری طور پر ان کا میلان بھی مذہب کی طرف تھا۔ اگر وہ چاہتے تو الفاظ میں حاضری کا ایسا نقشہ کھینچ سکتے تھے کہ ایسا نظارا ہمارے تخیل سے فزوں تر ہوتا اور ایسی منظرکشی کر سکتے تھے جو ناول نگاری کے میدان میں ان کا طرۂ امتیاز ہے...... مگر نجانے اپنے تاریخی ناولوں میں نوجوان نسل کو اپنے زورِ قلم سے ہلا دینے والا قرطاس و قلم کا یہ بادشاہ سفرنامہ حجاز میں یہ جولانیاں کیوں نہیں دکھا سکا۔ میں آج تک اس راز کو سمجھنے سے قاصر ہوں حالاں کہ میں نے بڑے اشتیاق سے کتاب لاہور سے منگوا کر پڑھی تھی مگر یا تو قلم ان کے جذبات کا ساتھ نہیں دے سکا یا پھر جذبات ان کے قلم کی رفاقت سے انکار کرتے رہے۔ یوں میرے جذبوں کو ابھارنے میں یہ کتاب بھی ساتھ نہ دے سکی۔

البتہ وحید العصر لسانِ زمان حضرت شورش کاشمیری کی تخلیق ''شب جائیکہ من بودم'' نے کماحقہٗ میرے جذبات کی آبیاری کی۔ ان کے ایک ایک لفظ سے حضور ﷺ کے ساتھ عقیدت چھلک چھلک اٹھتی ہے۔ حاضری کے تاثرات کو بھرپور انداز میں رقم کرنے کا

Marfat.com

جو ملکہ انھیں ودیعت ہوا ہے وہ اول الذکر دونوں صاحبانِ فن کے حصے میں نہیں آیا۔ ان کے الفاظ اور احساسات دونوں مل کر اوجِ ثریا کی جانب مائلِ پرواز نظر آتے ہیں۔ بالخصوص حرمِ کعبہ اور روضۃ النبی ﷺ کے سامنے حاضری کے وقت ان کے الفاظ میں وہ بجلیاں کوندتی نظر آتی ہیں کہ قاری تڑپ تڑپ جاتا ہے۔ ان کے اس کمالِ فن سے متاثر ہو کر میں نے کم از کم پانچ مرتبہ ''شب جائیکہ من بودم'' کا مطالعہ کیا۔ میں روحانی طور پر انھیں اپنا ادبی مرشد بھی تسلیم کرتا ہوں۔ میں نے بھی ان کے چمنستانِ تخیل کا ایک ادنیٰ خوشہ چین ہونے کے ناتے ایک چھوٹی سی کاوش کی جسارت کی ہے (اگرچہ مجھے اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہے مگر پرودگارِ عالم یہ فن عطا کر دے اس سے بعید نہیں) شورش کاشمیری کا یہ شہرۂ آفاق سفرنامہ لاہور سے مجھے بھجوانے پر بطورِ خاص اپنے عزیز مکرم برادرم محمد فاروق سپرا صاحب (نیوز اڈیٹر دنیا نیوز چینل) کا ممنونِ احسان ہوں کہ وہ اکثر میری ادبی فرمائشیں پوری کرتے رہتے ہیں۔

میرے جو جو رفقا و احباب کسی نہ کسی حوالے سے میرے ساتھ انتظام و انصرام میں شریک رہے یا اپنے خوب صورت مشوروں سے نوازتے رہے ان کی یہ دلی خواہش تھی کہ سفر کے واقعات ضبطِ تحریر میں لاتے وقت ان کا ذکرِ خیر بھی آ جائے۔ سو عرض کرتا ہوں کہ مکہ مکرّمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کے دوران دو امور میری ترجیحات میں سرِ فہرست تھے۔ ایک تو دونوں مقامات پر رہائش قریب ترین ہوتا کہ نماز جماعت ادا کرنے میں فاصلہ رکاوٹ نہ بن سکے، دوسرے یہ کہ رہائش بالکل علیحدہ ملے کیوں کہ میں اور اہلیہ عرصہ پانچ سال سے مختلف بیماریوں میں گھرے ہوئے تھے۔ ویسے بھی میں ابتدا سے ہی نیند کے معاملے میں بہت حساس واقع ہوا ہوں۔ کمرے میں دیوار پر لگے کلاک کی ٹِک ٹِک بھی

Marfat.com

میری نیند میں رکاوٹ بنتی ہے۔ ان دونوں شرائط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے چھوٹے بھائی محمد اصغر گوندل ایڈووکیٹ نے بہت سی ایجنسیوں سے رابطہ کیا مگر ان شرائط پر کوئی ٹریول ایجنٹ نوے، پچانوے ہزار سے کم پر آمادہ نہیں تھا۔ اسی سلسلہ میں اپنے ایک مخلص دوست جناب محمد افضل راز، چیف ایڈیٹر ''روزن'' سے بھی طویل صلاح مشورہ ہوا مگر کسی حتمی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ میں اسی کشمکش میں ایک دن ڈنگہ سے شائع ہونے والے ہفت روزہ دیہات ٹائمز (جو میرے ادبی دوست الطاف حسن طاہر کی زیرِ ادارت شائع ہوتا ہے) پر حاجی ٹریول والوں کا اشتہار دیکھا۔ عوام الناس کا ان پر بھرپور اعتماد اور دیانت داری کا چرچا پہلے سے سن رکھتا تھا۔ میں نے ایک دیرینہ کرم فرما فاطمہ جناح سکول کے ڈائریکٹر چودھری خضر حیات صاحب سے فون پر رابطہ کیا۔ چودھری خضر صاحب دوستوں کے دوست اور بڑے مخلص انسان ہیں۔ میرا عمرے کا پروگرام سن کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے فوراً حاجی ٹریول ایجنسی کے منتظمِ اعلیٰ شاہد بٹ صاحب سے رابطہ کر کے پیکج کے حوالے سے مثبت پیش رفت سے آگاہ کیا۔ میں نے ابتدائی تفصیلات برادرم سید افتخار صاحب کو بتائیں تو وہ بھی آمادہ نظر آئے۔ ہم اسی وقت شاہ صاحب کی گاڑی میں ڈنگہ میں حاجی ٹریول ایجنسی واقع میلاد چوک پہنچ گئے۔ وہاں دفتر میں حج و عمرہ کرنے والوں کے ساتھ معاملات طے کرنے میں مصروف ملازمین میں کئی شناسا چہرے نظر آئے۔ ان میں ایک باریش چہرہ حافظ امجد محمود کا بھی تھا۔ وہ بڑے احترام سے پیش آئے۔ ہم نے انچارج ٹریول ایجنسی شاہد بٹ صاحب کے بارے میں استفسار کیا۔ انھوں نے ساتھ والے کمرے کی طرف اشارا کیا۔ شاہد بٹ صاحب ہمیں دیکھتے ہی احتراماً کھڑے ہو گئے؛ بڑے عقیدت و مروت کا اظہار کرنے لگے۔ دورانِ گفتگو میں اس حسین انکشاف پر حیرت و استعجاب

Marfat.com

میں کھو گیا کہ شاہد بٹ ہمارے پاس 1994 میں انٹرمیڈیٹ کلاسز میں زیرِ تعلیم رہے ہیں۔ اگرچہ ان کے حصولِ تعلیم کا دورانیہ بڑا مختصر تھا لیکن ایک استاد شاگرد کا تعلق بہرحال قائم رہا تھا۔ میرے ذہن سے ان کے حصولِ تعلیم کا دورانیہ محو ہو چکا تھا۔ لیکن سیّد افتخار صاحب اور ملک امیر الدین صاحب ابھی تک وہ یادیں دل میں بسائے ہوئے تھے۔

یاد ہیں ہم کو، وہ روز و شب ابھی تک یاد ہیں
آج تک جن کے اثر سے دیدہ و دل شاد ہیں

المختصر ہم نے شاہد بٹ صاحب کو اپنا مدعا اپنی ترجیحات کے ساتھ بتایا۔ انھوں نے خوب صورت تعاون کے ساتھ پاسپورٹ اور نصف رقم بھی ہم سے وصول کر لی۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ عندیہ بھی دیا کہ آپ بارہ سے پندرہ فروری کے لگ بھگ ذہنی طور پر تیار رہیں۔ اس دوران میں اپنے سربراہِ ادارہ سید افتخار صاحب کی ہدایت و رہنمائی میں چھٹی منظور کروانے کی تگ و دو میں مصروف ہو گیا اور ذاتی طور پر اپنے ای ڈی او ایجوکیشن ڈاکٹر جواد حیدر شیرازی صاحب سے بھی ملا۔ میرے ایک بے تکلف دوست طاہر ضیا گھمن کے توسّل سے انھیں میری علمی و ادبی سرگرمیوں کے حوالے سے آگاہی ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر شیرازی صاحب بڑے ملنسار، مرنجانِ مرنج اور شفیق آفیسر ہیں؛ بڑی شفقت سے پیش آئے؛ دیر تک گلے لگا کر سفر کے بخیریت تمام ہونے کی دعائیں دیتے رہے اور پھر دروازے تک چھوڑنے آئے۔ الحمد للہ ایجوکیشن آفس کے تمام ملازمین، بطور سٹیج سیکرٹری اس عاجز کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ یہ محض اللہ کا فضل و کرم اور بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ چھٹی منظور کروانے کے سلسلہ میں ہمارے ادارے کے مخلص کلرک محمد عرفان صاحب کی گراں قدر کاوشوں کا بڑا دخل ہے۔ اللہ ہمیشہ انھیں اپنی عنایات سے بہرہ اندوز کرتا

Marfat.com

رہے۔

گیارہ فروری کو شاہد بٹ صاحب نے ہمیں مطلع کیا کہ 13 فروری بروز سوموار دس بجے شب اسلام آباد سے جدہ کے لیے تمھاری سیٹ o.k ہو چکی ہے لہٰذا آ کر اپنا پاسپورٹ وغیرہ وصول کر لیں۔ میں نے اور برادرم سید افتخار صاحب نے عزیزم شاہد صاحب سے سفری دستاویزات وصول کیں۔ ہمارے استفسار پر انھوں نے بتایا کہ مکہ شریف میں ہمارے معاملات کے رابطہ کار چودھری عجائب خاں صاحب ہوں گے اور قیام شربتِ علی ہوٹل میں ہوگا جب کہ مدینہ منورہ میں انھی امور کے نگران خوش حال خاں ہوں گے اور میں انھیں فون پر بھی آگاہ کر دوں گا کہ میرے استاد آ رہے ہیں ان کا خاص خیال رکھا جائے۔

ڈنگہ سے واپس آتے ہوئے میں نے وڑائچاں والہ کے قریب شاہ صاحب سے مشورہ کیا کہ کیوں نہ صاحبِ دل شخصیت سید ظہور حسین شاہ صاحب آف وڑائچاں والہ کی خدمت میں حاضری دے جائے۔ انھوں نے اتفاق کیا۔ ہم قبلہ ظہور شاہ صاحب کے آستانے پر پہنچ گئے۔ آپ بڑے فیاض اور خلیق انسان ہیں؛ بڑی محبت سے معانقہ کیا۔ جب میں نے انھیں بتایا کہ میں دو دن بعد عمرے کی سعادت کے لیے جا رہا ہوں تو سرزمینِ بطحا کے لیے ان کے چہرے کا رنگ متغیر سا ہو گیا۔ دیر تک مبارک باد دیتے رہے۔ اس وقت ان کے پاس دانائے معرفت حضرت حافظ شیرازیؒ کی نادر الوجود تصنیف دیوانِ حافظ پڑی ہوئی تھی۔ فرمانے لگے: اس میں کوئی ایک غزل مترنم صورت میں سنا جائیں۔ میں نے انھیں حافظ کی یہ غزل سنائی تو جھوم جھوم اٹھے۔

چوں با حبیب نشینی و بادہ پیمائی
بیاد آر حریفانِ بادہ پیما را

Marfat.com

بہر حال سفری دستاویزات حاصل کرنے کے بعد میری رگ رگ میں مسرت وانبساط کی لہر دوڑ گئی کہ 13 فروری بروز سوموار 2012ء ماہِ ربیع الاوّل میری زندگی کا وہ حسین ترین دن ہوگا جب ایک معصیت آلودہ انسان کو حاضری کے لیے نوازا جارہا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس مقدس مہینے میں یہ شرف وتوقیر حاصل ہورہی ہے جس میں نازشِ قدسیاں، رہنمائے خاکیاں حضور سیّدِ دوعالم ﷺ عالمِ بالا سے عالمِ امکان میں جلوہ گر ہوئے۔

آنکھ جب روضۂ اقدس کی جھلک دیکھے گی
یا خدا کیسا مبارک وہ مہینا ہو گا
میری آنکھوں میں سمٹ آئے گا حسنِ کونین
جس طرف آنکھ اٹھاؤں گا مدینہ ہوگا

میں نے جب اس پاکیزہ سفر کی داستان رقم کرنے کا ارادہ کیا تو میرے ایک عزیز دوست (جو پنجابی زبان وادب کے معروف شاعر بھی ہیں) جناب لیاقت گڈگور صاحب نے یہ مشورہ دیا کہ صرف حرمین شریفین میں گزرے ہوئے لمحات کو ضبطِ تحریر میں لانا ضروری نہیں بلکہ وہ تمام ابتدائی تفصیلات بھی تحریر کرنا ضروری ہیں جو اس سفر کا محرک بنیں۔ مجھے ان کی یہ تجویز بڑی پسند آئی سو میں نے پہلے دو ابواب (یعنی تخیل کی اُڑان اور وصلِ حبیب سے ذرا پہلے) جناب گڈگور صاحب کی رائے کو مقدم سمجھتے ہوئے رقم کیے ہیں۔

''جلوہ ہائے جمال'' کی اشاعت کے سلسلہ میں مفخرِ عرفا اعصار قبلہ سیّد یوسف بخاری صاحب مدظلہٗ کے فرزندِ ارجمند سرتاپا ایثار ومروت پروفیسر سیّد ہارون بخاری دام فیوضکم کا خصوصی تعاون حاصل رہا ہے۔ مالی معاونت کے علاوہ وہ ہر قدم پر میرا حوصلہ

Marfat.com

بڑھاتے رہے۔قبلہ بخاری صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں؛ علمی، ادبی اور تدریسی میدان میں بڑی فاضلانہ تحقیق کے حامل ہیں۔ میں ان کا خصوصی زیرِ بارِ احسان ہوں۔ آفتابِ عشق جب اپنی تابانیت سے جلوہ گر ہوتا ہے تو دنیا کے گوشے گوشے سے لاکھوں فرزندانِ توحید اور غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کے قلوب واذہان کو منور کرتا ہے پھر وہ کشاں کشاں حاضری کے لیے سرزمینِ بطحا کا رخ کرتے ہیں۔ اس پُرزعصیاں پر بھی اس کی کرنیں پڑیں تو بے قرار ولولوں نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ میرا ایمان یہ ہے کہ کعبۃ اللہ میں حاضری کے لیے انسان کے دل ودماغ تازہ اور روحِ شعور زندہ ہونی چاہیے۔

جب پی لیا ہے بادۂ حُبِّ نبی کا جام
پھر اس کے بعد ہوش میں آنا نہ چاہیے

Marfat.com

''تو فرمودی رہِ بطحا گرفتم''

13 فروری 2012ء بروز سوموار بمطابق 20 ربیع الاوّل کی صبح، وہ صبحِ جاں فزا تھی جب ایک فدائے نعلینِ رسالت مآب ﷺ اہلیہ (سلمیٰ تفاخر) کے ساتھ، تسکینِ قلب ونظر کا اہتمام کرنے ارضِ قرآن کی جانب جا رہا تھا۔ تمام رات بے تابی سے کروٹیں بدلتے گزری۔ شبِ غم کی تلخیاں لذتِ سحر میں بدل چکی تھیں۔ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں سرشاریِ مئے توحید کا روپ دھار چکی تھیں۔ اس رات کو ہونے والی موسلا دھار بارش سے سردی کی شدت میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا مگر اندر سے آتشِ حبِ رسول ﷺ دل کو گرما رہی تھی اور اس کی حدت میں ہر لحظہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ظہر تک دور ونزدیک سے اعزہ اور رفقا ملنے کے لیے آتے رہے۔ ساڑھے دس بجے شب پی آئی اے کی فلائٹ نمبر 741 نے اسلام آباد سے جدہ کے لیے اڑان بھرنا تھی۔ اس مقررہ وقت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے گھر سے الوداع ہونے کی تیاری شروع کر دی گئی تھی۔ قبلہ والد صاحب کی ہدایت کے پیشِ نظر ظہر سے پہلے میں ان کے انتہائی عزیز دوست شفیقِ مکرم سید الطاف حسین گیلانی صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں سلام عرض کرنے ان کے آستانہ کی طرف چلا گیا۔ راستے میں ہی ان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ کمال شفقت سے مجھے الوداع کہنے کے لیے غریب خانے پر تشریف لا رہے تھے۔ مجھ سے معانقہ کرتے ہوئے ان کے گوشہائے چشم سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔ اس عاجز سے ان کی شفقت ایک گراں قدر اور قابل فخر اثاثہ ہے۔ ان کی صحت کاملہ کے لیے دل سے دعا نکلتی

Marfat.com

ہے (اگرچہ وہ خانوادۂ سادات کے قابلِ تکریم فرزند ہیں اس اعتبار سے میں ان کی دعاؤں کا محتاج ہوں) اب گھر کے در و بام کو الوداع کہنے کا وقت بھی قریب آ رہا تھا اس لیے بے تابی دو آتشہ ہوتی جا رہی تھی۔ فخر و انبساط سے لبریز آنسو بار بار نوک مژگاں پر رقص کرتے رہے اور حضرت شورش کاشمیری کی ایک نعت کے یہ اشعار زبان پر آ جاتے۔

جس سرزمیں پہ نقشِ قدم ہیں حضورؐ کے
لے کر جبینِ شوق وہاں جا رہا ہوں میں
اپنے کرم سے یاد کیا ہے حضورؐ نے
وہ مرتبہ ملا ہے کہ اِترا رہا ہوں میں

روانگی کے پروگرام کو کافی حد تک پوشیدہ رکھنے کے باوجود بھی کثیر تعداد میں اہلِ محلّہ اکٹھے ہو گئے۔ بالخصوص خواتین نے بلند آواز میں درود و سلام کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ میں چاہتا یہ تھا کہ ایک ایسا خوب صورت سفر جو محض رضائے ایزدی کے لیے اختیار کیا جا رہا ہو اس میں کسی صورت بھی ریاکاری کی آمیزش نہ ہونے پائے۔ میری رائے میں اتنے عظیم مقصد کے حصول کے لیے تصنّع کا شائبہ تک بھی شامل ہو جائے تو خدائے عزوجل کی عنایات کے دریچے بند ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ بہر حال اب اس انبوہِ عقیدت کو روکا نہیں جا سکتا تھا۔ گھر سے ایئر پورٹ جانے کے لیے عزیزم محمد اصغر ایڈووکیٹ کے عزیز دوست چودھری حیدر شیر کی گاڑی سوزوکی کلٹس کا انتخاب ہو چکا تھا۔ حیدر شیر اپنی گاڑی اسلام آباد تک جانے کے لیے عقیدتاً بھی پیش کرنا چاہتے تھے۔ یہ وجیہ و شکیل اور سجیلا نوجوان مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہے۔ جب بھی ملتا ہے مروتاً گھٹنوں تک جھک کر ملتا ہے۔ گھر سے الوداع ہونے کا لمحہ آ گیا۔ قبلہ والد صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، وہ بھی

Marfat.com

فرطِ جذبات سے رو پڑے کہ ان کے خواب کی تعبیر عملاً پوری ہو رہی ہے۔ میری شدید علالت سے لے کر مکانات کی تعمیر اور عمرے کی سعادت حاصل کرنے تک ابا جان کی شفیقانہ مالی معاونت کی داستان اتنی طویل ہے کہ میرے ناتواں کندھے محبت کے اس بارِ گراں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اللہ ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے (آمین) بعد ازاں حفظِ مراتب کے اعتبار سے اپنی سرتاپا شفقت و رافت والدہ (جن کا وجودِ مسعود اور رشتہ حیات کی ضمانت ہے) سے پہلے گلے ملا۔ پھر حسبِ روایت ان کا دایاں دستِ شفقت اپنے جگر پر رکھا کہ جب سے عارضۂ جگر لاحق ہوا ہے ان کے دستِ شفا کے لمس سے جگر کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔

میری ماں کی دعا شاملِ حال تھی
راستہ مشکلوں میں نکلتا گیا

پھر ذوقِ عقیدت سے مجبور اپنی گنہگار جبیں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد سب سے عظیم ہستی (ماں) کے قدموں میں رکھ دیا اور جی بھر کر آنسوؤں کی صورت میں دل کا غبار نکالا۔ قبل اس کے کہ بے چینی صبر و شکیبائی کے لوازم پر غالب آ جاتی والدہ محترمہ نے فوراً پشت پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے اوپر اٹھا لیا اور دعاؤں سے سرفراز کیا۔ تمام ہمشیرگان سے ملنے کے بعد اپنی معذور بہن بشریٰ خانم کو سلام کیا جس کی مخلصانہ دعاؤں سے گھر کے در و دیوار جگمگا رہے ہیں۔ پھر عزیزم اصغر کی اہلیہ اور میرے لیے چھوٹی بہن کا درجہ رکھنے والی آسیہ اصغر کو خصوصی طور پر پیار کیا جو ابھی تک تیرہ سال سے اولاد جیسی نعمتِ غیر مترقبہ سے محروم ہے۔ اس کے آنسو تھے کہ احساسِ محرومی سے تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ بڑی مشکل سے اسے دلاسا دیا کہ بیت اللہ شریف میں دعاؤں میں سرِ فہرست

Marfat.com

تمھارے لیے اولاد کی تمنا کا اظہار ہے۔ اپنے بچوں اُسامہ، فہامہ اور حذیفہ کو پیار کیا۔ سب سے چھوٹا بیٹا حذیفہ اس دردناک طریقے سے رو رہا تھا کہ میں بھی جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ وہ روزانہ ناشتا میرے ساتھ کیا کرتا تھا۔ اب اسے انیس دن بڑے بھاری نظر آ رہے تھے۔ سب سے آخر میں دوسری اہلیہ (اُسامہ، فہامہ، حذیفہ کی والدہ) حافظہ قاریہ آمنہ سے ہاتھ ملایا۔ اس نے حسرت و ارمان کے ساتھ اور جذبہ محبت سے مغلوب روتے ہوئے میرا ہاتھ چوم لیا۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ اگر زندگی نے وفا کی اور مقدر مہربان ہوئے تو اب عمرے کی سعادت کی باری اس کی ہوگی۔ بھائی نعیم ارشد راز صاحب، الحاج بھائی احمد سعید صاحب اور مقبول احمد صاحب نے منظوم اظہارِ عقیدت کیا تھا۔ چلتے چلتے ان کے خوب صورت اشعار بھی سنے۔

سامان گاڑی میں رکھا جا چکا تھا۔ میں درودِ پاک کا ورد کرتے ہوئے جلدی سے گھر سے باہر نکلا۔ در و دیوار پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور دل ہی دل میں فارسی کے یہ اشعار پڑھتے ہوئے گاڑی کی طرف چل پڑا۔

اے نشاط آرائے ماہ و سالِ ما
از تو روشن خاورِ اقبالِ ما
سنگ و خشت و بام و در باہم نشد
تا نشد لطفت شریکِ حالِ ما

تسلسل سے درودِ پاک کا ورد کرتے ہوئے میں اہلیہ کے ساتھ گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ ڈرائیونگ کا فریضہ چھوٹے بھائی محمد اصغر ایڈووکیٹ انجام دینے لگے۔ جہلم کے قریب ایک سی این جی سٹیشن پر گاڑی روک کر نمازِ مغرب ادا کی اور پھر

Marfat.com

ثنائے ربِّ جلیل کرتے ہوئے دوبارہ سفر کا آغاز کیا۔ ایئرپورٹ پر پہنچنے سے پہلے ہمیں الوادع کہنے والوں میں ماموں چودھری مختار احمد صاحب، ورکس مینجر پی او ایف واہ کینٹ، محترمہ ممانی صاحبہ اور کزن چوھدری افتخار احسن کے علاوہ میرے عزیز شاگرد سید امیر علی شاہ موجود تھے۔ ایئرپورٹ کے حوالے سے میں اپنے ایک ایثار پیشہ بے تکلف دوست طلعت محمود کھوکھر کا خصوصی طور پر تذکرہ کرنا چاہوں گا۔ طلعت محمود کھوکھر معروف ماہرِ تعلیم محمد شریف کھوکھرؒ مغفور (جن کا حال ہی میں انتقال ہوا گیا ہے) کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ محمد شریف کھوکھر صاحبؒ آبائی طور پر سرزمینِ غنیمت کنجاہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعدازاں حصولِ تعلیم کے سلسلہ میں راولپنڈی چلے گئے اور پھر وہیں کے ہوگئے۔ چوں کہ انھیں درس وتدریس سے بے پناہ لگاؤ تھا اس لیے انھوں نے اپنے والد گرامی جناب برکت علی مغفور کے نام سے تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے کو عوام الناس میں بے پناہ مقبولیت ملی۔ اس پذیرائی کو دیکھتے ہوئے انھوں نے مزید کئی شاخیں کھولیں۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد برادرم طلعت محمود کھوکھر کو نیابت کا فریضہ انجام دینا پڑا جسے وہ کمال حسنِ انصرام سے نبھا رہے ہیں۔ طلعت محمود صاحب بڑی مہمان نواز شخصیت ہیں۔ آج سے دس برس قبل جب ابا جان حج پر تشریف لے گئے تو حجازِ مقدس جاتے اور آتے ہوئے انھوں نے بڑا اشفیقانہ تعاون کیا۔ میری روانگی کے موقع پر بھی ان کا یہی خلوص شاملِ حال رہا۔ اگرچہ وہ شدید علالت کے پیشِ نظر خود تو ایئرپورٹ نہ آسکے مگر انھوں نے سیکیورٹی پر مامور ڈی ایس پی سید امان اللہ شاہ صاحب سے مسلسل رابطہ کیے رکھا۔ سید امان اللہ شاہ بڑے ہنس مکھ اور ملنسار انسان ہیں۔ وہ شدت سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ایئرپورٹ پر پہنچتے ہی تمام عزیزوں سے الوداعی معانقہ کیا اور سیکیورٹی معاملات اور سفری دستاویزات کی کلیرنس کے لیے اندر چلے گئے۔ قبلہ شاہ صاحب کے توسل سے پانچ دس منٹ میں تمام معاملات سے

Marfat.com

فراغت کے بعد ہم لاؤنج میں داخل ہو گئے۔ شاہ صاحب کے خصوصی تعاون سے ہمیں جہاز کے بالکل اگلے حصے میں نشستیں الاٹ ہو گئیں۔ انھوں نے لاؤنج کی سیڑھیوں پر ہمیں الوداع کہتے ہوئے بورڈنگ کارڈ ہمارے ہاتھوں میں دے دیے۔ شاہ صاحب کا چہرہ ہمہ وقت گلِ خنداں کی طرح رہتا ہے اور لبوں پر تبسم کی ایک ہلکی سی لکیر رقصاں رہتی ہے جو ان کی فطری شادابی کا پتا دیتی ہے۔ ہم نے بیت اللہ شریف میں ان کے لیے خصوصی دعائیں کیں۔ پرواز کی روانگی میں ابھی ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا۔ ہم لاؤنج کی مسجد کے قریب نصب بنچوں پر بیٹھ گئے۔ اب دو سفید چادروں پر مشتمل ایک ایسا لباس زیبِ تن کرنے کا وقت آ گیا جسے منشائے ایزدی نے اپنے دربارِ اقدس میں حاضری کے لیے پسندیدہ ترین قرار دیا ہے۔ یہ لباس (احرام) اس بات کی علامت ہے کہ ایک عاجز اور خطاکار بندہ اپنے خالق و مالک کے حضور موت کو یاد کر کے نالہ و شیون اور آہ و زاری کرے کہ میں اسی لباس تجہیز و تکفین میں حاضر ہوں۔ احرام پہنتے ہی انسان کے دماغ سے ہوائے کبر و غرور نکل جاتی ہے اور اس کی جگہ خود بخود مسکنت و انکسار لے لیتے ہیں؛ رؤف الرحیم آقا اسے اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔

دریائے معصیت میں نہ ڈوبوں گا میں کبھی
کشتی مری شکستہ سہی ناخدا تو ہے

میں نے بھی وہ تولیہ نما چادریں جو برادرِ عزیز وکیل صاحب نے بڑی محبت سے خرید کر دی تھیں بیگ سے نکالیں اور غسل کر کے زیبِ تن کر لیں۔ احرام باندھنے کے بعد دل و دماغ میں ایک تحیّر آمیز تبدیلی محسوس ہونے لگی۔ معاً ایک رقت سی طاری ہو گئی۔ اب اپنے خطاپوش آقا کے حضور حاضر ہونے میں تقریباً چھے گھنٹے کا وقت رہ گیا تھا۔ اہلیہ نے بھی احرام باندھ لیا اور PK741 کی روانگی کا انتظار ہونے لگا۔ دیگر کئی مسافرانِ رہِ حجاز بھی

Marfat.com

تیزی کے ساتھ احرام باندھنے میں مصروف تھے۔ ٹھیک دس بجے ہم تسبیح وتہلیل کرتے ہوئے جہاز میں سوار ہوگئے۔ پی۔ آئی۔ اے کا مستعد با اخلاق اور چاق چوبند عملہ ہمارے استقبال کے لیے سیڑھیوں پر موجود تھا اور بورڈنگ کارڈ دیکھ کر نشستوں کے لیے رہنمائی میں مصروف تھا۔ ہماری نشستوں کا نمبر 21,22 تھا۔ ساڑھے دس بجے جہاز رن وے پر اڑان بھرنے کے لیے رینگنے لگا۔ سپیکر پر کپتان کی آواز گونجی: اسلام آباد سے جدہ جانے والے PK741 کے مؤقر مسافروں سے التماس ہے کہ سیٹ بیلٹ باندھ لیں۔ چند لمحوں بعد جہاز ایک جھٹکے سے زمین کی پستیوں سے جدا ہوتے ہوئے آسمان کی رفعتوں کی جانب پرواز کرنے لگا۔ ہم چونکہ پہلی بار جہاز سے سفر کر رہے تھے اس لیے تحیر وتجسس سے فضا کی وسعتوں سے لطف اندوز ہونے لگے۔ کچھ بزرگ لوگ ان لطافتوں سے بے نیاز نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ آدھ گھنٹے بعد فضائی میزبانوں نے لطیف ونازک اندام ہاتھوں سے نشستوں کے ساتھ لگے ہوئے ٹرے نما میز کھولنے شروع کر دیے۔ چونکہ ہم نے رات کا کھانا ابھی نہیں کھایا تھا اس لیے شدید اشتہا نے بے تاب کر رکھا تھا۔ چھوٹے چھوٹے ٹرے انواع واقسام کی اشیائے خوردونوش سے بھرے ہوئے تھے۔

لذتِ کام ودہن سے فارغ ہونے کے بعد ایک بار پھر میں چشمِ تصور میں بطحا کی حیات بخش وادیوں کی سیر کرنے لگا۔ اب لمحہ بہ لمحہ حجاز کا سب سے بڑا تجارتی مرکز جدہ قریب تر آتا جا رہا تھا۔ اپنے معصیت آلودہ جسم پر احرام سا متبرک ومحترم لباس دیکھ کر تشکر وامتنان سے میری آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔ ان دو چادروں کے جسم پر اوڑھتے ہی ایک مسلمان اللہ ربّ العزت کی طرف سے عائد کردہ مخصوص پابندیوں اور ضوابط کا اسیر ہو جاتا ہے۔ ہر طرح کی دنیاوی آلائشوں سے منزہ ہو کر جذبات وخیالات کو آبِ تطہیر میں

Marfat.com

بار بار غسل دینا پڑتا ہے۔ ناخن کاٹنا، بال کاٹنا، سر ڈھانپنا یا جسم پر اس انداز سے خارش کرنا کہ جسم پر نشان پڑ جائے سخت منع ہے۔ ان ضوابط کی خلاف ورزی پر دم پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے جس کا کفارہ بہت مہنگا پڑ سکتا ہے اس لیے عمرے کی ادائیگی تک ان لوازم کی سخت پابندی کرنا پڑتی ہے۔ میں احرام کی فیوض و برکات کے متعلق سوچتے سوچتے وصلِ سرزمینِ حبیب کی لذت سے بہرہ یاب ہونے کی بے تابی دل میں لیے کچھ عرصے کے لیے نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ دو بجے کے قریب آنکھ کھلی تو جہاز کا کپتان اعلان کر رہا تھا کہ چند ثانیوں بعد ہم جدہ انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر پہنچنے والے ہیں۔ میں نے دنیا و مافیہا سے بے خبر نیند سے لطف اندوز ہونے والی اہلیہ کو جگایا کہ خود کو سنبھالو اور اپنا سامان سمیٹ لو اب ہم عالمِ انسانیت کے والدین حضرتِ حوّا اور حضرت آدمؑ کے مولد جدہ پہنچ چکے ہیں۔ میں نے جہاز کی کھڑکی سے نیچے جھانک کر دیکھا تو جدہ شہر رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔

اللہ کے مقبول ترین بندوں یعنی پیغمبران علیہم السلام کی اس بابرکت سرزمین پر لوڈشیڈنگ کا تصور تک نہیں۔ بھلا ربّ ذوالجلال کی قدرت یہ امر کس طرح گوارا کر سکتی ہے کہ جہاں دلوں کی ظلمت دور کرنے کے لیے آفتابِ ہدایت ضوفگن رہے ہوں وہاں کے درودیوار پر کیسے تاریکی چھا سکتی ہے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
چوں غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

جہاز بڑے دل کش انداز میں خلا کی وسعتوں کو چیرتا ہوا جدہ ایئرپورٹ کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ میں نیچے تاحدِ نگاہ پھیلے ہوئے رنگ و نور کے سیلاب سے حظ اٹھا رہا تھا۔ محسوس

Marfat.com

ہو رہا تھا ہم زمین پر نہیں بلکہ روشنیوں کے سیلِ بے کراں میں اترنے والے ہیں۔ ہوائی جہازوں پر کثرت سے سفر کرنے والے لوگ بتاتے ہیں کہ زمین پر اترتے وقت اور اڑان بھرتے وقت جو خوب صورت تیکنیک پی آئی اے کے پائلٹ استعمال کرتے ہیں وہ دنیا بھر کی ہوائی کمپنیوں کے پائلٹ نہیں کر سکتے۔ میں بھی اس کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ جدہ شہر کو خلا سے بھی اور بعد ازاں اس کے کوچہ و بازار میں خوب گھوم پھر کر دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا۔ یہ شہر اب صرف عربوں کا شہر نہیں رہا۔ دنیا بھر کے باشندے یہاں طویل عرصے سے روزگار کے سلسلہ میں کھنچے چلے آتے ہیں اور اسے اپنا مستقل مسکن بنا رہے ہیں۔

یہاں سب سے زیادہ تعداد ایشیائی باشندوں کی ہے جن میں انڈین، بنگالی اور پھر پاکستانی زیادہ پائے جاتے ہیں مگر پاکستانی بھائیوں کے لیے اس سرزمین کی کشادگی فیاضانہ اور لامحدود ہوگئی ہے۔ میرے نزدیک اس وسعتِ اعتماد کی دو وجوہ ہیں: ایک وہی فطری اسلامی نسبت جس کے سامنے خون کے رشتے بھی ہیچ ہیں، دوسری وجہ پاکستان کا ایٹمی قوت بن کر دنیا کے نقشے پر ایک نئے روشن باب کا اضافہ کرنا ہے۔ لامحالہ عرب باشندے ہمارے ایٹمی اثاثوں کو دشمنانِ دیں (یہود و ہنود) کے مقابلے میں اپنی قوتِ مدافعت کا مظہر سمجھتے ہیں۔ جدہ شہر کی فضا میں گھومنے پھرنے سے ایک تبدیلی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے کہ عربی اب وہ عربی نہیں لگتے جنھیں دیکھ کر اونٹوں کی وہ لمبی قطاریں یاد آجاتیں جن کی مہار ایک چھوٹے سے عربی بچے کے ہاتھ میں ہوتی اور وہ لق و دق صحرا میں انھیں چرانے کے بعد شام کو واپس اپنے صحرائی مسکن میں یہ کہتا ہوا لے جائے۔

حدی را تیز تر می خواں چوں محمل را گراں بینی
نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کمیابی

بلکہ عربی لباس میں کلین شیو ساکنانِ یورپ نظر آتے ہیں۔ میں جس بو باس اور تہذیب کی رعنائی دیکھنے کا متمنی تھا وہ جدہ میں نظر نہیں آئی البتہ ایک چیز جسے وہ آج بھی باعثِ فخر و مباہات سمجھتے ہیں اور خود کو دوسری قوموں سے ممیز خیال کرتے ہیں وہ ان کی زبان ہے اور میں ذاتی طور پر اس وجہِ امتیاز کو برا اس لیے نہیں سمجھتا کہ جس زبان کو خود خالقِ کائنات نے پسند فرمایا ہو اور پھر اسی میں اپنا لامثال کلام نازل فرمایا ہو اس پر فطرتاً ناز کیا جانا چاہیے۔ مگر محض زبان دانی ہی کو وجہِ شرف تصور کرنا اور اپنی عادات واطوار اور تہذیب و تمدن کے حسن و قبح کو نظر انداز کر دینا معقولیت نہیں۔ اگرچہ اس قباحت سے پورا حجاز متاثر ہوتا نظر آتا ہے مگر جدہ کے باشندوں پر یورپی تہذیب انتہائی خطرناک انداز میں پوری قوت سے حملہ آور ہو چکی ہے۔ مغربی تمدن کی جن فسوں کاریوں کو عربی اپنے لیے راحت و آسودگی خیال کرتے ہیں یہی بات خدایانِ مغرب کے لیے باعثِ تسکین ہے کہ جس غلاظت کو ٹھکرا کر خود یورپ والے بہت آگے نکل چکے ہیں اسے ہم مسلمان اپنے لیے لقمۂ حلاوت سمجھ کر اشتہا مٹا رہے ہیں۔ ایک کاش! اگر میں عربی زبان سے واقف ہوتا اور اس کے مبادیات و رموز کو جانتا تو جدہ کے ساحل پر کھڑے ہو کر سمندر کی تلاطم خیز موجوں کو گواہ بنا کے عرب باشندوں کو دانائے راز حضرت علامہ اقبال کا یہ بصیرت افروز کلام ضرور سناتا۔

مے از مے خانۂ مغرب چشیدم
بجانِ من کہ دردِ سر خریدم
نشستم با نکویانِ فرنگی
ازاں بے سود تر روزے ندیدم

Marfat.com

ترجمہ: میں طویل عرصہ تک مغرب کے مے خانوں میں جاتا رہا۔ مجھے اپنی جان کی قسم میں نے دردِ سر خریدا۔ میں بڑے بڑے مغربی مفکرین کے پاس بیٹھتا رہا مگر اس سے بے کار کام اور کوئی نہیں دیکھا۔

اس موضوع پر کچھ کلام سفر کے آخری حصے میں کریں گے کیونکہ واپسی پر مجھے جدہ میں ایک مخلص شاگرد عزیز القدر محمد اقبال کے گھر قیام کا موقعہ ملا۔ سلسلۂ کلام فلائیٹ PK421 کے جدہ ایئر پورٹ پر لینڈ کرنے پر ٹوٹا تھا۔ جدہ ایئر پورٹ دنیا کے وسیع اور جدید ترین ہوائی اڈوں میں شمار ہوتا ہے جہاں سے ہر پانچ منٹ بعد ایک جہاز اڑان بھرتا ہے اور اسی اعتبار سے اترتا ہے۔ ہم نئی فضا میں نئے جذبوں کے ساتھ بس میں سوار ہوئے۔ یہاں سے لاونج دو کلو میٹر کے فاصلے پر تھی۔ اپنے ہینڈ بیگ لے کر لاونج میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں ڈیوٹی پر تعینات سعودی اہل کاروں میں زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی جو مسافروں کی تکان سے بے نیاز آپس میں بے تکلفانہ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اہلیہ تھکاوٹ سے نڈھال اور جگ رتے سے چُور ایک بنچ پر گر پڑی۔ میں چونکہ خود بھی جگر کے عارضے میں مبتلا تھا اور اسی کے علاج کے لیے اللہ کا مہمان بنا تھا اس لیے میرے چہرے سے بھی شکستگی کے واضح اثرات محسوس کیے جا سکتے تھے۔ ہم اس انتظار میں تھے کہ دستاویزات کے چیک اپ پر تعینات یہ کھلنڈرے نوجوان کب اپنا کام شروع کرتے ہیں مگر ہمارے اضطراب کی شدت ان کی مسکراہٹ کے تسلسل کو نہ توڑ سکی۔ بالآخر ہمارے گروپ کے ایک عمر رسیدہ بزرگ جو کسی حد تک عربی زبان سے واقف تھے انھیں احتجاجاً اپنے جذبات سے آگاہ کیا ہم فجر کی نماز حرم شریف میں ادا کرنا چاہتے ہیں۔

اگر مجھ میں جرأتِ اظہار کا سلیقہ ہوتا تو میں ان غیر ذمے دار اہل کاروں کو آستین

Marfat.com

سے پکڑ کر ضرور پوچھتا کہ اللہ کے مہمانوں کے ساتھ یہ بے رحمانہ سلوک کرنے کا حق تمھیں کس نے دیا ہے۔

بہر حال کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے، کے مصداق مسافروں نے مختلف کاؤنٹروں پر قطاریں بنائیں اور کاغذات کی جانچ پڑتال شروع ہوئی۔ اس صبر آزما مرحلے کے بعد ہم باہر روٹیٹر پر اپنے سامان کا انتظار کرنے لگے۔ بیگ ملنے میں پون گھنٹہ صرف ہو گیا۔ لاؤنج سے باہر آئے تو کھلی فضا میں سانس لینے کا موقع میسر آیا۔ یہاں حج وعمرہ سے منسلک کئی کمپنیوں کے عربی نمائندے موجود تھے جو اپنے اپنے گروپ کا نام لے لے کر زائرین سے پاسپورٹ وصول کر رہے تھے۔ سنا ہے کہ آج سے چھے سات برس قبل پاسپورٹ وغیرہ زائرین کے پاس ہی رہا کرتے تھے مگر بعض بے روزگار نوجوان عمرے کی آڑ میں زیارتوں کے دوران اپنے کاغذات سمیت غائب ہو جاتے تھے اس طرح ان کمپنیوں کے لیے الگ پریشانی کا باعث بنتے اور ملک وقوم کے لیے ندامت کا سامان الگ پیدا کرتے۔ چنانچہ ان کی اس خیانت کے پیشِ نظر اب سعودیہ میں مقیم کمپنیوں کے نمائندے زیارات کے دورانیے کے اختتام تک سفری دستاویزات اپنے پاس رکھتے ہیں۔ ہمارا گروپ ''النجد'' سے متعلق تھا اس لیے ان کے دو ملازم نجد نجد پکار رہے تھے۔ میں نے خود اپنے کاغذات ایک ٹیم، بے ڈھب سے موٹے تازے عربی کے حوالے کر دیے جو خود کو نجد کا نمائندہ ظاہر کر رہا تھا۔ اس نے اشارے سے ہمیں ایک بنچ پر بیٹھ جانے کو کہا۔ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا والا معاملہ بن گیا۔ اب ہمارا ایک اور امتحان شروع ہو گیا۔ دل تھا کہ بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہونے کے لیے بے قرار تھا مگر دیوانگانِ عشق ان نمائندوں (جو احساسِ محبت کی نزاکت سے ناواقف تھے) کی سرد مہری کے ہاتھوں مجبور تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر اس

Marfat.com

ضخیم عربی سے پوچھا کہ وہ انگریزی جانتا ہے؟ اس نوجوان نے جس کی گردن سے گوشت ڈھلک رہا تھا نفی میں سر ہلا دیا۔ عین سحری کے وقت عارفِ شیراز یاد آ گئے۔

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم
چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہانِ من

اگرچہ خواجۂ شیرازؒ نے یہ شعر تو کسی لطیف ہستی کے لیے بولا ہوگا مگر موقع کی مناسبت سے شعر کا استعمال کہیں بھی ہو سکتا ہے۔ ناچار دوبارہ بنچ پر بیٹھ کر 'حاکمانِ وقت' کے اگلے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ بلڈ پریشر اور شوگر کی زیادتی کی وجہ سے اہلیہ کی آنکھیں انتہائی سرخ ہو چکی تھیں اور کرب سے پھٹی جا رہی تھیں مگر وہ اللہ کے دربار کو دیکھنے کی جستجو میں ایک بار بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائی کہ شاید یہ حدِ ادب کے منافی نہ ہو کیوں کہ یہاں قدم قدم پر اللہ کی رضا کو مقدم رکھنا پڑتا ہے۔

کوئی آدھ گھنٹہ بعد ایک دُبلا پتلا سانولے رنگ کا نوخیز لڑکا ہمارے قریب آیا۔ وہ مجھے دور ہی سے پاکستانی لگ رہا تھا۔ اس نے مجھے قریب آ کر اردو زبان میں پوچھا، آپ ''نجد گروپ'' سے ہیں۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے دستاویزات سے میرا نام پڑھنے کی کوشش کی مگر اپنی 'گراں قدر' کاوش کے باوجود وہ میرا صحیح نام زبان پر لانے سے قاصر رہا کیوں کہ یہاں پاکستان میں بھی میرے نام کا درست تلفظ بہت کم لوگوں کو آتا ہے۔ دراصل میرا نام میرے دادا جانؒ نے اس تمنا کے ساتھ انتخاب کیا تھا کہ یہ نام ملک میں کسی اور کا نہ ہو۔ لفظِ تفاخُر بائیسویں پارے میں آتا ہے اور فی الواقع دادا محترم کی یہ پیش گوئی اور تمنا حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ میں اپنی عمر کے چالیس برس تک ملک کے مختلف شہروں بشمول کوئٹہ، کراچی وغیرہ میں گھوما پھرا...... مگر اس نام کے کسی انسان سے ملاقات

Marfat.com

نہیں ہوسکی۔ بفضل تعالیٰ بطور نقیبِ محفل مجھے بلادِ پاکستان بڑی بڑی رفیع الشان محفلوں میں جانے کا موقع میسر آیا ہے مگر ہر جگہ یہ نام حیرت واستعجاب کی علامت بنا رہا۔ اب کچھ عرصہ سے میرے نام جاننے والوں نے اپنے بچوں کے نام اس نام پہ رکھے ہیں۔ میں اس امتیاز کو وجہِ افتخار نہیں سمجھ رہا؛ صرف ایک درویش کے حسنِ انتخاب کی بات کر رہا تھا۔

سفر کا احوال بیان کرتے ہوئے بعض اوقات راہوارِ قلم پٹڑی سے اتر جاتا ہے۔ اس کے لیے میں اپنے قارئین سے دل کی گہرائیوں سے معذرت خواہ ہوں۔ میں عرض کر رہا تھا کہ اس سانولے رنگ کے لڑکے کو میرا نام پڑھتے ہوئے کچھ دقت محسوس ہوئی تو کہنے لگا، آپ حاجی ٹریول گجرات والوں کی طرف سے سفر کر رہے ہیں؟ میں نے کہا ہاں، میں نے خود ہی اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے کہا، میرا نام تفاخر محمود ہے اور ساتھ اہلیہ ہے۔ اس نے دل ہی دل میں کہا، چلو اس تذبذب سے جان چھوٹی۔ اس نے ہمارا سامان اٹھایا اور ایک چھوٹی سی ایئر کنڈیشنڈ وین میں رکھ دیا۔ اس میں ہمارے علاوہ صرف دو آدمی اور بیٹھے ہوئے تھے۔ پانچ دس منٹ بعد اس لڑکے نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور گاڑی سٹارٹ کر کے اس کا رخ مؤلد النبی ﷺ مکہ مکرمہ کی طرف موڑ دیا۔ وہاں کی سڑکیں اتنی کشادہ اور آرام دہ ہیں کہ معمولی جھٹکا لگنے کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ بس یوں سمجھیے ہوائی جہاز میں سفر کیا جا رہا ہے۔ جوں جوں گاڑی کی رفتار تیز ہوتی گئی اشتیاق کی آگ بھی تیز تر ہوتی گئی۔

سڑک کے دونوں جانب لوہے کے بڑے بڑے مضبوط کھمبوں پر سلاطینِ آلِ سعود کی قدِ آدم تصاویر آویزاں نظر آتی ہیں۔۔۔ بالخصوص موجودہ شاہ سعود جلالتہ الملک شاہ عبداللہ کی پُر وجاہت تصاویر مسافرانِ راہِ حجاز کا خیر مقدم کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں جلی طور پر اھلاً وسھلاً مرحبا بھی لکھا نظر آتا ہے۔ جدہ سے مکہ شریف کا سفر تخمیناً ایک سو کلومیٹر بنتا ہے۔ ہمارے

Marfat.com

ملک کی ٹریفک کا معاملہ ہوتو یہ سفر تین گھنٹے میں طے ہو مگر یہاں چونکہ اہلِ دل کو سفر کرنا ہوتا ہے اس لیے مقاماتِ زیارت والے راستوں پر شاہی حکومت خصوصی توجہ دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سفر ایک گھنٹے میں طے ہو جاتا ہے۔

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

مگر ذوقِ جستجو کب رکنے دیتا ہے؛ ابھی اپنی آرام دہ نشست پر دراز ہو کر چند لمحوں کے لیے آرام کرنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ ڈرائیور (جس نے اپنا نام ناصر بتایا تھا اور وہ جہلم کا رہنے والا تھا) نے کہا کہ ہم مرکزِ دل و نگاہ مکہ شریف میں داخل ہونے والے ہیں جہاں ہر لحظہ اللہ کی رحمت کی برسات ہوتی رہتی ہے اور پھر چند ساعتوں بعد ہماری گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی مولد النبی ﷺ میں داخل ہوگئی۔

قدم قدم پہ جبینِ نیاز جھکتی ہے
قدم قدم پہ ترا سنگِ آستاں دیکھا

Marfat.com

مکّۃ المکرّمہ...... مظہرِ جلالِ کبریا

قدیم وجدید مؤرخوں اور سیرت نگاروں کے مطابق مکّہ کا قدیم اور اصلی نام بکّہ ہے۔ معروف سیرت نگار اور اقلیمِ تحقیق کے تاج دار علامہ شبلی نعمانیؒ اور موجودہ دور کے نامور محقق مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کا اس پر مکمل اتفاق ہے اور اس حقیقت کو مولانا مودودیؒ بھی اپنی معرکتہ الآرا کتاب ''سیرتِ سرورِ عالم ﷺ'' اور نازشِ علم وادب پیر محمد کرم شاہ صاحبؒ نے ضیاالنبی میں بیان کیا ہے۔ سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر 10 میں اسے بکّہ ہی سے یاد کیا گیا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیتٍ وّضِعَ لِلّناسِ لَلّذی بِبَکّتہَ مُبارَکاً ٥ ''وہ پہلا متبرک گھر جو آدمیوں کے لیے بنایا گیا وہ بکّہ میں تھا''۔ اس کے علاوہ اسے بلدامین سے بھی یاد کرتا ہے۔ اس شہرِ امن وتسکین میں بیت اللہ شریف کی موجودگی کے ساتھ ساتھ سردارِ انبیا حضور سیّد دو عالم ﷺ کی ولادت نے جو عظمت وحشمت بخشی ہوئی ہے اس کے سامنے شکوہِ خسروی یوں نظر آتا ہے جس طرح آسمان کی رفعتوں کے سامنے تحت الثریٰ کی پستیاں سجدہ ریز نظر آتی ہیں۔

اسی مؤلد النبی ﷺ میں ہماری گاڑی بروز منگل صبح سات بجے داخل ہوئی اور شاہراہِ ابراہیم خلیل پر واقع فندق الخلیل کے سامنے آ کر رک گئی۔ دس منٹ کے توقف کے بعد میں نے ڈرائیور سے پوچھا کہ شربتِ علی کے نام سے جو ہوٹل ہمارے شیڈول میں درج ہے ہمیں تم اس تک کیوں نہیں لے جا رہے۔ اس نے بتایا کہ یہاں مکہ معظمہ میں حاجی

Marfat.com

ٹریول والوں کے منتظم چودھری عجائب خاں سے رابطہ نہیں ہو رہا اور مجھے شربتِ علی ہوٹل کے متعلق کچھ علم نہیں کہ کہاں واقع ہے۔ اب میرے لیے گزرنے والا ایک ایک لمحہ سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔ میں گاڑی سے نکل کر سڑک پر کھڑا ہو گیا اور دونوں جانب خود ہی مضطربانہ فندق شربت علی تلاش کرنے لگا۔ فندق عربی زبان میں ہوٹل کو کہا جاتا ہے۔ دور سے مجھے یہ لفظ خندق معلوم ہوا۔

میں دل میں غصے سے پیچ و تاب کھانے لگا کہ یہاں شہرِ خالقِ کائنات میں پہنچ کر بھی حرم کی فیوض و برکات سمیٹنے میں دشواری پیش آ رہی ہے حالاں کہ مجھے بعد میں راستوں کی واقفیت کے بعد معلوم ہوا کہ اس وقت بالکل حرم شریف کے قریب کھڑے تھے۔ اگر مجھے پہلے حقیقتِ حال کا علم ہوتا تو میں سامان کو وہیں چھوڑ کر سیدھا اس احکم الحاکمین کے گھر پہنچ جاتا جہاں جلالِ حق کی ہیبت سے بڑے بڑے شہنشاہوں کے دل لرز اٹھتے ہیں۔ میں نے جھنجھلا کر ذرا ترش لہجے میں پاکستان میں شاہد بٹ صاحب کو فون کیا کہ ہم یہاں پہنچ کر بھی اپنے جائے قیام تک نہیں جا سکے اور ایک گھنٹہ سے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ علالت، نقاہت اور تکان سے اعصاب شل ہو رہے ہیں اور حال یہ ہے۔

بچھڑ گئے ہیں کہاں ہم سفر خدا جانے
نقوشِ پا بھی نہیں، گردِ کارواں بھی نہیں

عزیزم شاہد نے میرے بدلے ہوئے لہجے سے اندازہ کر لیا کہ میرے استاد کس ذہنی اذیت سے گزر رہے ہیں۔ انھوں نے کسی طرح چودھری عجائب خاں سے رابطہ کر لیا اور انھیں میرے تذبذب سے آگاہ کیا۔ چند لمحوں بعد ایک باریش نوجوان ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہماری گاڑی کے قریب آیا اور پنجابی لہجے میں کہنے لگا، پروفیسر صاحب!

Marfat.com

السلام وعلیکم! میں نے کہا، وعلیکم السلام! ان کی آواز میں دیرینہ شناسائی معلوم ہوتی تھی لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ ہماری تکلیف کی شدت کو بھی محسوس کر رہے تھے اور احساسِ ندامت بھی ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ انھوں نے عربی زبان میں ڈرائیور سے کچھ جذباتی گفتگو کی پھر ہمارا سامان اٹھا کر قیام گاہ کی طرف چل دیے۔

وہ بڑی سڑک سے ذرا ہٹ کر ایک پُر پیچ اور اونچی سی گلی میں داخل ہو گئے۔ تھوڑا سا آگے مڑے تو شربتِ علی ہوٹل میں پہنچ گئے۔ ہمیں استقبالیہ کے سامنے لگے ہوئے آرام دہ صوفوں پر بٹھایا؛ ہمارے کرب کی کیفیت کچھ کم تو ہوئی لیکن منزلِ طمانیت ابھی نظر نہیں آئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ باریش نوجوان اپنے ہاتھ میں انواع واقسام کے مشروبات لیے ہمارے پاس آئے۔ تشنگی کی شدت سے ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ اللہ ربّ العزت کے شہر میں پہلا مشروب ملا تو لطافت دوچند ہو گئی۔ اہلیہ کو شوگر کی وجہ سے مشروبات پینے میں کچھ تذبذب تھا۔ میں نے کہا، اب پرہیز کے لوازم وضوابط توڑ دو۔ اللہ کا نام لے کر خوب سیر ہو کر پیو۔ اگر یہاں بھی بیماری کی شدت میں اضافے کا ہی خوف دل میں رکھنا ہے تو اس سے واپس لوٹ جانا بہتر ہے۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ کھانے پینے میں حائل رکاوٹیں دور ہو جائیں۔ اس نے غٹا غٹ دو تین پیک جوس پی لیے۔ میں نے زیرِ لب اسے شورش کاشمیری کا یہ شعر بھی سنایا۔ ؎

جو کچھ گزر رہی ہے دلِ ناصبور پر
اس کی دوا حضورؐ کے دارالشفا سے مانگ

قدرے اطمینان ہوا تو وہ نوجوان ہمارے قریب بیٹھ گئے اور راہ و رسم نکالنے کے لیے گفتگو کرنے لگے۔ انھوں نے اپنا نام حاجی عبدالرحمٰن بتایا اور کہا کہ وہ

Marfat.com

چودھری عجائب خاں صاحب کے اسسٹنٹ کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ان کا سرخ و سفید چہرہ ہر وقت بہارِ نو کی آمد کا احساس چھوڑتا نظر آتا مگر دھوپ میں مزید تمتمانے لگتا۔وہ دیر تک ہمیں محسوس ہونے والی تکلیف پر معذرت کرتے رہے۔میں نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ میں قطعاً ناراض نہیں ہوں۔اس شہرِ محبوب میں تو ناراضی کا تصور تک بھی کرنا ردائے تقدیس کو آلودہ کرنے والی بات ہے۔چونکہ اب بہت دیر ہو رہی تھی اور ہم جس مقصد کے لیے اتنا طویل سفر کر کے آئے تھے اس کی ادائیگی میں مزید تساہل مقصد سے دور بہت دور لے جانے کا سبب بن سکتا تھا۔چنانچہ میرے اضطراب کو بھانپ کر عبدالرحمٰن نے ووچر طلب کیا۔اس پر خصوصی طور پر درج تھا: Separate Room۔عبدالرحمٰن نے بتایا کہ شربتِ علی میں الگ کمرے کا انتظام نہیں ہو سکے گا۔اس لیے میں آپ کو اس سے بھی بڑھ کر اچھی، آرام دہ اور سہولتوں سے آراستہ رہائش کسی اور ہوٹل میں دیتا ہوں۔انھوں نے ہمارا سامان اٹھایا اور اگلی گلی میں واقع فندق دارالشریعہ میں لے گئے۔انھوں نے فلور نمبر 9 کے کمرا 408 کی چابیاں ہمارے حوالے کیں اور پھر لفٹ کے ذریعے متعلقہ کمرے تک چھوڑ آئے۔انھوں نے شدید مصروفیت کے پیشِ نظر ہم سے اجازت لی اور ساتھ ہوٹل کا کارڈ اور اپنا فون نمبر بھی دیا۔کسی بھی دشواری کی صورت میں ان سے رابطہ کیا جائے۔میں نے انھیں بخوشی اجازت دے دی۔

کمرا کھولا تو چار صاف ستھرے بستر بڑی نفاست سے لگے ہوئے تھے۔گرمی کی صورت میں بڑا اپ ٹو ڈیٹ اے۔سی بھی دیوار میں نصب تھا۔سعودی عرب چونکہ گرم ترین خطہ ہے اس لیے تقریباً بارہ مہینے گرمی رہتی ہے اس لیے موسم کی شدت کے پیشِ نظر یہاں کے ہر گھر اور ہر کمرے میں اے۔سی لگے ہوئے ہیں۔میں نے عمرے کی سعادت کے لیے

Marfat.com

دانستہ سردیوں کے موسم کا انتخاب کیا تھا کہ اس مہینے میں ایک تو نسبتاً گرمی کم ہو گی اور دوسرے یہ کہ حرمین شریفین میں فرزندانِ توحید کی تعداد کم ہو گی اور اس طرح بڑی آسانی سے تمام مناسک ادا ہو جائیں گے۔ ہم نے چند لمحے آرام کیا؛ وضو کیا اور اہلیہ سے کہا، آؤ اب اُس بارگاہِ ربّ العزت میں حاضری دینے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے جو خالقِ کائنات بھی ہے اور مالکِ کُل بھی۔ لبیک اللھم لبیک کی صدا لگاتے ہوئے، کپکپاتے ہونٹوں، لرزتی ٹانگوں، بے قرار آنسوؤں اور دل سے اُٹھتی ہوئی لامحدود بے چین تمناؤں کے ساتھ شاہراہ خلیل کے ساتھ ساتھ فٹ پاتھ پر بیت اللہ شریف کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ایک کھلی سی جگہ پر ہزاروں کبوتر دیکھے جو دانہ چگنے میں مصروف تھے۔ ان کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ ایک عجیب موسیقیت پیدا کر رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ خوش قسمت کبوتر اس متبرک جگہ کے آئینِ ادب کی پوری طرح پاس داری کرتے ہیں۔

ہم بے نیازانہ ان کے قریب سے گزر کر حرم شریف کی طرف چلنے لگے۔ جوں جوں مقامِ تسکینِ قلب و جاں قریب آتا گیا دل کی دھڑکنیں تیز تر ہوتی گئیں۔ جسم پر کپکپی طاری ہونے لگی۔ جذبۂ شوق کی وسعتیں اور بے کرانیاں کہنے لگیں تیز چلو، رُکو مت لیکن پاؤں تھے کہ وادیِ عشق میں قدم رکھنے کے بعد شکستگی اور لغزیدہ خرامی کا شکار تھے۔ اہلیہ کہنے لگی کہ تیز چلو۔ دل کو سنبھالو، رُک رک کیوں جاتے ہو۔۔۔ میں نے کہا، دامنِ خطا گناہوں سے اٹا پڑا ہے کس منہ سے اس قسامِ ازل اور خلاقِ نعائم فطرت کے حضور حاضر ہوں جس نے لامحدود نعمتوں سے تفاخر کو نوازا ہے اور اس کے عوض صرف اظہارِ تشکر کا تحفہ مانگا مگر حیف کہ یہ خطا کار انسان نذرانۂ حمد کے دو بول بھی اپنے مالک کے حضور پیش کرنے سے قاصر رہا۔ اس احساسِ ندامت نے اتنی گراں باری پیدا کر دی کہ محسوس ہونے لگا شاید

Marfat.com

بیت اللہ شریف کی زیارت سے پہلے ہی دم نہ نکل جائے۔۔۔یہی وہ مقامِ نزاکت ہوتا ہے جہاں پہ عقل وعشق کے درمیان نزاع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔عقل کے دلائل وبراہین پر اگر انسان عمل پیرا ہو جائے تو کبھی دولتِ طمانیت نصیب نہیں ہو سکتی اور وہ زندگی بھر احساسِ محرومی سے دوچار رہتا ہے۔مگر معرکۂ وجود میں عشق آگے بڑھتا ہے اور یہ نعرۂ مستانہ لگا کر مشکل آسان کر دیتا ہے۔

در آں دریا کہ او را ساحلے نیست
دلیلِ عاشقاں غیر از دلے نیست
تُو فرمودی رہِ بطحا گرفتم
وگرنہ جز تُو ما را منزلے نیست

ترجمہ: اس دریا میں جس کا کوئی کنارا نہیں عاشقوں کی دلیل دل کے سوا کوئی نہیں۔آپؐ نے فرمایا تو ہم نے بطحا کا راستہ اختیار کیا وگرنہ سوائے آپؐ کے ہماری کوئی منزل نہیں۔

غرض میں بے چین ولولوں، بے قرار ہمہموں اور سیماب طنطنوں کے ساتھ حدودِ حرم میں داخل ہوا۔اس وقت صبح کے تقریباً نو بج رہے تھے۔اگرچہ بھوک سے پیٹ میں ہول اٹھ رہے تھے مگر وصلِ حبیب کی تمنا سے سرشار مضطرب دل ودماغ بھلا کب بھوک کو خاطر میں لاتے تھے۔اچانک سامنے بابِ عبدالعزیز نظر آیا۔ہم لاتقنطو من رحمت اللہ کا ورد کرتے ہوئے احساسِ رجائیت سے اس کی طرف بڑھنے لگے کہ یہی آیت غم وآلام کے مارے ہوئے خطاکاروں کو تسکین کی نعمتِ عظمیٰ ارزانی کرتی ہے۔ میں نے اکثر فضلا سے یہ سن رکھا ہے کہ بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑتے وقت جو دعا زبان سے نکلتی ہے اللہ رب العزت کی شانِ غفور الرحیمی اسے ضرور شرفِ قبولیت بخشتی ہے۔میں نے نہاں

Marfat.com

خانۂ دل و دماغ میں دعاؤں کی ایک ترتیب سجا رکھی تھی کہ فلاں فلاں مقام پر اپنے مالک و خالق کے حضور فلاں دعا مانگوں گا۔ آج سفرنامۂ حجاز تحریر کرتے وقت مجھے دل کی بات زبان پر لانا پڑ گئی ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ دعاؤں کے ضبط و ترتیب میں غفران طلبی کے علاوہ پہلی دعا کون سی مانگوں گا۔ مگر آج واقعات کی گرہ کشائی کرتے وقت اپنے رفقا اور کرم فرماؤں کے تجسس کو فصیلِ قواعد میں اسیر نہیں رکھنا چاہتا۔

میں نے بیت اللہ شریف پر پہلی نگاہ پڑتے ہی جو دعا مانگنے کا عزم کیا ہوا تھا وہ اپنے چھوٹے بھائی مخلص ویاور اور پیکرِ ایثار محمد اصغر ایڈووکیٹ کے لیے اولاد کی بھیک مانگنا تھا۔ میرے نزدیک باقی دعاؤں کی حیثیت ثانوی تھی۔ بہرحال خجالت و شرمندگی کا بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھائے ہوئے اللہ کا یہ خاطی و عاصی بندہ گردن جھکائے دالان سے گزر کر سیڑھیوں پر پہنچا۔ پہلی سیڑھی پہ پاؤں رکھا اور نگاہ اٹھا کر بیت اللہ شریف کی طرف دیکھا تو ہیبتِ خداوندی سے لرز اٹھا۔ جلالِ شہنشاہِ ارض و سما نے وجود پر ایسی لرزش پیدا کر دی کہ زبان گنگ، آنکھیں خیرہ اور حواس مختل ہو گئے۔ فنِ نقابت پہ نازاں خطیب اپنی سلاستِ گفتار اور طلاقتِ لسانی کی موشگافیاں کھو بیٹھا؛ شاعر اوزان و بحور اور ردیف و قافیہ کی تیکنیک کو یک لخت فراموش کر بیٹھا۔ الفاظ و معانی کا وہ تلاطم جو ادبی محافل میں بادلوں کی طرح امڈ آتا اور سامعین کے ذہنوں میں ارتعاش برپا کر دیتا اس سے دل و دماغ عنقا نظر آنے لگے۔ دعاؤں کے موتیوں کی وہ لڑیاں جو میں تمام راستے میں دستِ دعا پہ سجا تا رہا دانہ دانہ ہوتی نظر آئیں۔ خوفِ خداوندی نے ایسا عالمِ بے خودی طاری کر دیا کہ اپنے وجود کا احساس تک نہ رہا۔ اہلیہ نے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا کہ ہوش کرو، اس معدنِ جود و سخا اور منبعِ عطا کے دربارِ اقدس میں کھڑے ہو جو دنیا والوں کے شکوے سن کر بھی درِ عطا باز رکھتا

Marfat.com

ہے۔ اہلیہ نے مجھے بازو سے پکڑ کر دیوانگی کے عالم سے نکالنے کی کوشش کی۔ اب آہستہ آہستہ بیت اللہ شریف کا وہ خوف جس نے سر سے پاؤں تک سارے وجود کو لرزا کر رکھ دیا تھا کسی حد تک کم ہونے لگا تھا۔

ہم سیدھے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے حجر اسود کے سامنے پہنچ گئے۔ یہاں سے اللہ کا نام لے کر طواف شروع کر دیا۔ فرزندانِ توحید کا جم غفیر اپنے آقا کے حضور حاضر تھا۔ ہم بھی اس انبوہِ جاں بازاں میں شامل ہو گئے جو اللہ کے اس محبوب کے گھر دیوانہ وار چکر لگا رہا تھا جسے جناب ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ نے اپنے مبارک و متبرک ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا اور تعمیر کرنے کے بعد اپنے مٹی والے ہاتھ اٹھا کر یہ پُر تاثیر اور گداز آفریں دعا مانگی تھی۔ ربنا وابعث فیھم رسولا ٥ اے خدائے عز وجل اس چراغِ راہ ہدیٰ کو تعمیر میں نے کیا ہے اب اس کو آباد کرنے والا رسولِ ذیشان تُو بھیج دے جو تزکیۂ نفس بھی کرے اور وادیِ ظلمات میں بھٹکنے والوں کو نشانِ منزل بھی عطا کر دے۔ بیت اللہ شریف کی دیواروں نے تعمیر کے دن سے لے کر آج تک امتدادِ زمانہ سے کئی نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ متعدد مرتبہ یہ سیلابی ریلوں کی نذر ہونے کے علاوہ کئی سفاکانہ حملوں سے متاثر ہو چکی ہیں اور پھر وقتاً فوقتاً سلاطینِ وقت اپنے ذوق کے مطابق تعمیر کی متبرک سعادت حاصل کرتے رہے ہیں۔

ان واقعات میں دو واقعے زیادہ ہولناک پس منظر رکھتے ہیں۔ ایک ابرہہ کی بیت اللہ شریف پر چڑھائی جس میں قادرِ مطلق نے اپنے گھر کی پاسبانی کا فریضہ خود انجام دیا۔ چھوٹے چھوٹے پرندوں (ابابیل) کے پنجوں کے ذریعے کنکریوں کی برسات نے انسانوں اور ہاتھیوں کے لشکرِ جرار کی سطوت و جبروت کو فنا کر کے رکھ دیا اور قیامت تک کے

Marfat.com

فراعنہ اور نمرودانِ وقت کے غرور و تمکنت کو کھائے ہوئے بھوسے سے تعبیر کرتے ہوئے سورہ فیل نازل کی جسے پڑھ کر وقت کے آمروں کی پیشانیوں پر پسینے آتے رہیں گے۔

عبداللہ بن زبیرؓ کو بڑے اذیت ناک طریقے سے شہید کیا گیا۔ جب انھوں نے یزید کی بیعت سے انکار کر کے حرم میں پناہ لی تو شقاوت کے اس پیکر (یزید) نے خانہ کعبہ پر سنگ باری کروادی۔ غالباً انھیں عبرت انگیز واقعات سے متاثر ہو کر ایک شاعر نے بڑے دردمندانہ طریقے سے منظوم باثرات بیان کیے۔

مرے رسولِ مکرّم محمدِ عربیؐ
ترے حضور یہ فریاد لے کے آیا ہوں
حرم پہ اہلِ حرم نے جو ظلم ڈھائے ہیں
اسی ستم کی میں رُوداد لے کے آیا ہوں

بات ذرا دور نکل گئی۔ آئیں اپنے قارئین کو ایک بار پھر طواف کی ان جذباتی کیفیات کی طرف لے چلوں جس میں بلند آواز میں نالہ و شیون اور آہ و زاری کے ساتھ ساتھ حضورِ حق میں تسبیح و تقدیس کے زمزمے بلند ہوتے ہیں۔ مطاف میں بے تابانہ پاؤں اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں۔ مرد و زن کی چیخ پکار، تہلیل میں رچی بسی سانسوں کی مہکار اور بے کراں جذبوں کی یلغار انسان کو اندر سے ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ پہلا چکر اسی جگہ مکمل ہوا جہاں سے طواف شروع کیا تھا۔ اہلیہ بے تاب تھی کہ بوسہ گاہِ مصطفےٰ ﷺ (حجر اسود) کا حضور ﷺ اور آپ کے رفقا کے تتبع میں ضرور بوسہ لیا جائے۔ ہم نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھاما ہوا تھا کہ ہجوم خلائق میں ایک بار بچھڑ جانے کے بعد پھر فوری طور پر دوبارہ رفاقت کا نصیب ہونا محال ہوتا ہے۔ میں نے اہلیہ کے اصرار پر اس عظیم پتھر کے قریب جانے کی کوشش کی جس کو چومتے وقت شاہکارِ رسالت سیدنا عمر فاروقؓ نے وہ تاریخی الفاظ کہے تھے

Marfat.com

جو قیامت تک عشاقِ درِ مصطفیٰ ﷺ کو گرماتے رہیں گے کہ اے حجرِ اسود! تو فقط ایک پتھر ہے۔ تجھے صرف اس لیے چوم رہا ہوں کہ آقائے گیتی پناہ ﷺ نے تجھے بوسہ دیا ہے ورنہ تو محض ایک پتھر ہی تو ہے۔ قربان جاؤں اس فدا کارِ نبوت پر جس کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ حضور ﷺ سے محبت کی علامت و آئینہ دار بن گیا۔ اس مرکزِ عقیدت و ارادت (حجر اسود) کی تنصیب بھی شعور و ادراک کے دائمی تاج دار آقا و مولیٰ حضور سید دو عالم ﷺ کی لامثال فراست و تدبر کا عکاس ہے اور سرکارِ رسالت مآب ﷺ کے اس حسنِ تدبیر کے سامنے دنیا بھر کے افلاطونِ دانش کدۂ حقائق قیامت تک سرنگوں رہیں گے۔ اگر آپ ﷺ حجرِ اسود کی تنصیب کا یہ خوب صورت فیصلہ نہ فرماتے تو خون آشامی اور قتل و غارت گری کا وہ طوفانِ بدتمیزی بپا ہوتا جو تاریخِ عالم کے دردناک واقعات میں سرِ فہرست ہوتا۔ شاعرِ عزلت نشیں ساغر صدیقی یاد آ گئے۔

ایک اُمّی نبیؐ کو اے ساغر
تاج دارِ شعور کہتا ہوں

دوسرا چکر شروع کیا تو دل کی دنیا میں نیا تلاطم بپا ہو گیا۔ میں غریقِ بحرِ استغراق ہونے لگا۔ میں اہلیہ کو ساتھ لے کر فدایانِ حق اور پرستارانِ توحید کی صفوں کو چیرتا ہوا حطیم میں داخل ہو گیا۔ راستہ خود بخود بنتا گیا۔ شاید رحمتِ خداوندی کو اپنے عاصی پر رحم آ گیا۔ ہم نے رحمت کے اس پرنالے میں داخل ہو کر نوافل ادا کیے جہاں دعا کی قبولیت کا حتمی امکان ظاہر کیا گیا ہے۔ حطیم میں نوافل کی ادائیگی نے وہ سکون بخشا جو دنیا بھر کی ثروت و حشمت بھی عطا نہیں کر سکتی۔ حطیم سے نکلے، طواف دوبارہ شروع کیا تو کعبے کی دیواریں اپنی طرف کھینچنے لگیں۔ ربِ کائنات نے ان دیواروں میں ایسی مقناطیسیت بھر دی ہے گویا ان سے جدائی تو ایک طرح کا پیامِ قضا بنتا نظر آتا ہے۔ دوسرے چکر میں طواف کرتے ہوئے میں

Marfat.com

ملتزم سے چمٹ گیا۔ گناہوں سے معمور اپنے سینے کو ملتزم سے لگا کر اتنا رویا کہ حالت غیر ہونے لگی۔ اشکوں کی روانی سے احرام کا اگلا حصہ بھیگ گیا۔ اس مقام پر انسانی سسکیاں ایک عجیب منظر پیدا کرتی ہیں۔ یہی چیخیں اور آہ وزاری مغفرت کے طلب گاروں کا عظیم اثاثہ ہوتی ہیں۔ جس دل میں جتنا گداز ہوگا قبولیت کے لیے اتنا ہی مؤثر ثابت ہوگا۔

اہلیہ ملتزم سے چمٹی ہوئی تھا اور میں نے بیت اللہ کی چوکھٹ کو تھام رکھا تھا۔ نیاز وناز کا ایسا لطیف منظر نجانے اب زندگی بھر نصیب ہو سکے گا یا نہیں۔ شانِ غفور الرحیمی نے میرے دامنِ خطا کو مغفرت کے احساس کی دولت سے بہرہ یاب کر دیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے پردۂ غیب سے آواز آ رہی ہو: تفاخر! مایوس نہ ہونا اور نہ ہی چند کلیوں کی طلبی پر قناعت کرنا، یہاں تو شانِ رحمت علاجِ تنگیِ داماں کرتی ہے۔۔۔ یہاں فقر کو شکوہِ خسروی اور عجز کو آسمان کی رفعت نصیب ہوتی ہے۔ کافی عرصہ ملتزم سے چمٹے رہنے کے بعد حجرِ اسود کے سامنے آیا تو پھر بوسہ لینے کی تمنا نے بے چین کر دیا۔ جونہی ہم ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے قریب پہنچے تو فرزندانِ توحید کے ایک بے قابو ریلے نے ہمیں پھر دس قدم پیچھے دھکیل دیا۔ اس جذباتی منظر کو دیکھتے ہوئے دور سے ہاتھ کے اشارے سے بوسہ لینے پر اکتفا کر لی کہ طواف کے ضوابط نے اجازت دے رکھی ہے۔ دورانِ طواف میں نے ایک بات کو شدت سے محسوس کیا کہ چرخِ نیلی فام کے نیچے اور اس کائناتِ ارضی پر کعبۃ اللہ وہ واحد عبادت گاہ ہے جہاں مرد وزن کے اختلاط کو عبادت میں شمار کیا گیا ہے۔ دنیا بھر سے حسین ترین چہرے سمٹ سمٹ کر یہاں جمع ہوتے ہیں اور کندھے سے کندھا ملا کر فیوض و برکات سمیٹتے ہیں حالاں کہ رخِ جمالِ مہ وشاں سے حجابات اٹھے ہوتے ہیں مگر جلالِ کبریا کے خوف سے کشتگانِ شمعِ توحید ان کی جانب آنکھ تک اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

یہاں دل انسانوں پر فدا ہونے کے بجائے رحمتِ خداوندی کے اسیر ہوتے ہیں

Marfat.com

اوراس کے کرم پر بے ساختہ فدا ہو ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ کسی کو غمزۂ خوباں سے حظ اٹھانے کی فرصت نہیں ہوتی۔ غلغلۂ توحید میں وہ جذباتی شدت ہوتی ہے کہ دنیا کے لطائف وعجائبات یکسر فراموش ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی کبریائی کا ڈنکا چار سو بج رہا ہوتا ہے۔ شش جہت اللہ کی انوار وتجلیات کی بارش نظر آتی ہے۔ جوں جوں خجالت وندامت کے آنسوؤں کی برسات میں تیزی ہوتی چلی جاتی ہے خدا کی رحمت بخشش کی نویدِ جاں فزا لیے اسے سرعت سے چہار جانب کھڑی نظر آتی ہے۔ اس کا بے حد وحساب کرم حقیقتاً سامنے رقصاں نظر آتا ہے۔ بار بار یہ احساس دل میں جاگزیں ہونے لگتا ہے کہ فی الواقع بارگاہِ ربّ العزت میں کھڑا ہوں یا خواب دیکھ رہا ہوں مگر استغفر اللّٰہ من کل ذنب و اتوب الیہ کی گونج نے آنکھوں سے پردے ہٹا کر حقیقت سے آشنا کیا کہ تم اس وقت واقعتاً مجسم صورت میں اس بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہو رہے ہو جس کی آرزو مہد سے لحد تک ہر مسلمان ہمہ وقت دل میں لیے رکھتا ہے۔ میرا دل بار بار احساسِ تشکر سے لبریز ہو جاتا کہ رحمٰن ورحیم خدا نے ایک ذرۂ بے مایا پر کتنا کرم کیا ہے کہ اپنے در کی حاضری کے لیے ایک ارزل واسفل کو عز وشرف بخشا۔ ہائے اللہ کی توحید کا ایک نابینا پرستار اقبال عظیم کس وقت یاد آ گیا۔

آنکھوں میں نمی دل میں کسک لب پہ دعائیں
سائے میں ترے بیٹھے ہیں رحمت کے طلب گار
تو سینۂ دنیا کا دھڑکتا ہو دل ہے
دامن میں نہاں تیرے جہانوں کے ہیں اسرار
ان سجدوں کی قیمت نہیں کونین کی دولت
ہو جن کے مقدر میں ترا سایۂ دیوار

Marfat.com

اللہ اللہ! اپنے مقدر پہ نازاں یہ حقیر و عاجز بندہ طواف جاری رکھے ہوئے تھا۔ مقامِ ابراہیم کے قریب سے گزر کر ہر بار خلیل اللہ کے پاؤں مبارک کی زیارت کرتا۔ بیت اللہ شریف کے اس مؤسس عظیم پیغمبر کا نقشِ نعلین دل کو فرحت عطا کرتا ہے۔ قلب و نظر نے پہلی مرتبہ طواف میں جو لذت و انبساط محسوس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے اظہار کے لیے دنیا بھر کے لفظوں کی جھولیاں خالی دکھائی دیتی ہیں۔ ساتوں چکر مکمل کرنے کے بعد مقامِ ابراہیم پر نوافل ادا کیے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یہی وہ دونوں سورۂ مبارکہ ہیں جو غیر اللہ کے تصور کی کلیتہً نفی کرتی ہیں اور ہر قسم کے نخلِ شرک کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔ مشرکینِ مکہ نے جب حضور ﷺ سے (العیاذ باللہ) عقائد پر سودے بازی کی قبیح کوشش کی اور یہ پیشکش کی کہ پرستش کے تصور پر ہماری شرائط پر سمجھوتا کر لیں تو خدائے لم یزل نے سورۂ کافرون نازل کر کے ان کے عقائدِ باطلہ پر کاری ضرب لگائی کہ اے رسولِ کائنات! ان مشرکوں سے کہہ دیجیے کہ میں اپنے آقا کی عبادت کروں گا اور تم اپنے معبودانِ باطل کی پوجا کرو۔ میرے لیے میری اور تمھارے لیے تمھاری راہ ہے اسی طرح سورۂ اخلاص (جسے قرآن کا مغز کہا گیا ہے) میں بھی یہی توحید کا تصور اجاگر کیا گیا ہے کہ اس بے نیاز خالق کی ذات و صفات میں کسی کو شریک کرنا ناقابلِ معافی جرم ہے۔ توحید کا یہ خوب صورت عقیدہ عرب ممالک میں تو کسی حد تک دنیاوی آلائشوں سے منزہ ابھی تک پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فیضان و برکات سے ان کا لق و دق صحرا ابھی سونا اگلتا ہے اور مبدا فیاض نے انھیں تیل کی دولت سے بھی اس وافر انداز میں مالا مال کر دیا ہے کہ انھوں نے دولت و ثروت کی کثرت کی وجہ سے عیش و عشرت کو زندگی کا پیمانہ سمجھ لیا ہے۔ اگرچہ تمدنی

Marfat.com

طور پر وہ بھٹک گئے ہیں لیکن شرک سے نفرت ابھی تک ان کی گھٹی میں پڑی ہے مگر ہمارے ملک میں ایک تو روز بروز فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھتی چلی جا رہی ہے اور اپنے اپنے عقائد کو مبنی برحقیقت ثابت کرنے کے لیے آیاتِ قرآنی کو اپنی تاویلات کا کھلونا بنایا جا رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ توحید کے شفاف مسلک اور نظریے میں ابہام پیدا کر کے مختلف داؤ پیچ اختیار کرتے ہوئے اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی کاوشیں جاری ہیں۔ پیشہ ور خطیبوں نے آج تک سورۂ اخلاص یا سورۂ کافرون تلاوت کر کے اس میں پائے جانے والے مضامین پر بحث نہیں کی۔ اپنے فنِ خطابت کا مظاہرہ دکھانے کے لیے ایسی آیات کا چناؤ کیا جاتا ہے جن سے واقعات کا تنوع اور تسلسل پیدا ہونے کا امکان ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ہیروں اور جواہرات کے امین ہونے کے باوجود سنگ ریزوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ ہم یدِ بیضا اور عصائے موسوی کے حامل ہونے کے باوجود رسیوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔

کعبۃ اللہ میں حاضری براہِ راست اللہ اور بندے کا معاملہ ہوتا ہے۔ یہاں جو شخص بھی صرف سیاہ غلاف میں ملبوس کعبۃ اللہ کی دیواروں کی زیارت کے لیے آتا ہے مگر سینہ بتوں اور دنیاوی خداؤں کی محبت سے لبریز ہوتا ہے، ملائکۃ الحرمین اس کی اس رسمی عبادت کو اس کے منہ پر مارتے ہیں۔ اس کی آنکھوں سے چمک اور چہرے سے نور چھین لیا جاتا ہے۔ وہ واپس لوٹتا ہے تو نہاں خانۂ دل سوزِ یقیں کی حرارت سے محروم ہوتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ نغمۂ توحید کی لے پر رقص کرنے والوں کو مادیت گزیدہ لوگوں کی نفرت کا نشانہ بننا پڑتا ہے مگر مجھے بڑی معذرت سے عرض کرنے دیجیے کہ میں اگر اللہ کے گھر میں جا کر حقیقی محسوسات کو کسی مصلحت کی بھینٹ چڑھا دوں تو بہت بڑی ناانصافی ہوگی اور میدانِ حشر میں جواب دہی کے کڑے امتحان سے بھی گزرنا ہوگا۔ ارمغانِ حجاز کے خالق

Marfat.com

حضرت علامہ اقبال یاد آ گئے۔ ؎

ازاں نمرود با من سر گراں است

بہ تعمیرِ حرم کوشیدہ ام من

ترجمہ: نمرود مجھ سے اس لیے خفا ہے کہ میں نے کعبے کی تعمیر شروع کر دی ہے۔

مقامِ ابراہیم پر نوافل ادا کرنے کے بعد اجیب دعوۃ الداع اذا دعان کی حیات بخش نوید عطا کرنے والے خدائے بزرگ و برتر کے حضور دستِ دعا بلند کر دیا۔ جسم کو احرام کے سفید لباس سے ڈھانپ رکھا ہو؛ بیت اللہ شریف سامنے؛ گوشہائے چشم سے آنسو ڈھلک رہے ہوں؛ نیاز و ناز کی اس بے کرانہ کیفیت کو کوئی صاحبِ دل جوہری ہی سمجھ سکتا ہے۔ الفاظ و معانی کا وہ سیلِ بے کراں جو بیت اللہ کی ہیبت سے دل و دماغ سے بھک سے اڑ گیا تھا اب اس مقدس ترین ماحول سے مانوس ہونے کے بعد دوبارہ عود کر آیا۔ دعا کی مالا کے وہ دُرہائے آب دار جو داخلے کے وقت اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے ایک ایک کر کے خود بخود ترتیب سے جُڑنے لگے۔ میں نے دعا شروع کی تو آنسوؤں کا سیلِ بے کراں اُمڈ آیا۔ میں نے عرض کی:۔

اے خالقِ کون و مکاں!.....................

اے دستگیرِ بے کساں!.....................

اے خزاں دیدہ گلستانوں کو خلعتِ برگ و بار عطا کرنے والے!.....................

اے آفتابِ عالم تاب کو تابانی سے فیض یاب کرنے والے!.....................

اے چشمِ قمر کو حسن و رعنائی بخشنے والے!.....................

اے موسمِ برسات میں آسمان کی رفعتوں کو قوسِ قزح کی زیبائی دینے والے!.....................

Marfat.com

اے کہکشاں کو مُسجّع و مقفع حسن و توانائی بخشنے والے!.......................

اے بھٹکے ہوئے آہو کو حرم کی دیواروں سے آشنائی کی دولت سے بہرہ یاب کرنے والے!

....

اے گلِ خنداں کو نسیمِ صبح کے خرام سے آشنائی عطا کرنے والے! ....

اے بپھرے ہوئے سمندر کی تلاطم خیز موجوں کو اپنی حکمت سے کناروں کی حدود تک مقید کر دینے والے!.........................

اے برگِ گل کی تشنگی کو شبنم کے موتیوں سے مٹا دینے والے! ....

اے پتھروں میں موجود حشرات کو رزقِ وافر دینے والے! ....

اے کراتِ فلکی کو گردش میں لا کر اشرف المخلوقات کے تابع بنا دینے والے! ....

اے متعفن اذہان کو اوس کے نم اور چنبیلی کے پیرہن سے مسحور کر دینے والے! ....

اے ہوائے کبر و غرور سے سرشار دماغوں کو انکسار و مسکنت کا تحفہ بخشنے والے! ....

اے تدبر کو روشنی، عشق کو جولانی، عقل کو منزلِ فراست، حکمت کو توانائی، شعور کو بالیدگی، جنون کو فراغت، جذبۂ تعمیر کو تسخیر، ظلمت کو تابندگی، ثروت کو قناعت، آلودۂ فسق دماغوں کو دولتِ تقدیس، ذرۂ صحرا کو آفتاب کی درخشندگی، جہالت کو ذوقِ بندگی، بندگی کو رخشندگی، کثافت کو لطافت، لطافت کو غنائیت، غنائیت کو اپنی چشمِ عنایت کا پیرہن دینے والے!

....

اے وقت کے ہامانوں اور شدّادوں کو پیامِ فنا دے کر زمیں بُرد کر دینے والے! ......

اے پژمردگی و مایوسیت کو رجائیت میں تبدیل کر دینے والے! ....

اے اشکِ ندامت کو رحمت و بخشش کے گہر ہائے تاب دار میں بدل دینے والے! ......

Marfat.com

اے مایوسی وناامیدی کو مسرت وشادمانی کا رُوپ دینے والے!

آج اپنے اس خاطی وعاجز بندے پر رحمت کی نظر کر......................

اس ہیچ مداں کے کردہ وناکردہ گناہوں سے درگزر فرما۔ مجھے عرصہ چھ سال سے لاحق عارضۂ جگر سے شفائے کاملہ عطا فرما۔ میرے دل کی دھڑکنوں کو سوز وسازِ رومیؒ اور پیچ وتابِ رازیؒ کا اسیر بنادے۔ میرے جرمِ خانہ خراب کو اپنے عفوِ بندہ نواز میں چھپا کر مغفرت کی نوید جاں بخش عطا فرما۔ مجھے بروزِ حشر صاحبِ مقامِ محمودﷺ کے دامنِ رافت سے وابستگی کی نعمت سے بہرہ یاب کر۔ مجھے لوا الحمد کا سایۂ عاطفت عطا فرما۔ میدانِ محشر میں تمازتِ آفتاب سے محفوظ فرما کر ساقیِ کوثرﷺ کے دستِ جود وسخا سے آبِ کوثر کی نعمتِ عظمیٰ ارزانی کر۔۔۔ میری طاقتِ لسانی کو حسنِ رفتار، میرے قلم کی روانی کو باوقار بنادے، میرے ذوقِ بندگی کو اپنی شانِ الوہیت سے کما حقہٗ آگہی کی دولت عطا کر۔ مجھے بیت اللہ شریف کی زیارت کا ذوقِ جنوں عطا کر کے خاکِ رہِ حجاز بنا دے۔ غلافِ کعبہ سے ٹپکنے والے جلال وتجلیات کا واسطہ میرے بے ریا اور غم گسار بھائی محمد اصغر کو اولاد کی نعمت سے نواز دے۔ اس کے رزق کو اتنی کشادگی عطا کر کہ اس کا دستِ طلب کسی اور کے سامنے نہ پھیلے۔ اس کے دماغ کی توانائیوں کو آسمان کا ارتفاع بخش دے۔ اعصابی طور پر علیل قبلہ والد صاحب کو صحتِ کاملہ سے نواز دے۔ ان کے حوصلوں کو ولولۂ جاودانہ عطا کردے۔ میری تہجد گزار پاک بازو پاک نگاہ والدہ محترمہ کا سایۂ عاطفت تادیر سلامت رکھ کہ ان کی دعاؤں کی اثر انگیزیوں اور سریع حدِ رفتار نے میرے جگر پر حملہ آور بیماری کی شدت کو اس طرح روک رکھا ہے جس طرح رمضان المبارک میں تخریبی سوچوں کو پابندِ سلاسل کردیا جاتا ہے۔ ان کے دستِ برودت کے لمس سے میرے قلب وجگر

Marfat.com

کو جو فرحت پہنچتی ہے اسے تا حشر میرے لیے پائندگی عطا فرما۔ میری ہمشیرگان، تمام اعزہ و اقارب، میرے کالج کے تمام رفقا و احباب، اہلِ محلہ بشمول میرے بچپن کے دوستوں کو اپنی عنایات سے بہرہ یاب فرما۔

ستائیسویں رمضان المبارک کی شب کو معرضِ وجود میں آنے والی حضرتِ قائدِ اعظمؒ کی خوب صورت امانت ملکِ پاکستان کی حفاظت فرما۔ اس کے دشمنوں اور حاسدین کے زخمِ چشم سے محفوظ فرما۔ میرے ملک کے ایٹمی اثاثوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھ۔ اُمتِ مسلمہ کو نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر ایمان و ایقان کی دولت عطا کر کے ایک مرکز پہ متحد کر دے۔ میرے وطن کی پستیوں کو ہمدوشِ ثریا کر دے۔ میرے ملک کے رہنماؤں کی عقل پر پڑے ہوئے پتھروں کو ہٹا کر انھیں ایسی بصیرت و بصارت سے مالا مال کر دے جس کی روشنی میں وہ ہمارے ازلی دشمن ہندوستان کی عیاری کو سمجھ سکیں۔ ہمارا دشمن ہندو میرے وطنِ عزیز کو پانی کی بندش کے ذریعے لق و دق صحرا بنانے پر تلا ہوا ہے؛ اس کے ناپاک منصوبوں اور ارادوں کو خاک میں ملا دے۔

یہ دعا کیا تھی، ایک معصیت آلودہ (مگر ایک ایسا خوش مقدر انسان جسے آقا کی نظرِ کرم نے چن لیا تھا اور بیت اللہ کے دیواروں کے سائے میں بیٹھنے کی سعادت بخشی) کا نذرانۂ وجدان تھا۔ میں نے جونہی دعا ختم کی یوں محسوس ہوا جیسے ملائکۃ الحرمین آسمان سے قبولیت کی حیات بخش نوید لے آئے ہوں۔

اپنے خدا سے مانگے تھے رحمت کے چند پھول
سارا چمن دعاؤں کی ڈالی پہ رکھ دیا

Marfat.com

اپنے خالق و مالک کے حضور عجز و نیاز کا نذرانہ پیش کرنے کے بعد ہم سیدھے حضرتِ حاجرہ کے نیک طینت اور سعید فرزند سیّدنا اسماعیلؑ کی معصوم ایڑیوں سے پھوٹنے والے چشمۂ صافی زم زم کے پاس گئے۔ طواف کی وجہ سے تشنگی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ زم زم پیا تو جسم کے رگ و پے میں توانائی اور فرحت چھلکتی محسوس ہونے لگی۔ اتنی لطافت و لذت جہاں بھر کے مِلک شیکوں اور تازہ جوسوں میں کہاں جو اسماعیلؑ اور حاجرہ کی یادگار میں پائی جاتی ہے۔ اس ضمن میں عاشقِ خاکِ بطحا حضرت شورش کاشمیریؒ نے ''شب جائیکہ من بودم'' میں حضور ﷺ کا یہ فرمان تحریر کیا ہے کہ ''مومن اور منافق کو ایک دوسرے سے جو چیز امتیاز بخشتی ہے وہ آبِ زم زم کو سیراب ہو کر پینا ہے، منافق دو چار گھونٹ پر اکتفا کرتا ہے جب کہ مومن خوب سیر ہو کر پیتا ہے''۔ زم زم امراض کے لیے ایسا زبردست تریاق ہے کہ جس مقصد کے لیے پیا جاتا ہے وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے اور اسی مرض کے لیے کارگر ثابت ہوتا ہے۔ میں گھر سے چلا تو مجھے بواسیر کی شکایت تھی جونہی اس اکسیر آبِ حیات کے قطرات جسم میں داخل ہوئے اس تکلیف سے آناً فاناً نجات مل گئی۔ نظامِ انہضام زندگی بھر اتنا درست نہیں ہوا جتنا زم زم کی برکات سے ہو گیا۔ ہم دونوں نے جی بھر کر پیاس بجھائی۔ میں نے زم زم سے لبالب دو تین گلاس اپنے جگر پر انڈیل دیے تاکہ دونوں طرح سے اس کے اثرات سے فیض یابی ہو سکے۔ اہلیہ کو بھی دو تین موذی امراض نے گھیرا ہوا تھا جس میں شوگر، یرقان اور بلڈ پریشر شامل ہیں۔ اس نے زم زم نوش کرتے ہی کہا کہ میرے معدے کے نظام کو اتنی آسودگی کبھی میسّر نہیں ہو سکی تھی۔

اللہ رب العزت کا اپنے ان بندوں کے لیے یہ اتنا لاجواب تحفہ ہے جنھیں حاضری کے لیے طلب کیا جاتا ہے۔ صدیوں سے اُبلنے والے اس نایاب اور نادرالوجود

Marfat.com

چشمے کی روانی میں آج تک ایک لحظے کے لیے بھی ٹھہراؤ نہیں آیا۔ یہ انسانی جسم میں پائی جانے والی مختلف لا علاج بیماریوں کا ایسا گراں مایہ اور مفت علاج ہے، یورپ کے میدانِ طب کے بڑے بڑے محقق اور شعبۂ سائنس کے نام ور جگادری اس کا جواب پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ حال ہی میں اردو ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی مراکش کی ایک دولت مند خاتون (جو پہلے طوائف تھی اور جسم فروشی کے قبیح دھندے میں ملوث تھی) کی بیماری اور شفایابی کی داستان میں نے خود پڑھی ہے۔ اس جنسی لذت آفرینی کے دوران اسے سکن کینسر کا مرض لاحق ہو گیا۔ چونکہ روپے پیسے کی افراط تھی اس لیے طویل عرصہ تک امریکہ اور برطانیہ کے معروف ہسپتالوں میں زیرِ علاج رہی مگر افاقہ نہ ہو سکا۔ بالآخر شوہر کے مشورے سے مکتہ المکرّمہ گئی اور وہاں ایک ماہ قیام کیا۔ دورانِ قیام وہ روزانہ دن میں تین مرتبہ زم زم سے غسل کرتی اور سیر ہو کر پیتی۔ جب وہاں سے لوٹی تو کینسر کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ خدائے عز و جل کی اس کرم فرمائی پر دل سے اظہارِ تشکر کیا، بحرِ عصیاں میں لتھڑی ہوئی زندگی سے توبہ کی اور شفایابی حاصل کی۔ یہ ایسے روشن حقائق ہیں جن کے سامنے شفا خانۂ یورپ کے اربابِ بست و کشاد دم بخود نظر آتے ہیں۔

بہر حال زم زم سے سیرابی کے بعد ہماری کیفیت اشعار کی صورت میں کچھ اس طرح بیان کی جا سکتی ہے۔

زم زم پیا تو ایسے لگا جیسے دُھل گئی
ساری کثافتیں جو تھیں دل پر جمی ہوئی
اک موجِ سلسبیل رگ و پے میں ڈھل گئی
تاریک قلب و جاں میں عجب روشنی ہوئی

زم زم کے آبشار کے ساتھ ہی جویندگانِ رحمتِ حق تقلیدِ حضرت حاجرہ میں

Marfat.com

سعیِ صفا و مروہ میں مصروف تھے۔ ہم بھی اس ابدی سعادت میں شامل ہونے کے لیے ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ کی جانب چلے گئے۔ یہ وہ عظیم مقام ہے جہاں حضرت حاجرہ اپنے فرزندِ ارجمند حضرت اسماعیل کی معصومانہ تشنگی کو برداشت نہ کرسکیں اور پانی کی تلاش میں وادیِ غیر ذی زرع میں سرگرداں رہیں۔ گلاب و چنبیلی اور گل و نسترن کے ہزاروں پیراہن جناب اسماعیلؑ کی والدہ ماجدہ کے نعلین کی خرامِ ناز پر نثار ہوتے رہیں گے اور پھر ابد تک عشاقانِ حرم اس اندازِ خرام پر دیوانہ وار قربان ہوتے ہوئے سعی کا مبارک فریضہ انجام دیتے رہیں گے۔ میں اس دلفریب ادا کی تقلید میں فدایانِ توحید کے قافلے میں فخر و مباہات سے شامل ہوگیا جو ابد تک رواں دواں رہے گا۔ صفا سے مروہ تک ایک چکر مکمل ہوتا ہے اور مروہ سے صفا تک دوسرا۔ اب وہ لق و دق صحرا کہاں جس پر حاجرہ دوڑیں اور ان کے قدومِ میمنت لزوم نے انھیں رشکِ ارم بنا دیا۔ سلاطینِ عرب نے اب اس جگہ پر چھت ڈال کر نیچے قیمتی پتھر لگا دیا ہے۔ البتہ اس جگہ کی تخصیص ضرور کردی ہے اور اوپر سبز قمقموں سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی جگہ آپ نے دوڑ لگائی تھی۔ اس مخصوص جگہ پر مرد بھاگ کر گزرتے ہیں۔ یہاں اتنی بلند آواز سے تسبیح و تقدیس کے زمزمے گائے جاتے ہیں کہ در و دیوار بھی اس کی بازگشت سے گونج اٹھتے ہیں۔ سعی کے راستوں کے دونوں طرف پلاسٹک کولروں کے علاوہ چشمے سے براہِ راست ٹونٹیاں بھی لگائی گئی یں تاکہ سعی کے دوران ضعیف لوگ زم زم سے پیاس بجھا سکیں۔ کولروں پر مبرد (ٹھنڈا) اور غیر مبرد (ٹھنڈک کے بغیر) تحریر ہوتا ہے۔ بعض اوقات زیادہ ٹھنڈا پانی استعمال کرنے سے گلے میں خراش پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے اس لیے میں غیر مبرد ہی استعمال کرتا رہا۔ یہاں سعی کے دوران ایک عجیب واقعہ رونما ہوا جس سے مجھے احساس ہوگیا کہ بیت اللہ شریف میں فی الواقع ہتھیلی پر سرسوں

Marfat.com

جمتی ہے اور دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی ہر دعا قبولیت کا شرف پاتی ہے۔ اس طرح اللہ کے قاضی الحاجات ہونے پر ایمان مزید مستحکم ہو جاتا ہے۔

واقعہ کچھ یوں ہوا کہ آخری چکر میں جو صفا سے مروہ کی طرف جا کر اختتام پذیر ہوتا ہے جونہی مروہ کی طرف جانے کے لیے آگے بڑھا، چند قدم اٹھا کر پیچھے نگاہ اٹھائی تو اہلیہ ہجومِ خلائق میں کہیں کھو گئی۔ فدایانِ توحید کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں پہلے ہی روز بیمار شریکِ حیات کا گم ہو جانا ایک اذیت ناک صدمے سے کم نہیں تھا۔ میں نے جلدی جلدی وہ چکر مکمل کیا اور تلاش شروع کر دی۔ میں آدھ گھنٹہ تک دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر دوڑتا رہا۔ ابھی تک میں کسی قسم کے قواعد وضوابط سے آگاہ بھی نہیں تھا اور نہ ابھی تک نئے موبائل نمبر حاصل کیے تھے۔ لے دے کے صرف اسی ذاتِ مشکل کشا پر بھروسا تھا جس کی شانِ رحمت ایک شکستہ پا کو اپنے گھر تک لے آئی تھی۔ ناتوانی حدوں کو چھونے لگی۔ گوشہائے چشم سے آنسو ڈھلک کر گالوں پر ہلکی سی لکیر کھینچنے لگے۔ میں بیم و رجا کی اس کیفیت میں بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس کی جلال آفریں دیواروں کو مرکزِ نگاہ بنا کر خدائے بزرگ و برتر کے حضور دستِ دعا بلند کر دیا۔ لبوں پر حرفِ شکایت (العیاذ باللہ) کی صورت میں یہ شوخ الفاظ آ گئے کہ اے مصائب وآلام کی آندھیوں کا رُخ پھیر کر طمانیت کی دولت اپنی مخلوق میں بانٹنے والے! اگر دس منٹ کے اندر اندر علیل و نحیف اہلیہ نہ مل سکی تو کہیں تیری دستگیری پر ایمان ہی متزلزل نہ ہو جائے۔ جونہی میری گستاخ زبان سے یہ بے تکلف جملے ادا ہوئے (ظاہر ہے میں نے یہ گستاخی اور شوخی دامنِ رحمت سے وابستگی کا دعویٰ رکھتے ہوئے کی تھی) ربّ ذوالجلال کی رحمتِ بے کراں جوش میں آ گئی۔ اس کی حمیت نے اپنے عاجز بندے کی التجا کو رد کرنا گوارا نہ کیا۔ میں دعا مانگنے کے بعد مروہ کی

Marfat.com

جانب کوئی بیس قدم گیا تھا کہ تقریباً تین منٹ بعد پریشان حال اہلیہ مل گئی۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تیر رہے تھے۔ سچ ہے کہ اللہ کے گھر میں صدقِ دل سے مانگی ہوئی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ میں نے اپنے مالک کی اس مہربانی پر سجدۂ شکر ادا کیا۔

پروردگار بھی ہے وہ کارساز بھی ہے
خلاقِ دو جہاں ہے بندہ نواز بھی ہے

اس سعادت کا آخری مرحلہ سر کے بال کٹوانا ہوتا ہے۔ عورتوں کے لیے تو اس سنت کی ادائیگی سہل ہوتی ہے۔ سر کے ایک طرف سے چند بال کاٹ دیے جائیں تو وہ اس فرض سے سبک دوش ہو جاتی ہیں مگر مردوں کے بارے میں فقہا میں دو آرا پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بھی بالوں کا کچھ حصہ کاٹ دیں تو بھی عمرہ ادا ہو جاتا ہے مگر رضائے الٰہی کے لیے افضل ترین سر کے تمام بال اُسترے سے منڈوانا ہے۔ جن ناز آفریں لوگوں کو اپنے بالوں کی خوب صورتی اور ان کے پیچ وخم کی زیبائی کا احساس ہوتا ہے وہ چند بال کاٹتے ہیں لیکن میں نے تمام بال منڈوانے کو ترجیح دی۔

عمرے کے مناسک کی ادائیگی کے دوران تو بھوک کا احساس نہ ہوا؛ شاید اللہ کے ذکر کی کثرت وحلاوت نے سیراب کیے رکھا مگر جونہی مناسک سے فراغت ہوئی اشتہا کی شدت سے سخت نقاہت محسوس ہونے لگی۔ یہ ایک طبی اصول ہے کہ جگر کے مریض کو ہر تین چار گھنٹے کے وقفے کے بعد کچھ ضرور کھانا پینا چاہیے۔ ہم نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اس لیے داؤد بلڈنگ اور فلک بوس ٹاور کے قریب سے گزر کر دوبارہ الخلیل روڈ پر آ گئے جہاں ہماری قیام گاہ تھی۔ میں اپنے قارئین کو بتاتا چلوں کہ حرم کے بالکل قریب بابِ عبدالعزیز کے سامنے موجودہ فرماں روا شاہ عبداللہ نے اپنی خصوصی نگرانی میں ایک

Marfat.com

بلند و بالا ٹاور بنوایا ہے جس کے اوپر والے سرے پر ایک بہت بڑا گھڑیال ہے۔ اس آسمان سے چھوتے ٹاور کی طوالت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مکۃ المکرّمہ سے پندرہ میل کی مسافت سے بھی وہ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے بخوبی نظر آ جاتا ہے حتیٰ کہ اس کا وقت تک نوٹ کیا جا سکتا ہے۔ یہ ٹاور حرم شریف کے نزدیک سرو قد کھڑا ہے اس لیے اسے دیکھتے ہی پتا چل جاتا ہے کہ دور سے آنے والے زائرین اس وقت حرم شریف سے کتنے دور ہیں۔

کبوتر چوک پہنچ کر میں پاکستانی کھانوں والے ہوٹل تلاش کرنے لگا۔ بائیں طرف سڑک سے قدرے ہٹ کر ایک فیصل آبادی ہوٹل پر نظر پڑی۔ وہاں بہت زیادہ رش تھا۔ ایک پاکستانی فیملی کھانا کھا رہی تھی۔ اہلیہ ان کے قریب کھڑی ہو گئی اور میں کھانا لینے قطار میں کھڑا ہو گیا۔ ایک صبر آزما انتظار کے بعد دو پلیٹ سالن لیا۔ ایک میں چھوٹا گوشت اور ایک میں دال چنا۔ سالن اتنا وافر مقدار میں تھا کہ چار آدمی پیٹ بھر سکتے تھے۔ مجھے اب اندازہ ہو گیا کہ یہاں ایک آدمی کا کھانا کم از کم تین آدمیوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ کھانے کے بعد سیدھے دار الشریعہ ہوٹل پہنچے، غسل کیا اور احرام اتار کر شلوار قمیض پہن لی۔ اپنے مولیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس کے فضل و کرم سے پہلے عمرے کی ادائیگی سے سبکدوش ہوئے۔ گویا راحۃ القلوب کا خزینہ ہاتھ آ گیا۔ تھکن سے چور بدن اب آرام کا طلب گار تھا۔ جونہی بستر پر دراز ہوا ایک بڑے ہی عزیز شاگرد اور گاؤں میں ہمارے ہمسائے محمد اقبال کا فون آ گیا۔ عزیز اقبال کو چونکہ مکہ میں میرے آنے کی اطلاع موصول ہو چکی تھی اس لیے وہ ملاقات کے لیے بڑا بے چین تھا۔ حصولِ تعلیم کے دوران بھی اقبال بڑا مؤدب اور اساتذہ سے محبت کرنے والا طالب علم تھا۔ یہ خوبیاں اب اس میں پہلے سے زیادہ رچ بس گئی تھیں۔

اقبال عرصہ چھے سال سے جدہ میں بسلسلہ روزگار مقیم ہے۔ بفضلِ تعالیٰ معاشی

Marfat.com

اعتبار سے مستحکم زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس کے پاس اپنی بڑی شاندار گاڑی ہے۔ اس نے احتراماً پہلے ہی مکۃ المکرّمہ اور مضافات میں موجود تاریخی مقامات دکھانے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ اس نے فون پر بڑے عاجزانہ لہجے میں خیریت دریافت کی اور چند ایک ناگزیر وجوہ کی بنا پر اس روز یعنی 14 فروری بروز منگل کے بجائے اگلے دن یعنی بدھ 15 فروری کی سہ پہر آنے کا وعدہ کیا۔ بہرحال فون سننے کے بعد ابھی ہم گھنٹہ بھر آرام کرنے پائے تھے کہ ظہر کی اذان کی مقدس آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ اگرچہ ہوائی جہاز کے شب بھر کے سفر اور عمرے کے مناسک کی تازہ تازہ ادائیگی سے پورا جسم شکستگی اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا مگر موالد النبی ﷺ میں پہنچ کر حرم شریف کے بغیر نماز پڑھنے کا تصور بھی کیسے کیا جا سکتا تھا۔ بے چین جبیں میں سجدے مچلنے لگے۔ وجدان کہنے لگا بیش قیمت وقت کو اپنے تساہل اور تعیش کی نذر کرنے والے اٹھ! جا کر پھر غلافِ کعبہ سے لپٹ جا۔ آہ وزاری سے ایک حشر بپا کر کے اپنے آقا سے مغفرت کا خزینہ سمیٹ لے کہ زندگی میں یہ لمحے شاید کبھی نہ لوٹ کر آ سکیں۔

آج سجدوں کی انتہا کر دوں
شوق مٹ جائے یا آستانِ یار نہیں

میں نے نیند کی وادی میں سکون سے ہمکنار خراٹے لینے والی اہلیہ کو جگایا کہ اٹھو اگر سو کر ہی وقت گزارنا تھا تو پھر یہاں آنا کس لیے؟

جلدی جلدی وضو کیا اور نمازِ ظہر ادا کرنے کے لیے حرم شریف پہنچ گئے۔ کعبۃ اللہ پر دوبارہ نظر پڑی؛ ایک بار پھر جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اس مرتبہ بھی نگاہوں میں نیا مرحلۂ شوق اور نئی برقِ تجلی نظارۂ حریمِ جستجو بن گئی۔ سنتیں ادا کرنے کے بعد جماعت

Marfat.com

کی سعادت حاصل کرنے کے لیے سیاہ لباس پہنے اس عظیم مکان کو مرکزِ نگاہ بنا کر بیٹھ گیا جس کے چاروں طرف ہر وقت فیوض و برکات اور انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد امامِ کعبہ تشریف لائے۔ تکبیر ہوئی، امامِ کعبہ نے بڑی باوجاہت آفرین آواز میں اللہ اکبر کہا۔ اللہ کی کبریائی کے اس جلال آمیز اعلان کے ساتھ یوں محسوس ہوا جیسے خالقِ کون و مکاں اپنے رخ سے نقاب الٹ کر خود اپنے گھر میں رونق افروز ہو رہا ہے۔ نماز ادا ہونے تک یہی کیفیت رہی۔ نماز کے بعد آبِ زم زم جی بھر کر پیا۔ مبدا فیاض نے اس پانی میں ایک خوبی یہ بھی رکھی ہے کہ تواتر سے پیتے رہنے کے باوجود تشنگی باقی رہتی ہے اور دو چار قدم چلنے کے بعد پانی ہضم ہو جاتا ہے۔

گھنٹہ بھر آرام کے بعد نماز عصر تک آرام کی غرض سے قیام گاہ واپس چلے آئے۔ راستے میں ایک بقالے سے ملک شیک اور جوسز خریدے۔ بقالہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی جنرل سٹور کے ہیں۔ ان بقالوں میں بڑی بڑی طویل القامت فریجیں رکھی ہوتی ہیں جن میں انواع و اقسام کے جوسز اور بوتلیں بڑے سلیقے سے رکھی ہوتی ہیں۔ ان مشروبات کی پیکنگ اتنی خوب صورت اور پُرکشش ہوتی ہے کہ خود بخود طبیعت خریدنے پہ آمادہ ہو جاتی ہے اور پھر مزید لطف یہ کہ سامانِ ناؤنوش اتنا خالص اور توانائی سے بھرپور ہوتا ہے کہ پینے کے بعد لاغر سے لاغر انسان کی رگ رگ سے سرمستی صہبا کا گمان ہونے لگتا ہے۔۔۔ بالخصوص طواف کرنے کے بعد اگر کوئی نحیف انسان تھکن محسوس کرے تو رات سوتے وقت دو چار کھجوریں اور بقالوں میں دستیاب دودھ کا ایک پیکٹ پی لیا جائے تو آناً فاناً تکان دور ہو جاتی ہے۔ یہاں کا دہی صبح ناشتے کے ساتھ بہت لذت آفرین ہوتا ہے۔ زائرین ان دونوں چیزوں کا استعمال بکثرت کرتے ہیں۔ قارئین اگر میرے اس مشاہدے

Marfat.com

کو بازاریت سے تعبیر نہ کریں تو بڑی معذرت سے عرض کرنے دیں کہ دودھ، کھجور اور مِلک شیکوں کے متواتر استعمال سے کمزور لوگوں کو یہ خالص تحفے چند ہی دنوں میں عالمِ شباب میں پہنچا دیتے ہیں۔ قیام گاہ پر واپس آ کر نمازِ عصر تک آرام کیا۔ اللہ کے گھر کی کشش کب چین لینے دیتی تھی۔ میں نے اہلیہ سے کہا کہ اب عشا کی نماز تک وہیں قیام رہے گا تاکہ آنکھوں کو زیارت کی شکایت نہ رہے۔

نمازِ عصر ادا کرنے کے بعد میں وہیں بیٹھ گیا اور کعبۃ اللہ کو ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔ میں اس کے ابواب دیکھنے لگا۔ بابِ عبدالعزیز، بابِ فہد اور پھر بابِ فتح پر نظر پڑی۔ میرے پاس دائیں طرف اس وقت ایک سرخ و سفید چہرے والا باریش نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ وضع قطع سے مجھے وہ کوئی سکالر قسم کا نوجوان لگا۔ میں نے سلام دعا کی میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ ہندوستان (حیدر آباد) کا رہنے والا ہے۔ اس کا سارا خاندان اعلیٰ تعلیم یافتہ اور طویل عرصے سے برطانیہ میں مقیم ہے۔ وہاں آج کل کسی یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ وہ ہر سال حرمین شریفین کی زیارت کے لیے برطانیہ سے یہاں آتا ہے۔ میں نے بابِ فتح کے پس منظر میں کچھ جاننا چاہا۔ معلوم ہوا کہ وہ بڑا فاضلانہ ادارک رکھنے والا نوجوان ہے۔ وہ کہنے لگا کہ معتبر اہلِ سیر تحریر کرتے ہیں کہ اس راستے سے سرورِ کون و مکاں، رہنمائے خاکیاں حضور سیدِ دوعالم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تھے۔ یہ سنتے ہی میں اٹھ کر بابِ فتح کے پاس چلا گیا۔ حسرت و ارمان سے اس پورے باب پر اپنی نظریں جما دیں کہ اس راستے سے میرے آقا و مولیٰ فداہُ ابی و اُمّی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی فاتحانہ داخل ہوئے تھے۔

مجھے تاریخ کا وہ رفیع الشان دور یاد آ گیا جب حضور ﷺ اپنے ایک لاکھ

Marfat.com

جاں نثاروں اور فدا کاروں کے جلو میں مکتہ المکرّمہ میں داخل ہوئے تھے۔ آپ ﷺ اس وقت ایک اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ ﷺ کے خاص منظور نظر جواں سال حضرت اُسامہؓ آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ کائنات کے اس بوریا نشین شہنشاہ اور قلوب واذہان کے کشور کشا کا سرِ اقدس عجیب تواضع اور انکسار سے جھکا ہوا تھا۔ زبانِ گوہر فشاں سے اللہ کی کبریائی کا اظہار ہو رہا ہے۔ ایک جانب ازل سے ابد تک کے رفیقِ نبوت سیدنا صدیقِ اکبرؓ دوسری جانب صاحبِ ذوالفقارِ حیدری سیدنا علی کرم اللہ وجہ ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ملائکہ پرچم اسلام لے کر نصرت کا مظہر قرار دیتے ہوئے قافلۂ نبوت کی بلائیں لیتے ہوئے آسمان سے نزولِ اجلال کر رہے ہیں۔ جب مولائے کائنات کعبتہ اللہ کے قریب پہنچتے ہیں تو فرطِ جذبات ومحبت سے گہر ہائے آب دار کی طرح آنکھوں سے آنسو ڈھلک رہے ہیں۔ اچانک لسّانِ نبوت سے دشمنانِ اسلام کے لیے یہ ایمان افروز اعلان ہوتا ہے، ''لا تثریب علیکم الیوم ٥'' ''آج تم سے کوئی باز پرس نہیں''۔ عفوِ عام کے مختلف قرینوں کا اظہار ہو رہا ہے۔ جو بیت اللہ میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے بھی سلامتی ہے، جو ابوسفیان کے گھر داخل ہوگا اسے بھی معاف کر دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ سرکارِ رسالت مآب ﷺ ہبار تک کو بھی معاف فرما دیتے ہیں حالاں کہ اس بدطینت اور سیاہ بختِ ازل نے آقائے نامدار حضور سرورِ کونین ﷺ کی پیاری صاحبزادی سیدہ زینب سلام اللہ علیہ (جو اس وقت امید سے تھیں) کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے ہوئے بڑی بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ اپنے شفیق چچا سید الشہدا حضرت حمزہؓ کے اس سفاک قاتل وحشی کو بھی عفوِ عام سے مستفیض کیا جاتا ہے جس نے میدانِ احد میں شیرِ دینِ حق جناب حمزہؓ کو عین اس وقت زہر میں بجھے ہوئے نیزے سے شہید کر دیا جب آپ ﷺ دشمنانِ دین قیم

Marfat.com

کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔ لیکن حبشی کو معاف فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے اتنا ضرور ارشاد فرمایا کہ تم میرے سامنے نہ بیٹھا کرو کیوں کہ تمھیں دیکھ کر مجھے اپنے کریم وشفیق چچا حضرت حمزہؓ کی یاد آ جاتی ہے۔ یہ ارشاد فرماتے ہوئے آپ ﷺ آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ چشمِ فلک نے شانِ بندہ نوازی کا یہ کریمانہ منظر کبھی نہ دیکھا ہوگا اور نہ ہی اقوامِ عالم کی تاریخ کے اوراق اس شانِ رحمت کی کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں۔ اللہ اللہ حرم شریف میں بیٹھے ہوئے، حضرت اقبالؒ کس وقت یاد آ گئے۔ شاید حضور ﷺ کے اس سرمدی جاں سپار نے حضور ﷺ کی اس شانِ رحمۃ اللعالمینی کے پیشِ نظر کہا ہوگا۔

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم
من و تو کشتۂ شانِ جمالیم
دو حرفے بر مرادِ دل بگویم
بپائے خواجہ چشماں را بمالیم

ترجمہ: اے میرے دوست آ مل کر آہ وزاری کریں۔ ہم دونوں حضور ﷺ کے جمال کے شیدا ہیں۔ آ دل کی بات دو حرفوں کی صورت میں بیان کریں کہ آقا ﷺ کے پاؤں سے اپنی آنکھیں ملیں۔

میں تاریخ کے اس حسین تصور کو ذہن میں دہراتے ہوئے بار بار بابِ فتح اور کعبۃ اللہ کے فاصلے کو دیکھتا اور سوچتا کہ حضور ﷺ نے دینِ اسلام کی سربلندی اور بے پایاں رفعت کا اعلان کس جگہ پہ کھڑے ہو کر کیا ہوگا۔ قل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۝ ابھی میں چشمِ تصور میں اسلام کی سربلندی کے حسین منظر میں کھویا ہوا تھا کہ مغرب کی اذان کا وقت ہو گیا۔ مؤذنِ کعبہ نے اس گداز سے اذان

Marfat.com

کہی کہ دل پگھل پگھل جاتا رہا۔لحنِ داؤدی نے دل کو گرما دیا۔ یہاں نمازِ مغرب اور اذان میں اتنا وقفہ ضرور رکھا جاتا ہے کہ حرم کی طرف آتے ہوئے زائرین بہ آسانی جماعت کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ نماز ادا کرنے کے بعد طواف کیا کہ باقی سب عبادتیں دنیا کے کسی بھی خطے میں نصیب ہو جاتی ہیں.....مگر طواف کی سعادت تو فقط کعبۃ اللہ میں ہی مل سکتی ہے۔ فدایانِ رضائے الٰہی کے ساتھ شامل ہو گیا۔ بار بار اپنی آنکھوں اور سینے کو دیوارِ کعبہ سے لگا دیتا اور دیوانوں کی طرح آہ وزاری کرنے لگتا۔ ملتزم سے چمٹتے وقت تو یہ دیوانگی و وارفتگی دو چند ہو جاتی۔ اس مرتبہ بھی حطیم میں نوافل کی سعادت حاصل ہو گئی۔ جبینِ نیاز جھکتی تو اٹھنے کا نام نہ لیتی۔ طواف کے بعد ہم بیت اللہ کی دوسری منزل پر چلے گئے۔ دوسری منزل کے مطاف سے جب نیچے طواف کا منظر دیکھا تو ایمان تازہ ہو گیا بلکہ مجھے یوں لگا جیسے ابھی ابھی دولتِ ایمان نصیب ہوئی ہو۔ سفید لباس زیب تن کیے پرستارانِ توحید کا جمِ غفیر بحرِ توحید میں غوطہ زن تھا۔ یوں لگا جیسے عشاق کے پاؤں نہیں چل رہے بلکہ مطاف خود بخود زائرین کو لے کر چکر لگا رہا ہے۔

سبحان اللہ! ایسا دلآویز، دلنشیں اور ذکر و فکرِ الٰہی میں ڈوبا ہوا منظر دنیا میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ جی چاہتا تھا کہ میدانِ محشر بپا ہونے تک یہ کیف آفریں منظر دیکھتا چلا جاؤں۔ میں نے اپنی آنکھیں وہ عظیم الشان جھلک ویرانۂ دل میں سجانے کے لیے اس پر گاڑ دیں۔ میرے دائیں طرف اس وقت ایک باذوق ایرانی کھڑا تھا۔ وہ بھی اس لطیف منظر سے حظ اٹھا رہا تھا۔ اسے مجھ پر پاکستانی ہونے کا گمان گزرا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بڑا خوش ہوا۔ وہ اقبال کا بڑا مداح نکلا۔ انگریزی میں کہنے لگا ہم اسے اپنا مرشد تسلیم کرتے ہیں۔ طواف کا حسین منظر دیکھ کر کہنے لگا، اس لامثال یگانگت کے روح پرور منظر کی اقبال کے الفاظ میں تعریف کس طرح کریں گے۔ میں نے علامہ کے مزار پر نصب ان کی یہ

Marfat.com

فارسی رباعی سنائی تو جھوم اٹھا۔ ؎

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

ترجمہ: نہ ہم افغانی اور نہ ترک وتاتاری ہیں۔ ہم مسلمان ایک گلستان کی شاخیں ہیں۔ ہم پر رنگ وبو کا تفاوت حرام ہے کہ ہم ایک ہی بہار کے پروردہ ہیں۔

اس نے مجھ سے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور فارسی زبان سے میری آشنائی کو تحسین کی نظر دے دیکھنے لگا۔

بہر حال ہم نماز عشا تک حسنِ تقدیس میں ڈوبا ہوا وجدانی منظر دیکھتے رہے۔ پلک جھپکنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میں تو مسلمانانِ عالم سے کہتا ہوں کہ جو مسلمان بھی زیارتِ حرمین شریفین کے لیے آئے وہ شام کے بعد طوافِ کعبہ کا منظر ضرور دیکھے۔

نماز عشا ادا کرنے کے بعد حرم شریف سے باہر آئے تو بن داؤد کے قریب چھوٹے بھائی محمد اصغر ایڈووکیٹ کے خلیق دوستوں چودھری مبشر صاحب اور چودھری مشتاق صاحب کا ریاض سے فون آ گیا۔ وہ کافی عرصے سے رابطے کی کوشش کر رہے تھے مگر بعض تکنیکی وجوہ کی بنا پر فون پر بات نہیں ہو سکی تھی۔ چودھری مبشر صاحب کو اپنی ہمشیرہ محترمہ (چودھری مشتاق کی اہلیہ) کے ذریعے سے ہماری آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ میری اور مبشر صاحب کی پہلے چہرہ شناسی نہیں تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ان سے فون پر بات ہوئی تو ان کے لہجے میں اس قدر اپنائیت تھی کہ برسوں سے شناسائی کا گمان ہوتا تھا۔ ان کی

Marfat.com

شیرینیِ گفتار نے دل ونظر کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ چند لمحوں بعد چودھری مشتاق صاحب سے بھی بات ہوگئی۔ وہ بھی ایک ہزار کلومیٹر کے فاصلے پر ہونے کے باوجود بن دیکھے فریفتہ ہو رہے تھے۔

دونوں بھائیوں کا جی چاہ رہا تھا کہ طائرانِ بامِ حرم کی طرح اڑ کر چشمِ زدن میں مکہ شریف پہنچ جائیں...... مگر مشتاق بھائی کے ویزے میں توسیع کا معاملہ معلق ہو چکا تھا اس لیے وہ قانوناً الریاض سے کہیں باہر نہیں جا سکتے تھے۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ جونہی اقامہ لگ گیا اسی وقت ریاض سے روانہ ہو جائیں گے خواہ اس وقت ہم مدینے شریف میں ہوں۔ مبشر بھائی اتنی دور بیٹھ کر بھی اپنی محبتیں موبائل بیلنس کی صورت میں وافر طور پر بانٹتے رہے۔ یہ نوازش وہ میرے سعودی عرب میں قیام کے آخری دن تک کرتے رہے۔ ان کی ان گنت عنایات کا بوجھ نجانے کب تک اپنے ناتواں کندھوں پر لیے پھرتا رہوں گا۔ دونوں بھائی ہر دو گھنٹے بعد فون پر ہماری خیریت دریافت کرتے رہے۔ مبشر صاحب ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن اتنا بیلنس روانہ کر دیتے کہ میں نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر میں اپنے اعزہ، رفقا اور تلامذہ کو طویل فون کرتا اور ان کی خیریت دریافت کرتا رہا۔ اسی شام جدہ سے عزیزم اقبال کا فون آ گیا کہ سر! کل بدھ 15 فروری کی شام مکہ میں آپ کے پاس ہوں گا اور اس سے اگلے روز زیارات کے لیے روانہ ہوں گے۔

نمازِ عشا کے بعد کھانا کھا کر ہم ہوٹل میں آ کر سو گئے۔ ان مقدس مقامات پر آ کر سونا بھی جاگنے کے مترادف ہوتا ہے۔ نرم ونازک بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے بھی انسان حضوری کے مزے لیتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ مجھ ایسا لطیف نیند والا آدمی بھی یہاں آ کر دو گھنٹے سے زائد نیند نہ کر پایا۔ ہم اس خیال وفکر سے جگانے کا فریضہ کراماً کاتبین کے سپرد کر

Marfat.com

کے سو گئے کہ حرم شریف میں باجماعت نماز ادا کریں گے۔ کچھ عرصہ سونے کے بعد آنکھ کھلی تو یوں محسوس ہوا کہ فجر کی نماز قضا ہو گئی ہو۔ حزن و ملال کی کیفیت میں اہلیہ کو جگایا کہ اٹھو جو تھوڑا بہت وقت باقی رہ گیا ہے اس کو غنیمت جانو۔ وضو کر کے فوراً کعبہ کی سمت چل دیے۔ وہاں جا کر گھڑی پر نظر ڈالی تو تین بج رہے تھے اور بیت اللہ شریف جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ رنگ و نور کی اس برسات کا نظارا کرتے ہوئے جو سرور حاصل ہوا راہوارِ قلم اس کا اظہار کرنے سے عاجز ہے۔ ؎

نقابِ رخ کعبہ سرکا ہے شاید
بڑی دُور تک برق لہرا رہا ہے

خدا کا شکر ادا کیا کہ جس خدشے کی بنیاد پر نیند سے بیدار ہوئے وہ سعادت ابھی باقی ہے۔ محدثین تحریر فرماتے ہیں کہ چوبیس گھنٹوں میں فقط سحر کا وقت ایسا ہوتا ہے جس وقت ربِ کائنات زمین کے بالکل قریب آ جاتے ہیں اور انسان کی زبان سے صرف ایک بار یا اللہ کی آواز نکلتی ہے تو اوپر سے جواباً ستر مرتبہ لبیک عبدی کی ندا آتی ہے۔ ایسی قبولیت کا وقت بھی اور مقام حرم شریف کا ہو تو پھر قبولیت میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے۔ ؎

مری نجات میں کیا شائبہ ہے اب باقی
بڑا کریم ہے جس کا گناہ گار ہوں میں

آہستہ آہستہ نماز فجر کا وقت قریب آ رہا تھا۔ نسیمِ صبح رحمتِ پروردگار کی صورت میں مشامِ جاں کو معطر کرتی ہوئی فدایانِ توحید کے سوتوں کو بیداری کرتی ہوئی محوِ خرام تھی۔ امامِ کعبہ تشریف لائے، صفیں درست ہونے لگیں۔ تکبیر کی صدا بلند ہوئی۔ امامِ کعبہ نے قرأت شروع کی تو لحنِ داؤدی کا گمان ہونے لگا۔ دورانِ قرأت ان پرگداز کی ایسی کیفیت

Marfat.com

طاری ہو جاتی کہ وہ رو پڑتے۔ان کی اقتدا میں نمازیوں کی بھی ہچکیاں بندھ جاتیں۔یہی وجہ ہے کہ حکیمانہ وعظ و نصیحت سے معمور اس رفیع الشان کتاب کا جواب تو درکنار اس کے ایک لفظ کی مثال بھی معاندینِ اسلام قیامت تک پیش نہیں کر سکتے۔نماز کے بعد ہوٹل سے صبح کا ناشتہ لیا، کھانے کے بعد سو گئے۔

نمازِ مغرب کے بعد حسبِ وعدہ عزیزم اقبال گاڑی لے کر آ گئے۔وہ ٹاور کے قریب ہمارا انتظار کر رہے تھے۔خیریت و مزاج پرسی کے بعد طے ہوا کہ اکٹھے طواف کی سعادت حاصل کر کے نماز عشا کی ادائیگی کے بعد کھانا فندق دارالشریعہ میں اپنے کمرے میں کھایا جائے گا۔اقبال جدہ سے اپنے ساتھ کھانا بھی لائے تھے۔وہ لذتِ کام و دہن کا زبردست اہتمام کر کے لائے۔اس میں جدہ کا معروف بروسٹ بھی شامل تھا۔اس کے ساتھ مٹن، ڈھیر سارا فروٹ اور انواع و اقسام کے مشروبات شامل تھے۔میں نے اتنا خستہ بروسٹ زندگی بھر نہیں کھایا۔اگرچہ ایک سو کلومیٹر کی مسافت سے یہاں آنے تک وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اس کی روایتی لذت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔مجھے شام کے کھانے کے بعد کوئی سویٹ ڈش بہت مرغوب ہے۔ہم نے ایک بقالے سے کھیر بھی خرید لی۔ایک اور بات جو اس مقدس جگہ کو دیگر تمام خطوں سے ممیّز کرتی ہے وہ میرے ایک ذاتی تجربے اور مشاہدے کی بنا پر ہے۔اپنے ملک میں میں معمولی سی ثقیل چیز بھی کھا لوں تو پورے چوبیس گھنٹے طبیعت گراں بار رہتی ہے لیکن یہاں میں کھانے پینے میں حد سے تجاوز بھی کرتا رہا لیکن الحمدللہ ایک لحظے کے لیے بھی معدے پر ثقالت پیدا نہیں ہوئی۔میری نظر میں اس کی دو وجوہ ہیں: ایک تو زم زم کی حیرت انگیز اثر آفرینی اور فیض رسانی، دوسرے ہر چیز کا خالص دستیاب ہونا ہے۔ہمارے ملک میں پیپسی اور کوکا کولا دو نمبر سے بڑھ کر تین نمبر میں بک رہی

Marfat.com

ہیں جو ہماری موجودہ نسل کے نظامِ انہضام کو بری طرح متاثر کر رہی ہیں لیکن سعودی عرب میں مشروبات اس قدر خالص ہیں کہ نوشِ جاں کرتے ہوئے لطف محسوس ہوتا ہے۔

ہماری انھی بے ایمانیوں اور سفاکیوں کی وجہ سے اہلِ جہاں کا ہم پر اعتماد ختم ہو چکا ہے۔ میں صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ آپ حلیب دودھ کو لے لیجیے۔ یہاں اس کی تیاری میں جو فارمولا استعمال ہو رہا ہے وہ عوام الناس کے ساتھ کھلی عداوت اور آئندہ نسلوں کو جسمانی طور پر اپاہج اور غیر فعال کرنے کا شاخسانہ ہے مگر سعودی عرب میں دودھ کا یہی پیکٹ اپنی منفرد خصوصیت رکھتا ہے البتہ کھانے کی اشیا میں چھوٹا گوشت مجھے پاکستان کا زیادہ لذیذ معلوم ہوا۔ شاید اس کی وجہ آب و ہوا اور چرنے چگنے میں بھیڑ بکریوں کی غذا کا کمال ہو۔ میری نظر میں یہی چیز قرینِ حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

بات ذرا دور نکل گئی۔ جمعرات 16 فروری صبح نو بجے اقبال کے ساتھ گاڑی میں تاریخی مقامات کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ اقبال بہت محتاط ڈرائیونگ کرتا ہے۔ اس نے پہلے میدانِ عرفات کا رخ کیا۔ مکہ شہر سے ابھی تھوڑا سا باہر نکلے ہوں گے کہ حاجیوں کے حجرے شروع ہو گئے۔ حج کے آغاز پر یہ حجرے آباد ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ پہلے یہاں کھال کے بنے ہوئے خیمے نصب ہوا کرتے تھے لیکن موسم کی شدت اور فرزندانِ توحید کی کثرت کی وجہ سے وہ ناقابلِ استعمال قرار دیے گئے ہیں۔ اب یہاں سیمنٹ سے پختہ کیمپ بنا دیے گئے ہیں اور پھر ایک دوسرے کی پہچان کے لیے گروپ نمبر بنا دیے جاتے ہیں۔

حج کے دنوں میں یہاں رونق اتنی بڑھ جاتی ہے کہ یہ بے برگ و گیاہ علاقہ کائنات بھر کی رونق کا مسکن نظر آتا ہے۔ بمشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ ہم

Marfat.com

میدانِ عرفات میں داخل ہو گئے۔ عرف عام میں عرفات کے معنی پہچان کے ہیں۔ تاریخی حوالے سے اگر دیکھا جائے تو حضرت آدم اور حوا کی ملاقات اسی میدان میں ہوئی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آقائے نامدار حبیبِ کبریا حضور سید دو عالم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ کا وہ فکر انگیز، جامع اور نادرالوجود آخری خطبہ اسی میدانِ عرفات میں ارشاد فرمایا تھا جس کی جامعیت و اکملیت کے سامنے بڑے بڑے لسان العصر، افلاطونِ دانش کدۂ حقائق، وحید الزماں قانون دان، دساتیر کے خالق، مکلّل بہ اکلیلِ سخن اور تاج دارانِ اقلیمِ فصاحت و بلاغت کے سر قیامت تک سرنگوں نظر آتے ہیں۔ یہ عظیم شیم خطبہ حیاتِ انسانی کے ارتقا اور اسے صراطِ مستقیم پر گامزن رکھنے کے لیے ایسا لامثال اور عدیم النظیر شاہکار ہے جس کی مثال مغرب و مشرق کے قانون دان، تاریخ انسانی کے مایہ ناز ارسطوئے زماں زندگی بھر کی محنت شاقہ کے باوجود پیش نہیں کر سکے۔

صدیاں گزر گئیں جس طرح قرآنِ حکیم کے ایک لفظ کی مثال نہیں لائی جا سکتی اسی طرح صاحبِ قرآن کی زبانِ گوہر فشاں کی عظمت و ہیبت اور طلاقتِ لسانی کے سامنے فنِ خطابت کے تاج ور لرزہ براندام نظر آتے ہیں۔ میدانِ عرفات کی وسعت دیکھ کر انسانی تخیل کا دھارا رُک جاتا ہے۔ جوں جوں میں چاروں طرف نظر دوڑاتا گیا، گم سم سا ہوتا گیا۔ اقبال کہنے لگا: سر! آپ خاموش سے ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا: اقبال! میرا ذہن بڑی سرعت سے تاریخ پارینہ کے اوراق الٹ رہا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ میں فی الواقع اسی میدانِ عرفات میں کھڑا ہوں جہاں سرورِ دو جہاں نے فدایانِ نبوت کے ایک لاکھ پر شکوہ مجمعے سے خطاب فرمایا۔ صحابہ کرامؓ ادب سے ایستادہ ہیں، سرکارِ رسالت مآب ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: آج خدا نے تمھارے دین کو مکمل کر دیا۔ اب قیامت تک نہ کوئی کتاب آئے

Marfat.com

گی اور نہ کوئی ظلّی ، بروزی، تشریعی یا غیر تشریعی نبی آئے گا۔ میں آج کائنات بھر کے نسلی تفاخر کو پاؤں تلے روندر ہا ہوں۔ کسی کالے کو گورے پر، گورے کو کالے پر، عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر بجز تقویٰ کے کوئی فضیلت نہیں۔ زبانِ نبوت سے فصاحت و بلاغت کے سمندر بہہ رہے ہیں۔ زبانِ عنبر فشاں سے الفاظ و معانی کے ایسے ایسے دُرّ ہائے تاب دار نکل کر صحابہ کرامؓ کی بصیرت و بصارت کو رخشندگی عطا کر رہے ہیں۔ انسانی زندگی کے سلیقوں کو تابندگی عطا کرنے کے لیے ایسی ایسی قانونی موشگافیاں مرحمت فرمائی جارہی ہیں کہ کسی بھی اشکال کے حل کے لیے کوئی تشنگی باقی نہ رہے۔

حضور ﷺ نے جو جامع و مانع خطبہ ارشاد فرمایا، سو عظیم شخصیات کے مصنف مائیکل ہارٹ کی نوکِ قلم کو صفحۂ قرطاس پر یہ تحریر کرنا پڑا کہ دنیا بھر کے قانون دانوں میں مسلمانوں کے پیغمبر اعظم حضرت محمد ﷺ سرِ فہرست ہیں۔ سبحان اللہ۔ معاندینِ اسلام بھی حضور ﷺ کی فصاحت کے معترف ہیں۔

آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرما چکے تو سیدنا صدیق اکبرؓ الگ ہو کر رونے لگے جب کہ دیگر صحابہؓ خوشی سے سرشار مسکرا رہے ہیں کہ آج ہمارا دین مکمل ہو گیا ہے۔ تاج دارِ حکمت سیدنا علیؓ سیدنا ابوبکر سے رونے کا سبب دریافت کرتے ہیں۔ ابوبکرؓ کہتے ہیں: زبانِ رسالت سے دین مکمل ہونے کی بشارت کا مطلب حضور سیّدِ دو عالم ﷺ کا فراق ہے۔ یہ سن کر علیؓ بھی اشک بار ہو جاتے ہیں۔ میدانِ عرفات میں گاڑی پر چکر لگاتے وقت میں عرفات کے ذروں کو بغور دیکھنے لگا کہ انھی ذرّوں کو حضور ﷺ نے اپنی نعلین مبارک سے تابانی بخشی۔ میرا ایمان ہے کہ کائنات بھر کی رفعتیں ان راہوں کی دھول اپنی آنکھوں سے چنتی رہیں گی جن راہوں کو سرکارِ رسالت مآب ﷺ نے اپنے قدومِ

Marfat.com

میمنتِ لزوم سے سرفرازی بخشی۔ خواجہ قطب الدین فریدی کا شعر:

ذرّے اس خاک کے تابندہ ستارے ہوں گے
جس جگہ آپؐ نے نعلین اُتارے ہوں گے

میدانِ عرفات کی وسعت کا ایک تاریخی پس منظر یہ بھی ہے کہ اہلِ سیَر وحدیث کے نزدیک یہیں میدانِ محشر بپا ہوگا۔ عالمِ انسانیت کو یہاں حاضر کردیا جائے گا۔ جنت ودوزخ کو یہیں لایا جائے گا۔ میزانِ عدل اسی جگہ قائم ہوگا۔ پلِ صراط کا مشاہدہ بھی اسی جگہ کرایا جائے گا۔ کوثر وتسنیم کی فرحت بخش موجیں اہلِ جنت کی تشنگی مٹائیں گی۔ تمازتِ آفتاب سے زبانیں جھلس رہی ہوں گی۔ العطش العطش کی پکار میدانِ عرفات کو ہلا کر رکھ دے گی۔ خطا کاروں کی نگاہیں متلاشی ہوں گی کہ وہ صاحبِ لولاک ﷺ کہاں ہیں جن کے سر پر اللہ رب العزت نے شفاعتِ کبریٰ کا تاج رکھا ہے۔۔۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ اپنے دستِ حق پرست میں لواالحمد تھامے تشریف لائیں گے اور مقامِ محمود پر جلوہ گر ہوکر اپنے خالق ومالک کی ایسی مدح وتوصیف فرمائیں گے کہ جلالِ کبریا مسکرا اٹھے گا۔ انسانیت کی ڈوبتی نبضوں کو زندگی عطا ہوگی۔ حکم ہوگا: محبوب ﷺ کیا مانگتے ہیں؟ حضور ﷺ عرض کریں گے: اے خالقِ کون ومکاں! تیرے یہ خطا کار اور عاجز بندے آفتاب کی حدّت برداشت نہیں کر سکتے۔۔۔ ان کا حساب کتاب شروع ہو۔ خدائے عزوجل کی رحمتِ بے کراں جوش میں آجائے گی اور یوں میزانِ عدل حرکت میں لاکر انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جائے گا۔ اگر میں حدیث شفاعت بیان کرنے لگ گیا تو موضوع سے ہٹ جاؤں گا۔

بات میدانِ عرفات کی ہورہی تھی جہاں تاریخ کے بڑے بڑے واقعات رونما ہو چکے تھے اور قیامت تک ہوں گے۔ مجھے جمرود دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ جمرو دتین شیاطین کو

Marfat.com

کنکریاں مارنے کی جگہ کا نام ہے۔ یہاں حجاج کرام سنتِ ابراہیمی کو زندہ کرتے ہوئے شیاطین کو کنکریاں مارتے ہیں۔ یہاں اب تعمیر و ترقی کا بہت زیادہ کام ہو چکا ہے۔ ہر برس یہ سنت ادا کرتے وقت حجاج کرام میں بھگدڑ مچ جاتی ہے اور پھر اس سراسیمگی میں بہت سے ضعیف العمر حاجی پاؤں تلے آ کر شہید ہو جاتے ہیں بلکہ آج سے تقریباً تین برس قبل انسانی جانوں کا اتنا ضیاع ہوا کہ پوری دنیا میں اس افسوس ناک واقعے پر آنسو بہائے گئے۔ اب سعودی حکومت نے سسٹم میں تبدیلی کر دی ہے۔ اب آسانی سے یہ فریضہ انجام دیا جا سکتا ہے۔

گاڑی میں بیٹھے بیٹھے شیاطین کی طرف نگاہ دوڑائی تو میں تصور کی دنیا میں، سیّدنا ابراہیمؑ کے صدق و ایثار اور سیدنا اسماعیلؑ کے آدابِ فرزندی کی طرف چلا گیا جسے قرآن نے ''ذبحِ عظیم'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ تسلیم و رضا کے میدان میں یہ رفیع الشان واقعہ اتنا لا مثال ہے کہ اس کی تابانیت سے قرطاسِ صدق و صفا ابدالآباد تک جگمگاتا رہے گا۔ کشتگانِ خنجرِ تسلیم طلوعِ آفتابِ محشر تک اس سے روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔ اے فرزندانِ اسلام! ذرا غور تو کریں نام لینا آسان ہوتا ہے۔ عالمِ رویاً میں اللہ رب العزت کے ایک اشارے پر بندۂ بے ریا سیدنا ابراہیم بغیر کسی ہچکچاہٹ کے بلا تامل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ہاتھ میں تیز دھار خنجر لینے سے پہلے اپنے محبوب فرزند سیدنا اسماعیل کو حکمِ خداوندی سے آگاہ کرتے ہیں۔ نیک طینت اور نجیب النفس فرزند سنتے ہیں فوراً سرِ تسلیم خم کرتے ہیں کہ ابا جان دیر نہ کیجیے مبادا میں اللہ کے حکم عدولوں میں شامل ہو جاؤں۔ اللہ کی رضا کے سامنے بیٹے کا سر خم ہوتے دیکھا تو فرطِ محبت سے خلیل اللہ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ اسی ایمان افروز واقعے کو اقبالؒ فیضانِ نظر یا مکتب کی کرامت کا کرشمہ

Marfat.com

قرار دیتے ہیں۔ مگر وہ فیضانِ نظر والے فلسفے سے متفق دکھائی دیتے ہیں کیوں کہ مکتب دراصل عقل کی گزرگاہ ہوتا ہے جب کہ اعجازِ نظر کا تعلق دیارِ عشق سے ہوتا ہے اور اس کا دستور ایسا نرالا ہوتا ہے جو لوگ سبق یاد کرتے ہیں انھیں زندگی بھر چھٹی نہیں مل سکتی۔ اقبالؒ پھر یاد آ گئے۔ ؎

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

باپ بیٹا اس راستے سے گزرتے ہیں تو شیطان نے دونوں کو تین مرتبہ بہکایا مگر دیوانگانِ عشق کب کسی ترغیب و تحریص میں آنے والے ہوتے ہیں۔ وہ تو ہمیشہ اہلِ عقل سے الگ دیدار کے لیے آنکھیں بند کر دیتے ہیں۔ اس عالمِ جنوں میں وہ جو کچھ دیکھ لیتے ہیں وہ ان سطح بینوں کے مقدر میں کہاں۔ ان اہل اللہ کے خون کا پہلا قطرہ ہی زمین پر گرنے سے قبل زمین و آسمان کی رفعتوں کے حجابات اٹھا دیے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ خود خالقِ ارض و سما اپنے رخِ جمال سے نقاب الٹ دیتا ہے جس کی لطافت میں وہ اتنے محو ہوتے ہیں کہ دنیا و مافیہا ان کی نظروں میں پرِ کاہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔ خلیل اللہ نے زمین سے کنکریاں اٹھائیں اور شیطان کے منہ پر دے ماریں کہ خبردار میرے راستے میں آنے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ ادا، خالقِ کائنات کو اتنی پسند آئی کہ قیامت تک اس سنت کو زندہ رکھنا ضروری سمجھا گیا۔ اب ہر صورت میں حج کے مناسک میں اس کا التزام رکھا جاتا ہے۔ پھر عشق کے میدانِ رستاخیز میں خلیل اللہؑ کے ایمان کی پختگی اور فرزند سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ کی بے مثال اطاعت۔ چشمِ فلک نے تسلیم و رضا کا ایسا خوب صورت منظر کہیں اور نہ دیکھا ہوگا۔ راہِ خدا میں اپنی گردن پیش کرنے سے قبل حضرت اسماعیلؑ عرض کرتے ہیں: اے جانِ پسر! میری

Marfat.com

شہ رگ پر چھری چلانے سے قبل اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیں مبادا شفقتِ پدری کا فطری ولولہ بیدار ہو کر رضائے خداوندی کو مکدر بنا دے۔ جناب ابراہیمؑ کی آنکھوں سے بیٹے کی اس والہانہ خوئے دل نوازی پر آنسو بہنے لگتے ہیں۔

خدائے عزوجل اپنے محبوب بندوں کی ادائے دلبرانہ پر اتنا خوش ہوا کہ فوراً ذبحِ عظیم کی منظوری کا پروانہ یہ کہ کر عطا فرما دیا: لقد صدقت الرُیا، تحقیق تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ ان کشتگانِ خنجرِ تسلیم کا مقام رفعتِ آسمانی کو شرماتا رہے گا۔ میدانِ عرفات کے بیچوں بیچ اب کئی کشادہ اور خوبصورت سڑکیں پہاڑوں کو کاٹ کر بنائی گئی ہیں۔ سڑکوں کے دونوں کناروں پر اب چھوٹے چھوٹے پودے اور کئی سایہ دار درخت نظر آتے ہیں۔ اقبال کہنے لگا: یہ قابلِ قدر کاوش صدر ضیا الحق مرحوم نے انجام دی جو اس سرزمین کے ساتھ اس کی عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہم گاڑی میں خراماں خراماں چل رہے تھے۔ چند ثانیوں کے بعد ہم مسجد نمرہ پہنچ گئے۔ مسجد نمرہ ہر برس خطبہ حج کی یاد دلاتی ہے۔ یہیں پہ امام صاحب کھڑے ہو کر دنیا بھر کے لاکھوں پرستارانِ توحید کے سامنے خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ امام صاحب اگرچہ بینائی سے محروم ہیں مگر ان کا حافظہ اور ذہانت دونوں اعجازِ خداوندی کا پرتو ہیں۔ ایسی عدیم النظیر سلاست، فصاحت و بلاغت موجودہ دور میں عنقا نظر آتی ہے۔ وہ ملتِ اسلامیہ اور مغرب والوں کے تعلقات پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کے لیے کمال دلائل و براہین سے پند و نصائح کرتے ہیں۔ ان کی دعا کا گداز پتھروں کا جگر چاک کر کے رکھ دیتا ہے اور ریگ زارِ عرب سے بھی آنسو بہ نکلتے ہیں۔ یہاں سے ہم سیدھے جبلِ رحمت پہ چلے گئے۔ اسے دور سے دیکھتے ہی انسان قرونِ اولیٰ کے دور میں پہنچ جاتا ہے۔ بعض چیزوں

Marfat.com

کی حیثیت بظاہر سنگ وخشت سے زیادہ نظر نہیں آتی مگر دامنِ نبوت اور نقشِ کفِ پائے مصطفیٰ ﷺ ان میں وہ عظمت پیدا کر دیتے ہیں جس کے سامنے اوجِ کائنات سرنگوں نظر آتا ہے۔ یہی حال جبلِ رحمت کا بھی ہے۔ گاڑی پارک کرنے کے بعد ہم اس عظیم المرتبت پہاڑ کے قریب پہنچ گئے جسے آقا ﷺ کے نقشِ پا چھونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اسی جگہ پہ آدم وحوا کی ملاقات ہوئی تھی اور توبہ قبول ہوئی۔ میں نیچے کھڑے ہو کر اس کے ارتفاع کا جائزہ لینے لگا۔ اہلیہ کا اصرار تھا کہ اوپر جایا جائے۔ اقبال بھی اوپر جانے پر مُصر تھا۔ ہم پہاڑ میں بنی ہوئی پگڈنڈیوں میں سے ہوتے بالآخر اس جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جو عظمتوں کا مسکن اور رفعتوں کا امین ہے۔ اوپر ایک لمبا سا پتھر سیدھا کھڑا تھا۔ اقبال کہنے لگا: سر! روایات کے مطابق حضور ﷺ اسی جگہ کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے فرطِ عقیدت سے پتھر کو دونوں ہاتھ لگائے اور آنکھوں پر پھیرا اور پھر ہاتھ لگا کر پورے جسم پر پھیرے۔

اس عقیدت کو جو لوگ شرک سمجھتے ہیں ان کا مکتبِ فکر انھیں مبارک، اگر عشق کی آنکھیں ہوتیں تو آتشِ نمرود اور میدانِ کربلا کا معرکہ بپا نہ ہوتا۔ نسبت بڑی چیز ہوتی ہے اینٹ اگر نالی میں لگی ہو تو زمانے کی ٹھوکر پر ہوتی ہے اوپر سے غلاظتیں بہتی ہیں لیکن اینٹ مسجد کے صحن کی زینت بن جائے تو قابلِ تکریم بن جاتی ہے۔ پتھر اگر گزرگاہ پر پڑا رہے تو مسافر اس سے بے نیاز گزر جاتے ہیں لیکن وہ پتھر اگر بوسہ گاہِ مصطفیٰ ﷺ بن جائے تو عقیدتوں کا مرکز بن جاتا ہے۔ میں جبلِ رحمت پہ کھڑا ہو کر رسول اللہ ﷺ کے قدموں کی چاپ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ اتنے میں ایک فوٹو گرافر سامنے آ گیا۔ ایسے مقامات پر سینکڑوں فوٹو گرافر ڈیجیٹل کیمروں کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ لوگ یادگار کے طور پر قیمت سے بے نیاز فوٹو بنواتے ہیں۔ اقبال کہنے لگا: سر! آپ یہاں فوٹو ضرور بنوائیں تا کہ

Marfat.com

سفر نامہ مرتب کرتے وقت کام آئے۔ چنانچہ روایتی عربی چغہ پہن کر ایک تصویر بھی بنوائی۔ جبلِ رحمت سے اترتے وقت میں اس کے اردگرد کے پتھروں کو بصد حسرت وارمان دیکھتا رہا کہ کوئی پتھر تو ایسا ہوگا جسے نشستِ مصطفیٰ ﷺ بننے کا شرف حاصل ہوا ہوگا۔

میں دیر تک ان پتھروں پر ہاتھ پھیر کر چہرے پر ملتا رہا کہ اللہ ربّ العزت ان پتھروں میں سے کسی کو زبان عطا فرمائے اور وہ پکار کر دل فریبیِ نقشِ کفِ پائے حضور ﷺ کا پتہ بتادے۔ اقبال کو چوں کہ سہ پہر اپنے کام کی غرض سے جدہ واپس جانا تھا اس لیے ہم وہاں سے ''جلوہ ہائے جمال'' کی فراوانیاں سمیٹنے کے بعد سیدھے سرکارِ دوعالم ﷺ کے قلبِ مبارک کی دھڑکنوں کے امین آپ ﷺ کے افکارِ مبارک کی رفعتوں کے مامن ومسکن جسے تاریخ عرفِ عام میں غارِ حرا کے نام سے یاد کرتی ہے کی زیارت کی طرف چل دیے۔ لیکن میں مڑ مڑ کر اس مرکزِ تجلیات کی طرف ضرور دیکھتا رہا اور اس کی تابانیت کو قلب ونظر میں سموتا رہا۔ ع ...... یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

غارِ حرا آج کل مکہ شہر سے مکمل طور پر ہم آغوش ہو چکا ہے۔ یہ آشنائے نعلینِ مصطفیٰ ﷺ غار حضور ﷺ کی جائے پیدائش سے تقریباً چھے سات کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں پہنچ کر میں اس کی بلندی پر غور کرنے لگا۔ اقبال کہنے لگا: سر! اگر آپ ہمت پاتے ہیں تو آئیں اوپر چل کر تدبر وفکر گاہِ رسول ﷺ کی زیارت کرتے ہیں۔ اس کی رفعت دیکھ کر میرا پسینا چھوٹ گیا۔ میں نے کہا: اقبال! کیا بات کرتے ہو اگرچہ کچھ دیوانگانِ شوق وہاں ضرور پہنچ جاتے ہیں اور وہاں نشست گاہِ نبوت کی زیارت کرتے ہیں مگر مجھ ایسے ناتواں اور جگر کی بیماری کے باعث ضعف واضمحلال کے شکار انسان میں اتنی تاب وتواں کہاں۔ میں تو نیچے کھڑا ہو کر حسرت وپشیمانی کے آنسو بہا سکتا ہوں۔ یہ محض طاقت وشوکتِ رسالت تھی جو

Marfat.com

تخلیقِ کائنات اور اس کے مبادیات پر غور کے لیے صرف پانی اور ستو سے اپنی روح کو بالیدگی بھی دیتی اور وہاں قیام کا حوصلہ بھی عطا کرتی۔

جب ذہن سب بلندیاں تسخیر کر چکا
غارِ حرا پہ رفعتِ افکار رُک گئی

میں دل ہی دل میں اپنے اللہ سے یہ دعا مانگنے لگا کہ اے شہنشاہِ ارض وسما! اپنے اس علیل و مضمحل بندے کے کالبدِ خاکی کو وہ پرِ پرواز عطا کر اور اس کے عشق کو وہ جولانی بخش کہ یہ ایک ہی جست میں یہاں سے وہاں تک کی بے کرانیوں کو عبور کرتا ہوا آقا علیہ السلام کی اس نشست گاہ کی زیارت کر سکے جہاں سے غور و فکر کے بعد ایسا زمزمۂ توحید بلند ہوا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے کائناتِ عالم کو مسحور و مسخر کر دیا۔

اے غارِ حرا! اے ارتفاعِ ذکرِ خدا و مصطفیٰ علیہ السلام! اے آمنہؓ کے دُرِ یتیم کے فکر کی جولاں گاہ! اے حضور علیہ السلام کے نعلین کی عظمتوں کے اولین آشنا! اے خیالاتِ نبوت کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے والی حرم سرا! اے سرچشمۂ آبِ بقا! اے دنیا کے سب سے عظیم انسان کے اندازِ خرام کا مشاہدہ کرنے والے! اے اللہ کے محبوب کو بعثت سے پہلے اپنی آغوش میں لے کر اس کی خوئے جستجو کو اپنی بلندیوں کا جزو بنا لینے والے! اے حضور علیہ السلام کی خوراک کے حوالے سے دنیا بھر کے غربا و مساکین کو پانی اور ستو کی لذت سے آشنا کرنے والے! اے غارِ حرا! تو نے امانتِ خداوندی سے اور اس نے تجھ سے ایسی محبت کی جس سے اہلِ نظر و دل کو ایسی تابانی ملتی رہے گی تاریخ جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اے غارِ حرا! سلسلۂ جبال میں تیرا نام نسلِ انسانی تادیر احترام و احتشام سے لیتی رہے گی۔

ہم نے نیچے سے ہی اس چوٹی کو سلام عرض کیا جو دینِ اسلام کی شوکت کا نقطۂ آغاز ہے۔

Marfat.com

میری اپنی ایک نعت کا شعر ہے۔

پھوٹی تھی جس سے دیں کی تفاخر یہ روشنی
تابندہ تر ہے آج بھی وہ غارِ مصطفےٰ

اقبال ہمیں ظہر کے وقت حرم شریف چھوڑ کر واپس جدہ چلے گئے اور ساتھ یہ وعدہ بھی لیا کہ سفر کے اختتام پر پاکستان جاتے ہوئے ایک رات جدہ میں گزاری جائے گی۔ اسی شام نمازِ مغرب کے بعد ایک اور عمرے کا پروگرام بن گیا۔ اہلیہ کہنے لگی: اپنے مرحوم والدین کی طرف سے عمرہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ میں پہلے ہی آمادہ طوافِ پیکار بنا بیٹھا تھا۔ مغرب کے فوراً بعد ہم بس میں سوار ہو کر سیدھے مسجد عائشہ چلے گئے۔ نرالا بانکپن رکھنے والی یہ انتہائی خوب صورت مسجد مکہ شہر سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ مسجد حضور ﷺ کی محبوب زوجہ محترمہ محسنہ مخدراتِ اسلام سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ کے نام سے موسوم ہے۔ جو لوگ پہلی مرتبہ عمرہ ادا کرنے کے بعد یہاں قیام کرتے ہوئے دوسری مرتبہ یہ سعادت حاصل کرنا چاہتے ہوں ان کے لیے لازم ہے کہ وہ پہلے احرام باندھنے کی غرض سے مسجدِ عائشہ جائیں اور پھر تلبیہ پڑھتے ہوئے حرم شریف میں داخل ہوں۔ یہاں پہنچ کر ہم نے غسل کیا اور دو رکعت نماز نفل ادا کیے اور ٹیکسی میں بیٹھ کر حرم شریف آ گئے۔ وہی رونقِ بزمِ توحید، وہی طواف کی جذباتی و روح پرور فضا، وہی غلغلۂ توحید کی بلندیاں، وہی زم زم سے پیاس بجھاتے لاکھوں تشنہ لب، وہی سفید لباس میں سعی و طواف کرنے والوں کی ملکوتی فضا، وہی اللہ کی کبریائی کا وجدانی اظہار، وہی زمزمہ ہائے طرب وانبساط، وہی ملتزم کے ساتھ چمٹے ہوئے عاصیوں کی آنکھوں میں اشک ہائے پشیماں کی برسات، اس کے جواب میں آسمان سے رحمتِ حق کی عنایات اور وہی مضطرب ہونٹوں کو طمانیت کے جام پلائے جا رہے ہیں۔

Marfat.com

کہیں، کہیں نہ مجھے دیکھ کر عدو محتاج
یہ اس کا بندہ ہے جس کو کریم کہتے ہیں

بیت اللہ شریف کی فیوض و برکات میں ایک نظارہ اُمتِ مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کا بھی ہے۔ وہ تنگ نظر، متعصب اور سطح بیں لوگ جو اپنے اپنے وطن میں نفرت کی چنگاریاں سلگا کر ایک دوسرے کی طرف خشمگیں اور قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہیں اور معمولی فروعی اختلافات پر مغلوب الغضب ہو کر ایک دوسرے کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ایک قرآن، ایک خدا اور ایک رسول علیہ السلام کی محبت اور متابعت کے دعوے کے باوجود اپنا اپنا الگ دین تراش کر فتویٰ گری کا بازار گرم کرتے ہیں۔ وہی لوگ حرم پاک میں بلا امتیاز ایک دوسرے کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر خدائے واحد کے حضور سر بسجود نظر آتے ہیں۔ بریلوی، دیوبندی، اہل تشیع، اہلِ حدیث سب ایک ہی صف میں ایستادہ اللہ کی کبریائی کا اظہار کرتے ہیں۔ کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر ناف پر بندھوائے یا سینے پر لے جائے یا ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے پر اعتراض کرے۔ مقصد صرف اپنے خالق و مالک کو راضی کرنا ہے۔ اے کاش! یہی دلپذیر جذبۂ انسیت حدودِ کعبہ سے نکل کر بھی دل و دماغ میں اسی طرح چھایا رہے تو کیوں نہ یہ خطۂ ارضی جنت کا گہوارہ بن جائے۔۔۔ مگر افسوس ہم اپنے جیب و گریباں کی دھجیوں کا تماشا اہلِ مغرب کو دکھا کر اپنے قتل کے لیے خود تیغِ براں ان کے ہاتھ میں تھما رہے ہیں۔

بہر حال دوسرے عمرے کی سعادت حاصل کرنے کے بعد رات کا کھانا کھایا، ہوٹل دارالشریعہ واپس پہنچ کر بستر پر دراز ہوا ہی تھا کہ ابا جان کے ایک عزیز دوست اور بھائی بریگیڈیر محمد سرفراز صاحب (سابق ڈائریکٹر بیت المال پاکستان) کے صاحب زادے

Marfat.com

ڈاکٹر علی فراز صاحب کا فون آ گیا۔ بریگیڈیر صاحب گاؤں میں برادری تعلق کے علاوہ ہمارے ہمسائے بھی تھے۔ ان کی والدہ محترمہ مغفورہ ابا جان کو اپنا بیٹا کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھیں۔ بریگیڈیر صاحب پابندِ صوم وصلوٰۃ اور اعلیٰ عہدوں پر متمکن رہنے کے باوجود منکسر المزاج اور انتہائی دیانت دار انسان ہیں۔ وہ کم وبیش پانچ سال تک بیت المال پاکستان کے ڈائریکٹر رہے مگر ایک روپیہ ناجائز نہ اپنی ذات پر خرچ کیا اور نہ کسی اہل کار کو اس امانت میں خیانت کی اجازت دی۔ انھوں نے ایسے شان دار طریقے سے یہ نظام چلایا کہ جب سیاسی مداخلت کی وجہ سے انھیں یہ عہدہ چھوڑنا پڑا تو اس میں بائیس ارب روپے کی خطیر رقم موجود تھی حالاں کہ انھوں نے جب یہ عہدہ سنبھالا تو اس وقت اس میں صرف آٹھ ارب روپیہ موجود تھا۔ آج کل وہ اسلام آباد میں اسلامک ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے پریذیڈنٹ کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر علی فراز صاحب اپنے قبلہ والد صاحب کی ہو بہو تصویر ہیں۔

وہی عاجزی، وہی ارکانِ اسلام کی بجا آوری، وہی جذبۂ خدا پرستی۔ ڈاکٹر صاحب تقریباً ڈیڑھ سال سے کنگ عبدالعزیز ہسپتال مکہ شریف میں پیتھالوجسٹ کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پاکستانی روپے کے حساب سے تین لاکھ روپے تنخواہ پاتے ہیں۔ انھیں بریگیڈیر صاحب نے یہاں ہماری آمد سے مطلع کر دیا تھا۔ انھوں نے فون پر بتایا کہ میں کل بتاریخ 17 فروری نماز جمعہ کے بعد گاڑی لے آؤں گا اور دیگر زیارتوں سے مشرف ہوں گے۔ چونکہ میں بھی ابھی غارِ ثور اور جنت المعلیٰ وغیرہ نہیں دیکھ سکا تھا اس لیے ان کا فون ایک مژدۂ جاں فزا سے کم نہ تھا۔ ابھی تک ہمیں ایک دوسرے کی چہرہ شناسی نہیں تھی۔ صرف فون پر بات ہوئی تھی جس سے اپنائیت ابھر رہی تھی۔ نماز جمعہ کے فوراً بعد وہ حرم

Marfat.com

شریف میں موجود تھے لیکن ملاقات میں دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ نماز جمعہ کے موقع پر انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آ رہا تھا جو سمندر کے جوار بھاٹے کی طرح کبھی نشیب کی صورت اختیار کرتا کبھی فراز کی۔ تا حدِ نگاہ سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ ایسے عالم میں کسی انجانے دوست کو تلاش کرنا کارے دارد ہوتا ہے البتہ موبائل نے یہ مشکل آسان بنادی ہے۔

میں نے بابِ عبدالعزیز کے قریب کھڑے ہو کر موبائل کے ذریعے رابطے کی کوشش کی تو انھیں بالکل قریب کھڑے پایا۔ چند ثانیوں کے بعد ایک وجیہ وجمیل باریش نوجوان کو اپنے سامنے پایا۔ خدوخال کے اعتبار سے وہ خوب رُو مگر لباس وانداز گفتار وخرام میں بہت سادہ اور صاحبِ انکسار۔ باتوں میں گلوں کی خوشبو محسوس ہوئی۔ اس شفیقانہ انداز سے بغل گیر ہوئے جیسے مدتوں سے آشنائی ہو۔ اللہ کی وحدانیت پر زبردست اعتقاد اور حضور ﷺ کی سنت کی پیروی کرنے والے راسخ العقیدہ انسان ہیں۔ گفتگو کے آغاز میں ہی کہنے لگے: آج دنیا بھر میں اُمتِ مسلمہ کی زبوں حالی کی سب سے بڑی وجہ نظریہ توحید سے بغاوت ہے۔ ہم نے اپنی تمام تر توقعات آج بھی پتھروں کی بے جان مورتیوں سے وابستہ کر رکھی ہیں اور ہمارے سر اغیار کی چوکھٹ پر جھکے ہوئے ہیں۔ اس موضوع پر انھوں نے بڑی جامع گفتگو کی۔ مجھے محسوس ہوا کہ ڈاکٹر صاحب مسلمانوں کے عروج وزوال کے اسباب پر تاریخی اعتبار سے گہرا ادراک رکھنے والے بڑے ذہین نوجوان ہیں اور اس موضوع پر مطالعہ ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکا ہے۔ ہم حرم شریف سے نکل کر انڈر گراؤنڈ بس سٹاپ کے قریب کھڑے ہو گئے۔ دس منٹ بعد ڈاکٹر علی پارکنگ کی جگہ سے گاڑی لے کر آ گئے۔ تھوڑا سا آگے گئے تو ایک چوک کے درمیان ایک بڑا گڑھا سا دیکھا۔ ڈاکٹر علی نے یہاں گاڑی آہستہ کی اور اس گڑھے کی طرف اشارا کر کے کہنے لگے کہ سینہ بہ سینہ گزٹ کے مطابق یہ وہ بدقسمت

Marfat.com

مقام ہے جہاں دورِ جاہلیت میں مشرکینِ مکہ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کیا کرتے تھے۔ یہ جگہ دیکھ کر میرے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ اُف میرے اللہ! عورت تو عالمِ انسانیت کے ماتھے کا جھومر ہوا کرتی ہے۔ یہ معاشرے کا ایسا جزوِ لاینفک ہے جس کے بغیر اس کائناتِ رنگ و بو میں مسرت و انبساط کا تصور ہی نہیں پایا جا سکتا۔ یہ جفا کیش اور پیکرانِ جبر و استبداد ان حسین وحساس نازک آبگینوں کو آنکھ کھولتے ہی زمیں برد کر دیا کرتے تھے اور ان غنچوں کو دستِ جفا سے مسل دیا کرتے جن کی خوشبو گھر کی چہار دیواری کو معطر کر دیا کرتی ہے۔ جن کی وجہ سے ''حیا'' کا لفظ تخلیق ہوا۔ جس کی عظمت کے باعث لفاظ ''آبرو'' کو تقدیس ملی۔ جو اگر اس نظامِ کائنات کی زینت نہ بنتی تو لفظ ''ردا'' کے بانکپن اور نزاکتوں سے آگاہی نہ ہوتی جس کے دم قدم سے لفظ ''حجاب'' کو زندگی، لقاب کو رخشندگی اور شباب کو حلاوتِ بندگی عطا ہوئی۔ جس کے اندازِ خرام سے آبشاروں کے بہاو کو تسلسل عطا ہوا۔ بے رحم اور جاہل و ظالم اور سفاک لوگ اس نفیس و لطیف مخلوق کو زیرِ زمین دبا کر ان کے سینوں میں اس لیے نوکِ سناں گاڑ دیتے کہ کوئی ان کا داماد نہ بنے۔ گلاب و چنبیلی کا یہ پیرہن مشرکینِ مکہ دستِ جفا کیش سے تار تار کر کے اس کی دھجیاں فضائے بسیط میں بکھیر دیتے اور اس مکروہ اور قبیح ''کارنامے'' پر فخر و مباہات کا اظہار کرتے۔ ع مرا اے کاشکہ مادر نہ زادے

رحمتہ اللعالمین ﷺ نے تشریف لا کر جہاں دیگر مخلوقات کو عزّ و شرف بخشا وہاں انسان کی اس بارونق رفیقۂ حیات کو بھی وقار و تمکنت عطا کی۔ اس کے بچپن کو سلیقۂ تربیت، شباب کو اندازِ تحریمِ محبت اور بڑھاپے کو اولاد کے لیے گل کدۂ آتشِ الفت بنا دیا۔ اہلِ سیَر تحریر کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا۔ عرض کیا: آقا ﷺ! دورِ جاہلیت کی میری ساری زندگی گناہوں سے بھری ہوئی ہے۔ اپنی اس جاہلانہ زندگی کا ہر لمحہ خطا کاری

Marfat.com

میں گزارا۔ میری ہر سانس سے بوئے خطا آتی ہے۔۔۔ مگر ایک واقعہ ایسا ہے جو آج بھی مجھے تڑپا کر رکھ دیتا ہے۔ میرا کلیجہ شق اور جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: مجھے بھی وہ واقعہ سناؤ، شاید تمھارے لیے مغفرت کی کوئی صورت نکل آئے۔

صحابی عرض کرتے ہیں: آقا ﷺ! میرے گھر لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کی رحم دل ماں مجھ سے چھپا کر اس کی پرورش کرتی رہی۔ جب وہ چھ سات برس کی ہوئی تو ایک دن انجانے میں میری بیوی اسے گھر لے آئی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کچھ تامل کے بعد بیوی نے کہا: تمھاری بیٹی ہے۔ میں مغلوب الغضب ہو گیا۔ بیوی کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ بیٹی کو ساتھ لیا۔ بیوی پاؤں پکڑ کر رحم کی التجا کرتی رہی مگر میری شقاوت قلبی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ میں نے اس آبگینۂ الفت (بیٹی) کو ساتھ لیا۔ کدال ہاتھ میں پکڑا اور باہر چلا آیا۔ بیٹی نے بار بار پوچھا ابا جان کہاں جا رہے ہو۔۔۔ میں نے کچھ جواب نہ دیا۔ میری بصیرت و بصارت پر شیاطین نے تسلط جما لیا تھا۔ میں نے جنگل میں جا کر گڑھا کھودا۔ جب وہ گردن تک گہرا ہو گیا تو اپنی خوب رو لختِ جگر کو اپنے ہاتھوں سے گڑھے میں کھڑا کر کے اوپر مٹی ڈالنا شروع کر دی۔

بیٹی کی التجا نظامِ ارضی و سماوی کو ہلا رہی تھی مگر میں اس قدر طاغوتی طاقتوں کے نرغے میں تھا کہ انھوں نے مجھ سے رحم کا تصور تک چھین لیا تھا۔ اے رحمتِ دو جہاں ﷺ! اس بچی کی دلدوز چیخیں آج بھی میری قوتِ سماعت سے ٹکرا رہی ہیں۔ کیا نجات کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟ جوں جوں وہ صحابی نیلگوں آکاش کے سینے میں شگاف ڈال دینے والی داستان سناتے جاتے تھے، حضور ﷺ کی آنکھوں سے آبشار کے بہاؤ کی طرح آنسو رواں تھے۔ حضور ﷺ کا دامنِ رحمت و شفقت آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: اے صحابی! کثرت سے استغفار کیا کرو۔ تم نے اپنی شقاوت کی داستان سے

Marfat.com

مجھے بھی ہلا کر رکھ دیا ہے۔

میں اس نامراد گڑھے کو دیکھ کر مغموم سا ہو گیا۔ڈاکٹر علی کہنے لگے: ہم اکثر یہاں سے گاڑی بھگا کر لے جاتے ہیں کیوں کہ تاریخی حوالے سے اس کے تعفن سے دل و دماغ مکدّر ہونے لگتے ہیں۔ میں اس اذیت ناک ماحول کو یاد کرتا رہا۔گاڑی آگے بڑھتی گئی۔مکہ سے کوئی نو دس کلومیٹر کے فاصلے پر حدیبیہ کا مقام آتا ہے۔ڈاکٹر علی نے اس جگہ کی طرف اشارا کیا تو ذہن قرونِ اولیٰ کی طرف لوٹ گیا۔ مجھے وہ تاریخی معاہدہ یاد آ گیا جب مشرکینِ مکہ اور جاں نثارانِ محمد عربی ﷺ کے درمیان معاہدہ تحریر کیا جا رہا تھا۔اس معاہدے کی تمام تر جزئیات خود اقلیمِ فراست کے بے مثال تاج دار حضور سید دو عالم ﷺ نے اپنی نگرانی میں طے کروائیں۔فدائے نعلین رسالت سیدنا عمر فاروقؓ کو چند امور پر تحفظات تھے کہ اس سے کفارِ مکہ کا مسلمانوں پر غلبہ متصور ہوتا ہے۔عرض کیا آقا! کیا ہم اتنے کمزور ہیں؟ ارشادِ نبوت ہوتا ہے: عمر! ایک وقت آئے گا کہ یہی معاہدہ ہمارے دشمنوں کے پاؤں کی زنجیر ثابت ہوگا۔مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں۔فقر و حمیت کے شہنشاہ سیدنا علیؓ معاہدہ تحریر فرما رہے ہیں۔معاہدہ تحریر کر چکے تو نیچے آپ ﷺ نے محمد رسول اللہ لکھا۔عمرو بن سہیل نے جھٹ اعتراض جڑ دیا کہ اگر ہم آپ ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیں تو پھر ہمارے درمیان کیا تنازعہ باقی رہ جاتا ہے۔اسی بات پر تو ہم طوفان بپا کیے ہوئے ہیں۔حضور سید دو عالم ﷺ نے پھر حکیمانہ انداز اختیار فرمایا۔سیدنا علیؓ کو حکم دیا: محمد رسول اللہ کاٹ دیں اور مجرد محمد بن عبداللہ لکھیں۔اپنے آقا ﷺ کے ابرو کے ایک اشارے پر جسم و جاں کا نذرانہ پیش کر دینے والے سیدنا علیؓ زندگی میں پہلی مرتبہ بے چین ہوتے ہیں اور ایسا کرنے سے صریح انکار کرتے ہیں۔ایسا کرتے بھی کیوں کہ یہ عشق کے معاملات ہیں جن کی نزاکت کو

Marfat.com

سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ مضطربانہ عرض کرتے ہیں: حضور ﷺ! میں اپنے ہاتھ سے اقرارِ رسالت کے لفظ کو کیسے کاٹ دوں جو ذوالفقارِ خداوندی سے اثاثۂ نبوت کی حفاظت کرتا ہے۔

حضور ﷺ کو علیؓ کے اس جذبۂ محبت پر رشک آ گیا۔ آپ ﷺ نے قلم، علیؓ کے ہاتھ سے لے کر خود محمد رسول اللہ کاٹ کر محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب دستِ نبوت نے اپنے ہاتھ میں قلم لیا تھا ورنہ دنیا کو فہم و ذکا کی دولت سے بہرہ یاب کرنے والے تاج دارِ شعور ﷺ کو قلم و قرطاس سے کیا واسطہ! اسی مقام پر ببول کے درخت کے نیچے بیعتِ رضوان ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے دل کے سب سے بڑے تونگر سیدنا عثمانؓ کو سفیر بنا کر مکہ والوں کے پاس بھیجا کہ انھیں کہیں کہ ہم عمرہ کرنے کے بعد واپس لوٹ جائیں گے۔ کفار نے سیدنا عثمان کو روک لیا اور افواہ اڑا دی کہ عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ سخت رنجیدہ ہوئے۔ جبینِ نبوت پہ شدید غصے سے بل پڑنے لگے۔ فوراً جاں نثاروں کو طلب کیا فرمایا: عثمان کا قصاص فرض ہو گیا ہے۔ ہم اس کے خون کے لیے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔ یہ تھی دینِ حق کے لیے اپنی دولت پانی کی طرح بہا دینے والے سیدنا عثمان کے ساتھ حضور ﷺ کی محبت کا عالم۔

ببول کے درخت کے نیچے جب بیعت ہو رہی تھی تو اللہ رب العزت کو بیعت کرنے والے عشاق کا یہ اندازِ فداکاری اتنا پسند آیا کہ قرآن میں اپنی رضا کا پروانہ یوں عطا فرمایا۔ لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبایعونک تحت الشجرۃ ○ تحقیق اللہ مومنوں پر اس وقت بڑا راضی تھا جب وہ درخت کے نیچے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے"۔

Marfat.com

رضائے الٰہی کی اس واضح سند کے بعد بھی اگر کوئی حضور علیہ السلام کے رفقا پر زبانِ طعن دراز کرتا ہے تو اس کی مرضی ......ع...... بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی؟ میں اور ڈاکٹر علی اس تاریخی مقام کے حوالے سے کافی عرصہ تک گفتگو کرتے رہے۔ مجھے چوں کہ غارِ ثور کی زیارت کا بھی بہت اشتیاق تھا اس لیے میں نے زیرِ لب اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔ میرے الفاظ ڈاکٹر علی کی قوتِ سماعت سے ٹکرائے تو کہنے لگے: ابھی چلتے ہیں، تھوڑی ہی دیر میں ہم غارِ ثور کے قریب پہنچ گئے۔ ڈاکٹر علی کہنے لگے: ثور عربی زبان میں بیل کو کہتے ہیں۔ پھر مجھے کہنے لگے: ذرا غارِ ثور کی ہیت کو غور سے دیکھو یہ بیل نما نظر آئے گا۔ میں نے بنظرِ عمیق دیکھا تو بالکل ایسا ہی لگا۔ ڈاکٹر علی نے کہا کہ آج سے دو تین برس قبل اس کے اوپر چڑھنے کی اجازت تھی مگر آج کل اس کے گرداگرد لوہے کا تار لگا دیا گیا ہے۔ اب صاحبانِ بصیرت دور سے ہی زیارت کرتے ہیں۔ میں ایک بار پھر چشمِ تخیل میں تاریخ کے اس دور میں پہنچ گیا جب سردارانِ قریش نے آمنہ کے دُرِ یتیم کی (العیاذ باللہ) شمعِ حیات گل کرنے کا فیصلہ کیا۔ بھلا اس شمعِ رسالت کو کون بجھا سکتا تھا جس کی حفاظت خود خالقِ ارض و سما کر رہا ہو۔ حضور علیہ السلام کو ان نمرودانِ وقت کے ناپاک ارادوں کی خبر خود اللہ رب العزت دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کنایۃً اپنے رفیقِ خاص سیدنا صدیق اکبرؓ کو مطلع فرماتے ہیں کہ تیار رہو ہجرت کا وقت آ گیا ہے۔ ہجرت کی رات سالارِ فقر و نظر سیدنا علیؓ کو حکم ہوتا ہے: اے علی! آج رات تم بسترِ نبوت پر گزارو گے۔ یہ لوگ تمھارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ اس رات بسترِ نبوت پر دراز ہونا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ایک طرف دستِ جبر و استبداد میں کھنکتی تیغِ برّاں اور دوسری جانب فرمانِ رسالت؛ ظاہر ہے جرأت و شجاعت کا کوہِ گراں علیؓ ان لپکتے پھنکارتے خطرات کو کیسے خاطر میں لا سکتا

Marfat.com

تھا۔ آپؐ پوری طمانیت سے بسترِ نبوت پر دراز ہو کر بے خطر خراٹے لینے لگتے ہیں۔

حضور علیہ السلام خود آستانۂ نبوت سے نکلتے ہیں، اور تلواریں سونت کر حملے کی نیت سے آنے والے کفار کے درمیان پہنچ کر زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھا کر ان کی جانب پھینکتے ہیں جس کے اثر سے ان کی بصارت اُچک لی گئی۔۔۔ سورۃ یٰسین میں ارشاد ہوتا، "ہم نے ان کے سامنے، آگے پیچھے ایک دیوار کھڑی کر دی جس کی وجہ سے وہ دیکھ نہیں سکتے"۔

آپ علیہ السلام سیدھا اپنے رفیقِ خاص سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ ابو بکر صدیقؓ تیار بیٹھے ہیں۔ مدینے شریف رخ کرنے کے بجائے آپ علیہ السلام غارِ ثور کی طرف چلے جاتے ہیں۔ یہاں بھی بصیرتِ مصطفوی اپنے کمال کو پہنچی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آپ علیہ السلام نے کفارِ مکہ کے ساتھ وہی طریقہ اختیار کیا جس کے وہ مستحق تھے۔ ابو بکر صدیقؓ کو اپنے ساتھ لے کر آپ علیہ السلام غارِ ثور کے قریب پہنچے۔ اوپر چڑھتے وقت رفیقِ نبوت نے آقا علیہ السلام کو چڑھائی کے وقت تکلیف میں دیکھا تو اس مزاج شناسِ نبوت سے آقا علیہ السلام کی یہ مشقت دیکھی نہ گئی۔ عرض کیا آقا! اجازت ہو تو کندھوں پر اٹھالوں۔ حضور علیہ السلام اجازت مرحمت فرماتے ہیں۔ ہجرت کی اندھیری رات اپنی آنکھوں سے عجیب نظارا دیکھتی ہے۔ شانۂ صداقت پہ تاج دارِ عرب و عجم تشریف فرما ہیں۔ ابو بکرؓ کو اپنی قسمت پہ رشک آ جاتا ہے۔ عرض کرتے ہیں حضور! دوشِ ابو بکرؓ پہ نبوت کے نظاروں کو دیکھوں تو پوری کائنات رقصاں نظر آتی ہے۔۔۔ بارِ نبوت کو اٹھانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ روزِ ازل سے یہ سعادت ابو بکرؓ کے کندھوں کو ارزانی کر دی گئی تھی۔

ابو بکرؓ حضور علیہ السلام کو اٹھا کر غار کی چوٹی پر پہنچ جاتے ہیں۔ اندر تنگ دہانہ نما جگہ ہے۔ حضور علیہ السلام کو باہر بٹھا کر رفیقِ رسالت اندر جا کر تمام غار کی صفائی کرتے ہیں۔ تمام سوراخوں کو بند کرتے ہیں مبادا کسی سوراخ سے نبوت کے تنِ نازک کو کوئی کیڑا مکوڑا ڈس

Marfat.com

لے۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری اپنی معروف کتاب ''تجلیاتِ نبوت'' میں فرماتے ہیں کہ غار میں ایک سوراخ بند نہیں ہو سکا تھا۔ وہاں ابوبکرؓ پاؤں کی ایڑی رکھ کر حضور ﷺ کا سرِ اقدس اپنی گود میں رکھ لیتے ہیں۔ حضور ﷺ استراحت فرما رہے ہیں۔ صدیقِ اکبرؓ کی آنکھیں آمنہ کے چاند کے رخِ زیبا کا نظارا کر رہی ہیں۔ حضور ﷺ کے جمالِ جہاں آرا سے صدیقِ اکبرؓ کی رگ رگ نزہت و انبساط حاصل کر رہی ہے۔ اچانک ایک سانپ نے ابوبکرؓ کی ایڑی پر ڈس لیا۔ درد کی شدت سے ابوبکرؓ بے چین ہو جاتے ہیں مگر اس خدشے کی بنیاد پر آپؓ کے جسم میں جنبش نہیں ہوتی کہ کہیں وجہِ تسکینِ کائنات کے آرام میں خلل نہ آ جائے مگر درد میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ابوبکرؓ کے گوشہ ہائے چشم سے آنسو نکل آتے ہیں۔ اشکِ صداقت رخسارِ نبوت پر پڑتے ہیں تو رحمۃ اللعالمین بیدار ہو جاتے ہیں۔ فرمایا: ابوبکر! آنکھوں میں نمی کیسی؟ عرض کیا آقا ﷺ! سانپ نے ڈس لیا ہے مگر آپ ﷺ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ حکیمِ کائنات، مسیحائے کائناتِ رنگ و بو سانپ کے ڈسنے کی جگہ پر اپنا لعابِ دہن لگا کر پوچھتے ہیں، صدیق! اب کیسے ہو؟ عرض کیا آقا! درد یوں کافور ہو گیا ہے جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔

اس اثنا میں چند کافران دو نفوسِ قدسیہ کو تلاش کرتے ہوئے غار کے دہانے پر پہنچ جاتے ہیں۔ ابوبکرؓ پھر مضطرب ہیں، حضور ﷺ فرماتے ہیں، کیسی بے چینی؟ عرض کیا، کفار کے قدموں کی چاپ سن رہا ہوں، ڈرتا ہوں کہ (العیاذ باللہ) کہیں چراغِ نبوت کو گل نہ کر دیں۔ آپ ﷺ پورے اطمینان سے ارشاد فرماتے ہیں، لا تحزن ان اللہ معنا ''غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے'' یاد رہے کہ ابوبکرؓ کا یہ اضطراب اور خدشہ اپنی ذات کے حوالے سے نہیں تھا، محض حضور ﷺ کے وجودِ مسعود کے لیے تھا۔ قرآن ابوبکرؓ کی اس رفاقت کو

Marfat.com

'ثانی اثنین اذ هما فی الغار' کے عظیم الشان الفاظ سے یاد کر رہا ہے۔

اے غارِ ثور! تو نے اپنے دامن میں تین دن تک دنیا کی عظیم ہستیوں کو سنبھالے رکھا اس نسبت سے تیرا مرتبہ پہاڑوں میں بلند تر نظر آتا ہے۔ آسمان کی بلندیاں قیامت تک تیری بزرگی پہ ناز کرتی رہیں گی۔ جن لوگوں کو غارِ ثور کے اوپر چڑھ کر اس غار کو دیکھنے کا موقع میسر آیا ہے ان کے تمام اندازے اس تصور کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں کہ صدیق اکبر امام الانبیاء ﷺ کو کندھوں پر اٹھا کر نجانے کس طرح یہاں پہنچ گئے۔ یہ محض عطائے الٰہی اور اعجازِ نبوت تھا۔ میرا ایمان یہ ہے کہ حضور سید دو عالم ﷺ کے اعزہ و رفقا میں سے جس کسی نے بھی کوئی مافوق البشر کارنامہ انجام دیا ہے وہ سراسر حضور ﷺ کی نسبت اور تعلقِ خاطر کا اعجاز تھا۔

میرے خیال میں اس باب میں دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ تمام تر قوت و حشمت اور شوکت و سطوت کا منبع حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ یہیں سے ابوبکرؓ سے لے کر حیدرِ کرّارؓ تک اور خالد بن ولیدؓ سے لے کر ابوعبیدہ بن الجراحؓ تک فیض حاصل کرتے رہے اور دارا و سکندر کے تخت و تاج کو ہوا میں اچھالتے رہے۔

بلالؓ و بوذرؓ و سلمانؓ جس کے ہیں موتی
جواہرات کی وہ کان ہے مدینے میں

ڈاکٹر علی مجھے کہنے لگے: پروفیسر صاحب! آپ تاریخی مقامات کی زیارت سعادت سمجھ کر کر رہے ہیں۔ آئیں ذرا آپ کو نازک مزاج شاہاں کا کلچر دکھاتا ہوں جن کے محلات میں کبھی شامِ غربت نے جنم نہیں لیا۔ وہ آہستہ آہستہ گاڑی چلاتے ہوئے میدانِ عرفات سے ملحق ایک پوش علاقے میں لے گئے۔ کہنے لگے: اس رہائشی علاقے کو ''اوالی'' کہا جاتا ہے۔ یہاں بدوؤں کی مفلوک الحالی سے بے نیاز عرب کے بڑے بڑے

Marfat.com

شیوخ رہائش پذیر ہیں۔ بلاشبہ ان صاحبانِ ثروت کی رہائش گاہوں کی طرزِ تعمیر اور زیب و آرائش کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان کے اس شاہانہ طرزِ تمدن کو دیکھ کر میں سوچنے لگا کہ کیا یہ وہی عرب ہیں حیا جن کا زیور، فقر جن کا لباس، ریگ زارِ عرب جن کا بچھونا، نانِ جویں جن کی توانائی اور شباب کا سرچشمہ، فصاحت و بلاغت جن کی چھڑی اور ہاتھ کی گھڑی، زہد و اتقا جن کا اوڑھنا اور شجاعت و بسالت جن کا طرۂ امتیاز تھی۔

جن امرا کے ہر کمرے میں اے سی نصب ہو، جن کی کھڑکیوں پر حریر و پرنیاں کے پردے لٹک رہے ہوں، سمور و قاقم و سنجاب جن کا بستر ہو، خوب رُو عورت جن کا مقصدِ حیات بن کر رہ گئی ہو، سرچشمۂ آبِ بقا زم زم کی فراوانی کے باوجود فرانس واٹلی کا تیار کردہ منرل واٹر جن کی تشنگی کا سامان بن چکا ہو، یہ قوم اسرائیل جیسے خطرناک و شاطر دشمن کا مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہے؟ وہ اسرائیل جس نے اپنے مستقبل میں توسیع پسندانہ اور استعماری نظریات کو سامنے رکھ کر عرب ریاستوں کو ہڑپ کرنے کا جو منصوبہ اور نقشہ تیار کر رکھا ہے اس میں (نعوذ باللہ) ہماری ارادتوں اور عقیدتوں کے مرکز مدینہ منورہ کو بھی شامل کر رکھا ہے۔ اسرائیل کی اس شاطرانہ حکمتِ عملی کا مجوزہ نقشہ مولانا مودودی نے کہیں سے حاصل کر کے تفہیم القرآن میں شامل کیا تھا۔

کیا اس ٹھاٹ باٹ سے زندگی بسر کرنے والے نازک اندام شیوخ کو یہودیوں کے ان قبیح عزائم کا ادراک ہے؟ اگر انھیں خبر ہے تو پھر انھوں نے ان ناپاک ارادوں سے نمٹنے کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟

کسی دور میں غیرت و حمیت ان کی سلطنت ہوا کرتی تھی؛ کسی کے سامنے دستِ طلب دراز کرنا تو درکنار یہ تصور بھی ذہن میں لانا اپنی توہین سمجھتے تھے؛ اقبال نے

Marfat.com

ان کے اسلاف کے بارے میں کیا خوب کہا ہے۔

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

خدانخواستہ (خاکم بدہن) موجودہ دور کا کوئی ابرہہ بیت اللہ شریف پر چڑھائی کا اعلان کر دے تو کیا نزاکتوں اور تکلفات میں پلی ہوئی قوم اس گستاخِ کبریا کا راستا روکنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟ ان عیش پرستوں نے اپنی ساری صلاحیتیں صرف قرونِ اولیٰ کی یادگاریں مٹانے پر کھپا دی ہیں۔ شرک کے خوف سے وابستگانِ دربارِ رسالت مآب ﷺ کی یادگاریں چن چن کر مٹا ڈالی ہیں۔ خود پسندی، پُرتعیش زندگی، متکبرانہ روش نے موجودہ عربوں کی زندگی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے۔ میں انھی خیالات میں گم تھا کہ ڈاکٹر علی تیزی سے گاڑی دوڑاتے ہوئے جنت المعلی جا پہنچے۔

گاڑی سے اتر کر ہم اس عظیم خطۂ خموشاں میں داخل ہو گئے جہاں آسودگانِ خاک کو آسمان بھی احترام سے جھک کر سلام کرتا ہے۔ ڈاکٹر علی مجھے جنت المعلی کے بیچوں بیچ بنی ایک تنگ سی سڑک سے گزار کر سیدھے آقائے نامدار حضور سرورِ کائنات کی پہلی زوجۂ محترمہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے مزارِ اقدس پر لے گئے۔ حضور ﷺ کی محبوب ترین زوجہ کی آخری آرام گاہ کی حالت ناگفتہ بہ تھی، وہ زمین کے بالکل ہموار کر دی گئی ہے صرف امتیازاً اس کے گرداگرد سفید چونے کی ایک لکیر کھینچ دی گئی ہے۔ محض روایات کے سہارے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آقا ﷺ کی دلنواز و دلرُبا اہلیہ کی آخری آرام گاہ ہے، کوئی کتبہ اور کوئی امتیازی علامت موجود نہیں ہے۔ میرا دل خون کے آنسو رویا کہ شرک کے خدشات کے پیشِ نظر اتنی محبوب ہستیوں کی قبروں پر سہاگہ پھیر دینا کہاں کی الوہیت پرستی ہے۔ کیا صفا اور مروہ

Marfat.com

کو محض اس لیے قرآن نے شعائر اللہ نہیں کہا کہ وہاں حضرت اسماعیل کی والدہ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زوجہ محترمہ دوڑی تھیں۔ وہ جگہ قیامت تک کے لیے یادگار بنادی گئی ہے مگر دنیائے اسلام کی وہ پہلی رفیع الشان عظیم المرتبت خاتون سیدہ خدیجہ یہیں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی تھیں۔ غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تو حضور ﷺ عالمِ تذبذب میں گھر تشریف لائے اور زملو لی زملو لی کہتے ہوئے چارپائی پر لیٹ گئے۔ اس بے پناہ بے قراری کے عالم میں حضور ﷺ کی اس جاں نثار وفادار اہلیہ نے آپ ﷺ کو تشفی دی کہ خدائے عزوجل آپ ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑے گا کیوں کہ آپ ﷺ برہنہ سر بیواؤں کے سر کی ردا اور یتیموں کا آسرا بن کر تشریف لائے ہیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں مجھے خدیجہ کی اس تسلی سے یوں قرار آ گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ سیدہ خدیجہ کے پاس چوں کہ اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی کافی دولت وثروت موجود تھی اس لیے اسلام لانے کے بعد اور حلقۂ زلفِ والیل میں آنے کے بعد وہ ساری دولت اسلام کی اشاعت میں صرف ہوئی چنانچہ اگر میں سیدہ خدیجہ کو ذاتِ گرامی کو اسلام کی ترویج وترقی کا نقشِ اوّل قرار دوں تو بے جا نہ ہوگا۔ ازواجِ مطہرات میں صرف حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہی حضور ﷺ کو اولاد کی نعمت ارزانی ہوئی۔ سیدہ زینب، سیدہ اُمِ کلثوم، سیدہ رقیہ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا اور دو صاحبزادے ابراہیم اور طیب آپ ہی کے بطن اطہر سے تولد ہوئے۔ تمام ماہرینِ علم الانساب اس بات پر متفق ہیں کہ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں اور چاروں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہی تھیں۔ مولانا مودودی تفہیم القرآن میں تحریر کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے نسب اور اولاد کا انکار کرنا بہت بڑا جرم ہے۔

اس محسنۂ اسلام جس کی دولت سے اسلام کو پنپنے کا موقع ملا، اس کی قبر سے بے

Marfat.com

اعتنائی و بے وفائی سے بہت دھچکا لگا۔ اس کے بالکل ساتھ ہی مصائب و آلام کی آندھیوں اور تمازتِ آفتاب میں ٹھنڈک کا سائبان بن جانے والے حضور ﷺ کے یاور و مددگار چچا جناب ابو طالب کا مزار ہے۔ دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہونے یا نہ ہونے کی بحث سے قطع نظر تمام سیرت نگار اس امر پر متفق نظر آتے ہیں کہ بعثت کے ابتدائی ایام میں جسے مسلمانوں کے لیے دورِ استبداد بھی کہا جاتا ہے، اس دور میں دو ہستیاں حضور ﷺ کے دست و بازو نہ بنتیں تو بزمِ دینِ اسلام میں رونق و استحکام پیدا نہ ہو سکتا جو ان کی بدولت پیدا ہوا۔ کفار نے جناب ابو طالب کو حضور ﷺ کی حمایت سے دستبردار کرنے کے لیے کیا کیا نہ دباؤ ڈالا، ہر وہ عیارانہ اقدام اٹھایا جس سے وہ امید کر سکتے تھے کہ یہ ہاشمی سردار بھتیجے کی مدد سے دستبردار ہو جائے۔ مؤرخین و سیرت نگار لکھتے ہیں کہ جناب ابو طالب کی زندگی میں صرف ایک لمحہ ایسا آیا جب وہ حضور ﷺ کے بارے میں کبیدہ خاطر ہوئے اور حضور ﷺ سے اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔ جب تمام سردارانِ قریش ایک وفد کی صورت میں ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ اب معاملہ ہماری برداشت سے باہر ہو گیا ہے۔ اب اگر تمھارے بھتیجے نے ہمارے اسلاف اور بتوں کی مخالفت جاری رکھی تو (العیاذ باللہ) فیصلہ تلوار کرے گی۔ اُن کے اِن مذموم ارادوں کو دیکھ کر ابو طالب پریشان ہو گئے۔ اشک بار آنکھوں اور کپکپاتے لہجے میں کہنے لگے: جانِ عم! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے اٹھانے کی مجھ میں تاب نہیں۔ حضور ﷺ اپنے شفیق چچا کا اشارا سمجھ گئے۔ آپ ﷺ نے جناب ابو طالب کی تمام تر مہربانیوں اور عنایات کے باوجود ارشاد فرمایا: اے چچا! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو بھی حق پرستی کے اس اعلان سے باز نہیں آؤں گا تا آں کہ یہ دینِ حق غالب آ جائے یا اس میں میری جان چلی جائے۔ یہ سمجھتے

Marfat.com

ہوئے کہ شاید چچا اب میری حمایت سے کنارا کش ہونا چاہتے ہیں، یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے رحمتہ اللعالمین ﷺ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ حضور ﷺ اٹھ کر چلنے لگے تو ابو طالب بھی فرطِ محبت سے اشک بار ہو گئے اور کہا کہ جاؤ جو مرضی ہے کرو میں تمھارا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔

حضور ﷺ کے ایسے کریم و حلیم چچا کا مزار بھی عربوں کی بے اعتنائی سے محفوظ نہیں۔ میرے نکتۂ نظر سے اشاعتِ اسلام اور چراغِ راہِ ہدیٰ کی لو کو مدہم نہ ہونے دینا یہ جناب ابو طالب کی زندگی کا ایسا تابندہ باب ہے جسے ماضی، حال اور مستقبل کا مؤرخ کبھی فراموش یا نظرانداز نہیں کر سکتا۔

اسی تاریخی قبرستان میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت اسما بنتِ ابوبکر (وہی اسما جو نتائج سے بے پروا ہو کر اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر تاج دارِ نبوت اور رفیقِ نبوت کو تین دن تک غارِ ثور میں اشیائے خورد و نوش بہم پہنچاتی رہیں) جناب عبدالمطلب کے علاوہ ایسی ایسی لامثال اور حضور ﷺ کی محبوب ہستیاں آسودۂ خاک ہیں جن کو امتدادِ زمانہ کی قہرمانیاں بھی فراموش نہیں کر سکیں اور یہ نیل گوں آسمان طلوعِ قیامت تک ان پر شبنم افشانی کرتا رہے گا۔

میں نے زیاراتِ مقدسہ کے سلسلہ میں جو ترجیحات متعین کر رکھی تھیں ان میں وجہِ نمودِ کائنات حضور سرورِ عالم ﷺ کی جائے پیدائش بھی تھی۔ ڈاکٹر علی بڑے جہاں دیدہ انسان ہیں۔ میرے ذوق کو بھانپتے ہوئے مجھے اس مقدس خطۂ زمین کے قریب لے گئے جہاں نازشِ مخدراتِ عالم حضرت آمنہ کے ہاں وہ آفتابِ رسالت طلوع ہوا جس کی تابانیت سے ظلمت کدۂ جہاں منور ہو گیا اور ذرّہ ذرّہ فرطِ مسرت سے مسکرا اٹھا۔ مایوسی و ناامیدی فرحت و شادمانی کا روپ دھار گئی اور شرک و بت پرستی ہمیشہ کے

Marfat.com

لیے رخصت ہوگئی۔ مولانا رومؒ یاد آ گئے۔

در بیاں ناید جمالِ حالِ اُوؑ
ہر دو عالم چیست عکسِ خالِ اُوؑ

اب اس جگہ ایک چھوٹی سی لائبریری قائم کر دی گئی ہے جس کے دروازے مقفل تھے۔ اے کاش! کہ نبی رحمت ﷺ کی جائے ولادت کے آثار محفوظ رہنے دیے جاتے کہ غلامانِ محمد ﷺ انھیں دیکھ کر دیدۂ شوق کو تڑپاتے اور دل ونگاہ کو ٹھنڈک پہنچاتے۔ میں بصد حسرت وارمان موَالد النبی ﷺ کو دیکھتا رہا۔ قلتِ وقت کی پکار تھی چلو بس کرو مگر حریمِ شوق کا نظارا چلنے نہیں دیتا تھا۔ بس

اک نظر غور سے دیکھے تھے در و بام ترے
دیدۂ شوق کو تڑپا کے چلا آیا تھا

بائیں ہاتھ جبلِ ابوقبیس کا نظارا بھی کیا۔ وہی جبلِ ابوقبیس جس کی چوٹی پر پہلی مرتبہ آقا ﷺ نے کھڑے ہو کر سردارانِ مکہ کو پکارا اور اللہ کی توحید و کبریائی کا اظہار کیا جسے سن کر گستاخِ دربارِ نبوت ابولہب کی سوقیانہ زبان نے زہر اگلا۔ غیرتِ خداوندی جوش میں آئی اور گستاخی کا جواب آسمان سے آیا۔ اسی پہاڑ سے دعوتِ اسلامی کا آغاز ہوا اور پھر صاحبِ قرآن اور رفقائے صاحبِ قرآن پر اذیتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ایسے مصائب جن کا تصور بھی کر کے جبینِ فطرت کو پسینا آ جائے مگر یہ جاں نثارانِ دینِ حق عزم و ثبات کا ایسا کوہِ گراں ثابت ہوئے کہ ایک لمحے کے لیے بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر علی فراز صاحب نے مسجد جن بھی دکھائی۔ یہ مسجد حجون کے مقام پر

Marfat.com

واقع ہے۔ اس مسجد میں چشمِ انسانی سے اوجھل رہنے والی مخلوق جنوں نے حضور ﷺ کی زبانِ گوہر فشاں سے قرآن کی تلاوت سنی تو عالمِ وجد میں آ گئے اور حضور ﷺ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ یہ واقعہ اللہ کو اتنا پسند آیا کہ قرآن کی ایک سورہ کا نام جن رکھ دیا اور مسجد کا نام بھی مسجدِ جن رکھا گیا۔ قرآن کا یہی وہ اعجاز و گداز ہے جس سے پتھر تک پگھل جاتے ہیں۔ قلبِ انسانی کی عظمت و رفعت کا اندازہ لگائیں کہ اگر یہ قرآن پہاڑ پر نازل کر دیا جاتا تو خشیتِ الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا مگر یہ شانِ حضرت انسان ہے کہ اس کا دل مہبطِ وحی کا مرکز ٹھہرا۔

ڈاکٹر علی ہمیں اُم القریٰ یونیورسٹی دکھانے لے گئے جہاں مختلف علوم کے بڑے بڑے قابل اور تجربہ کار اساتذہ خدمات انجام دے رہے ہیں اور ہزاروں جویندگانِ علم اپنی پیاس بجھاتے ہیں مگر بدقسمتی سے سارے سعودی عرب میں موجود ایسی یونیورسٹیوں میں تحقیقاتی کام نہیں ہو رہا۔ آج جب کہ اہلِ عرب سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنے کے فن سے آشنا ہو رہے ہیں، کائنات کے سربستہ رازوں سے نقاب الٹا جا رہا ہے، ان تحقیقی کاموں نے انسان کو حیرت و استعجاب میں مبتلا کر دیا ہے مگر افسوس جس عظیم الشان سرزمین سے دنیا کے تمام علوم نے جنم لیا وہاں کے باشندے اس حقیقت کا ادراک نہ کر کے تعیش پسندی کا شکار ہو گئے۔ انھی علوم کو اہلِ مغرب تصرف میں لے آئے اور زمین و آسمان کے فاصلوں کو کم کر کے ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔ مبدا فیاض نے عربوں کو جس فیاضی سے بے کراں وسائل اور قیمتی معدنیات سے نوازا ہے اس کا بدیہہ نتیجہ یہ نکلنا چاہیے تھا کہ سعودی عرب عالمِ اسلام کی پہلی ایٹمی قوت ہوتا اور ماسکو اور واشنگٹن اس سے لرزہ براندام ہوتے۔ غنی کاشمیری نے کیا خوب صورت بات کہی۔

Marfat.com

غنی روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

یونیورسٹی دیکھنے کے بعد راستے میں ایسا مقام بھی دیکھنے کا موقع ملا جسے تاریخ دارلندوہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اس جگہ پہ قریشِ مکہ اکٹھے ہو کر پیغمبرِ خدا ﷺ کے خلاف مشورے اور سازشیں کیا کرتے تھے کہ کس طرح چراغِ نبوت کو (نعوذ باللہ) بجھایا جائے۔ اشاعتِ اسلام کے سدِّ باب کے لیے کس طرح فصیلِ استبداد کھڑی کی جائے مگر نورِ خدا ان کی مذموم حرکات پر ہمیشہ خندہ زن رہا اور چراغِ مصطفوی سے ظلمت کدۂ جہاں مستنیر ہو کر رہا ...... ع...... ترے لبوں سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

غروبِ آفتاب کے وقت ڈاکٹر علی ہمارے دلوں میں اپنی محبت وشفقت اور بے مثال اخلاق کا بے لوث سرمایہ چھوڑ کر زندگی میں پھر کبھی ملاقات کا کہ کر واپس اپنی رہائش گاہ پر چلے گئے۔ ان کے ساتھ گزرے ہوئے مسرت آفریں لمحے میری زندگی کا عظیم وعزیز اثاثہ ہیں۔ نماز مغرب حرم شریف میں ادا کی۔ طواف کی لذت سے بہرہ یاب ہوئے۔ زم زم پیا بھی اور آنکھوں پہ بھی ڈالا۔ دونوں ہاتھوں سے بھر کر جگر پر بھی ڈالا جس سے طراوت نصیب ہوئی۔ باہر آ کر کھانا کھایا۔ ابھی بستر پر دراز ہونے ہی والا تھا کہ ہمارے منتظم حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھولا تو کہنے لگے تیار رہیے، ٹھیک صبح آٹھ بجے بلدِ محبت مدینہ منورہ کے لیے سفر شروع ہو گا۔ ہماری پوری کوشش ہو گی کہ ظہر کی نماز مسجد نبوی میں ادا ہو۔ یہ سنتے ہی رگ رگ میں مسرت وانبساط کے شادیانے بجنے لگے۔ یہ زندگی بخش مژدہ سنانے پر میں نے فرطِ جذبات سے عبدالرحمٰن کی پیشانی چوم لی۔ وہ چلے گئے۔ میں واپس لوٹا تو میرے چہرے پر ابتہاج وشادمانی کی ایک نئی

Marfat.com

لہر دوڑ رہی تھی۔

جبینِ شوق کا دیباچہ پڑھ کر اہلیہ کہنے لگی: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: کل بلدِ عنایت کے شہر یار کی قدم بوسی کے لیے روانگی ہے۔ وہ پہلے ہی تیار بیٹھی تھی۔ ہم نے اسی وقت سامان پیک کرنا شروع کر دیا کہ کہیں صبح دیر نہ ہو جائے اور مسافرانِ رہِ مدینہ سے بچھڑ نہ جائیں۔ ابھی ہم سامان پیک کر رہے تھے کہ مدینہ منورہ میں مقیم ہمارے ہمسائے اور شاگرد عزیزم ندیم کا فون آ گیا کہ سر آپ کس وقت صبح مدینہ پہنچ رہے ہیں۔ میں آپ کی آمد کا شدت سے منتظر ہوں۔

عزیز القدر ندیم عرصہ پانچ سال سے مدینہ منورہ میں روزگار کے سلسلہ میں مقیم ہے۔ وہاں ٹیلرنگ کا کام کرتا ہے۔ اسے آغاز میں بڑی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ستم تو یہ ہے کہ اسے مصائب و آلام کی وادیِ پُر خار میں دھکیلنے میں اس کے اپنے عزیزوں کا بڑا دخل ہے۔۔ مگر ندیم نتائج سے بے پروا ہو کر مستقل مزاجی، عزم و استقلال، بردباری اور بے مثال استقامت سے مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرتا رہا اور اپنے خالق و مالک سے لو لگا کر آگے بڑھتا رہا۔ اس کے اعزہ نے اس کے کفیل کو ندیم سے بدظن کرنے کی بہت کوشش کی اور اس سازش میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔ ندیم نے مجھے بتایا کہ ایک بار وہ حالات سے دل برداشتہ ہو کر مسجدِ نبوی میں آ کر قیام پذیر ہو گیا۔ درِ ساقیِ کوثر ﷺ سے اسے پیٹ بھرنے کو سب کچھ مل جاتا۔

ندیم کہتا ہے ایک دن میں غم خوارِ خاکیاں حضور نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس پر سلام کر کے بہت رویا کہ آقا! آپ ﷺ کے شہر نے تو مجھ ایسے پریشان حال کو اپنے دامنِ گہر بار میں سمیٹ رکھا ہے، پھر میں کس لیے پریشان ہوں؟ دعا کے بعد مجھے فرحت

Marfat.com

سی حاصل ہوئی۔ اگلے روز سے حالات دن بدن بہتر ہونا شروع ہو گئے۔ میں نے ندیم کو جواباً فون پر بتایا کہ نمازِ ظہر ان شاءاللہ مسجدِ نبوی میں ادا کریں گے۔ وہ سراپا انتظار ہو گیا۔ اب بھلا رات کسے نیند آتی تھی۔ کروٹیں بدل بدل کر طلوعِ آفتاب کا انتظار کرنے لگا۔

نیند جتنی ملی تھی آنکھوں کو
وہ ترے انتظار کو دے دی

18 فروری بروز ہفتہ کی صبح ایسی صبحِ نشاط تھی جو مقدر والوں کو نصیب ہوتی ہے۔ یہاں مکہ شریف میں طواف دائرۂ عبودیت و الوہیت کا مظاہرہ ہوتا ہے جب کہ اب ہم مرکزِ عقیدتِ ارض و سما کی طرف محوِ سفر ہونے والے تھے۔ اہلیہ نے رات سے ہی رختِ سفر باندھ رکھا تھا۔ بیت اللہ شریف میں اذان ہوئی تو فوراً نماز کے لیے حرم شریف پہنچ گئے۔ نماز با جماعت ادا کی۔ اگرچہ فصیلِ کعبہ اپنی طرف کھینچتی تھی مگر اب تجلیاتِ مدینہ نے سرشار و مست و بے خود و مسحور کر رکھا تھا۔

صبح کا ناشتا کرنے کے بعد منتظمین کے اگلے اعلان کا انتظار کرنے لگے۔ یہ لوگ درازیِ شبِ ہجراں سے بے نیاز اپنے کام کاج میں مصروف ہوتے ہیں۔ پھول بننے کی خوشی میں مسکراتی ہوئی کلیوں کی بے قراری کی انھیں کیا خبر! میں اہلیہ کے ساتھ اپنی قیام گاہ کے باہر شہرِ خورشید کی طرف جانے کے لیے سامانِ سفر تازہ کرنے لگا۔ فراقِ بلدِ محبت میں ایک ایک لمحہ گراں باریِ طبع کا باعث بن رہا تھا۔ ایک گھنٹہ انتظار کے بعد عبدالرحمٰن آئے اور ہمارا سامان اٹھا کر اس خوش قسمت سیارے کی طرف چل دیے جو شاہراہِ خلیل پر مدینہ منورہ کی جانب رخ کر کے کھڑا تھا۔ ہم نے سامان بس کے تہ خانے میں رکھ دیا اور بس کے درمیان دو سیٹیں لے کر بیٹھ گئے۔ یہ بسیں بڑی کشادہ اور آرام دہ ہوتی ہیں۔ سیٹوں پر بیٹھتے

Marfat.com

ہی مسافروں کی تکان دور ہو جاتی ہے۔ تقریباً بیس پچیس منٹ میں تمام رہروانِ شوق بس میں بیٹھ چکے تھے۔ جب بس نے سفر شروع کیا تو حاجی عبدالرحمٰن میرے پاس آئے۔ انھوں نے بڑی شفقت سے الوداع کہا اور کہنے لگے: آپ کے دو چر پر بطورِ خاص Separate تحریر کر دیا ہے۔ ساتھ ہی کہا کہ میں نے مدینہ منورہ میں اپنے منتظمِ اعلیٰ خوش حال خاں اور عارف اللہ خاں کو فون پر بھی آپ کے بارے میں اطلاع دے دی ہے۔ وہ ہر طرح سے آپ کا خیال رکھیں گے۔ اس کرم فرمائی کے لیے میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور پھر بس چند لمحوں کے بعد شاہراہِ ہجرہ کی جانب رواں دواں ہو گئی۔ بس کا ڈرائیور وضع قطع سے خالص انگریز لگ رہا تھا۔ جب تک اس نے گفتگو نہ کی میں اسے واقعی فرنگی سمجھتا رہا۔ مگر راستے میں ایک بقالے پر بس رکی تو وہ بڑے بلیغ انداز میں عربی میں گفتگو کرنے لگا۔ لہجے سے معلوم ہوا کہ وہ عربی باشندہ ہے۔

بس شہرِ جلالِ کبریا سے نکل کر شہرِ مظہرِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی طرف تیزی سے بھاگنے لگی۔ شاید اسے بھی اسیرانِ گیسوئے محمد ﷺ کی بے تابی کی خبر ہو چکی تھی۔ سڑکیں بہت کشادہ، ہموار اور خوب صورت بنی ہوتی ہیں۔ اگر کسی انجینئر اور اس کے عملے کے متعلق حاکمانِ وقت کو معلوم ہو جائے کہ اس نے میٹریل خالص استعمال نہیں کیا اور سڑک غیر معیاری ہے تو اسے اس شہر کے گورنر کی قہرمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اگر بگاڑ زیادہ معلوم ہو تو انھیں نوکری سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ اس کے مقابل ہمارے ہاں ٹھیکے دار کو ٹھیکہ ہی صاحبانِ اقتدار اس شرط پر دیتے ہیں کہ اتنے فی صد ہمارا حصہ نکالو پھر تمھیں کام کرنے کی اجازت ہو گی۔ ابتدا ہی میں عوام کے خون پسینے کی کمائی لٹنے لگتی ہے۔ جب ٹھیکے دار دیکھتا ہے کہ قومی خزانہ آغاز کار سے ہی لوٹا جا رہا ہے تو وہ بھی اپنی تجوریاں بھرنے کے

Marfat.com

لیے بد دیانتی پر کمر بستہ ہو جاتا ہے اور پیسہ بچانے کے لیے انتہائی غیر معیاری میٹریل استعمال کرتا ہے۔اس سے وہ پیسہ تو بچالیتا ہے مگر سڑکوں اور پلوں کی عمریں گھٹ جاتی ہیں۔ پل تباہ ہونے لگتے ہیں، سڑکیں جگہ جگہ سے بیٹھ جاتی ہیں یوں بڑے بڑے عالی شان پراجیکٹ بدقمار اور انسانی بے حسی کا شکار ہو کر دنوں میں زمیں بوس ہو جاتے ہیں اور پھر ستم بالائے ستم کہ جو لوگ اس صریح ظالمانہ روش کے ذمے دار ہوتے ہیں ان کے ہاتھ زنجیرِ قانون سے بالکل محفوظ رہتے ہیں۔ان باشندگانِ کوچۂ ضلالت کو تحفظ دینے کے لیے کار پردازانِ سیاست فوراً سرگرم ہو جاتے ہیں۔

یہاں غریب کی رگ رگ سے خون کر کے کشید
کسی کے گال کی سرخی بنائی جاتی ہے
غضب تو یہ ہے کہ تیرا ہی نام لے لے کر
یہ ساری محفلِ عصیاں سجائی جاتی ہے

بات دور نکل گئی۔ میں ایک بار پھر اپنے محترم قارئین کو شہرِ طمانیت کی طرف لے آتا ہوں۔اگرچہ اے۔سی کی ٹھنڈک اور سیٹوں کے آرام دہ ہونے کی وجہ سے نیند فوراً اپنی آغوش میں لے لینا چاہتی تھی مگر میں یہ سارا سہانا سفر جاگ کر طے کرنا چاہتا تھا۔حتیٰ کہ میں پلک بھی نہیں جھپکنا چاہتا تھا کہ سڑک کے دونوں اطراف کا کوئی ذرّہ بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔میں راستے کے دونوں طرف کے پہاڑوں کی طویل قطاروں کو دیکھتا رہتا کہ یہیں نبیِ رحمت آتے جاتے قیام فرماتے رہے ہوں گے۔میں بس کا شیشہ کھول کر نیچے ریگ زارِ شاہراہِ ہجرت کو بنظرِ عمیق دیکھتا کہ یقیناً انھی ذروں کو سرکار ﷺ کی نعلین پاک کے نیچے آنے کا شرف حاصل ہوا ہوگا۔میری نگاہِ عصیاں اس پتھر کی تلاش میں سرگرداں تھی

Marfat.com

جس پر آقا ﷺ نے مدینہ سے مکہ اور مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے کچھ عرصے کے لیے قیام فرمایا ہوگا۔ میں کسی ایسے شجرِ سایا دار کا متلاشی تھا کبھی سفر کے دوران جس کی چھاؤں میں وجہِ نمودِ کائنات ﷺ نے قیلولہ فرمایا ہوگا۔

میں ان فضاؤں سے ہم آغوش ہو جانا چاہتا تھا جن میں پسینائے محمد ﷺ کے قطرات کی خوشبو رچی بسی تھی۔ میں ان ہواؤں سے ہم کلام ہونا چاہتا تھا جو گیسوئے طرح دارِ محمد ﷺ سے اٹکھیلیاں کرتے ہوئے کائناتِ عالم کو معطر کر دیا کرتی تھیں۔ میری قوتِ سماعت مدینے کے راستے کی فضا کے معلق ان لہروں سے آشنا ہونا چاہتی تھی جن میں ابھی تک آوازِ حبیبِ کائنات ﷺ کا گداز لپک رہا تھا۔ میں راہِ مدینہ میں تبسّمِ مخدومِ کائنات کی لطافت تلاش کر رہا تھا جس سے ظلمت کدۂ عالم جگمگا اٹھا تھا۔ میں حضور ﷺ کے دستِ عطا کے فیوضِ جاودانہ کی جھلک دیکھنا چاہتا تھا جس کے لمس سے ذرّے بھی گہر ہائے تاب دار بن جاتے تھے۔ میں آقا ﷺ کے نقشِ پا کی شوخی کو اپنے بے قرار دل کی دھڑکن کا مکیں بنانا چاہتا تھا۔ موٹر آہستہ ہوتی تو جی چاہتا کہ باہر چھلانگ لگا دوں اور ریگستانِ راہِ مدینہ پر لیٹ جاؤں اور کروٹیں بدلتا ہی چلا جاؤں کہ شاید آقا ﷺ کے قدومِ میمنت لزوم کی کوئی خوشبو نصیب ہو جائے۔ ابھی انہی خیالات میں گم تھا کہ موٹر اچانک ایک بقالے پر کھڑی ہو گئی۔ میں دیوانہ وار نیچے اترا کہ ان خلاؤں میں تھوڑی سی سانس لے لوں جن میں ابھی تک فرامینِ رسول اللہ ﷺ کی مہک بسی ہوئی تھی۔

ہم نے اس بقالے پر کوئی آدھ گھنٹے قیام کیا، سب مسافر حسبِ ضرورت لذتِ کام و دہن سے شا کام ہوئے۔ کسی نے چائے پی، کوئی کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا ہم مزاج کے مطابق کچھ مشروبات اور فروٹ لے کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میں جسمانی

Marfat.com

طور پر تو وہاں موجود تھا مگر ذہن دور افق میں حدودِ مدینہ میں اٹکا ہوا تھا۔ یہی وہ راستے تھے جہاں رسول اللہ ﷺ محوِ خرام رہا کرتے تھے۔ آپ ﷺ چلتے تو جبینِ عرش جھک کر سلام کرتی۔ آپ ﷺ ٹھہرتے تو کرّۂ ارض آسمان کی جانب محوِ پرواز نظر آتا۔ آپ ﷺ آرام فرماتے تو عروسِ زندگی پھول برساتی معلوم ہوتی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اس کائنات رنگ و بو کا محور بھی آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔

رنگ، خوشبو، صبا، چاند، تارے کرن، پھول، شبنم، شفق، آبجو، چاندنی
تیرے معصوم پیکر کی تخلیق میں حسنِ فطرت کی ہر چیز کام آ گئی

سفر دوبارا شروع ہوا تو خیالات ماضی و حال میں تسلسل آ گیا۔ نگاہیں پھر راہِ مدینہ سے ہم آغوش ہوگئیں۔ کوثر نیازی مرحوم کا شعر بے قرار کرتا رہا۔

اے رہروانِ شوق! یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستے کا تو کانٹا بھی پھول ہے

اب کے بار تھوڑا سا سفر طے کرنے کے بعد اونٹوں کی قطاریں بھی نظر آنے لگیں۔ یہ وہی حجازی جانور ہے جو حضور ﷺ کا بھی محبوب جانور رہا ہے۔ حضور ﷺ فاتح عالم بن کر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ اونٹنی پر ہی سوار تھے۔ یہ جانور اللہ کو بھی محبوب ہے۔ قرآن شاہد ہے کہ یہ حضرت صالحؑ کی اونٹنی ہی تھی جس کی کونچیں کاٹنے پر غیرتِ خداوندی جوش میں آ گئی تھی جس سے قومِ صالحؑ صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئی تھی۔ اونٹوں کی ان قطاروں کو دیکھ کر مجھے سرکارِ رسالت مآب ﷺ کا دورِ سعید یاد آ رہا تھا جب رفقائے رسالت مآب ﷺ اونٹ چراتے بھی تھے اور اس کا گوشت بھی بڑی رغبت سے کھاتے تھے اور کاروبارِ حیات بھی چلاتے تھے مگر افسوس آج کل صحرا کا یہ بابرکت جانور

Marfat.com

حصولِ دولت کے جنون میں جلبِ زر کے پجاری عربوں کی ریسوں کے کام آ رہا ہے۔ یہ عیش پرست عرب شیوخ معصوم بچوں کو اغوا کر کے انھیں صحرا میں لے جاتے ہیں۔ وہاں انھیں بے رحمانہ طریقے سے اونٹوں کی پیٹھ پر شکنجے کی طرح کس دیا جاتا ہے۔ اونٹوں کو ایک راستے پر کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جب بچے ڈر کے مارے چیختے ہیں تو اونٹ خوف سے بدکتے ہیں۔ بچہ ڈر سے جتنا زیادہ چلّاتا ہے اونٹ اتنی تیز دوڑتا ہے۔ کئی نازک اندام بچے تو خوف سے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ان ظالمانہ طریقوں سے پیسہ کمانے والی یہ قوم استعماری قوتوں اور اس کے گماشتوں کا کیا مقابلہ کر سکتی ہے۔

اب ہماری بس کی حدِ رفتار ایک سو کلومیٹر فی گھنٹہ سے تجاوز کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ دل کی دھڑکنیں بھی اسی رفتار سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ میں راستے میں آنے والے دونوں طرف کے بورڈ پڑھتا رہا کہ کب حدودِ مدینہ کا آغاز ہوتا ہے۔ صلوٰۃِ عشاق کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اچانک بس میں نصب چھوٹے لاؤڈ سپیکر پر ڈرائیور کی آواز گونجی کہ ہم مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ نگاہوں میں ذوق و شوق کی بجلیاں رقص کرنے لگیں۔ بے تابی دوچند ہونے لگی۔ میں مدینہ طیبہ کی فضاؤں کو سلام عرض کرنے کے لیے الفاظ تلاش کرنے لگا۔ اوزان و بحور اور بندشِ الفاظ کے تانے بانے بُننے لگا۔ میں اس شہرِ محبت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کر چکا تھا جہاں ہوائیں بھی ادب کے ساتھ چلتی ہیں۔ جہاں اٹھنے، بیٹھنے، کھانے پینے، چلنے پھرنے، رفتار و گفتار، تہذیب و تمدن، سوز و ساز، حتیٰ کہ سانس تک لینے کے سلیقے اور قرینے بدل جاتے ہیں۔ اگرچہ اشک غم کی علامت ہوتے ہیں اور تبسم خوشی کی دلیل ہوتا ہے مگر یہاں اشکوں کی برسات اور جذبات کی جولانی کا لطف ہی کچھ اور تھا۔ میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی آرزو اور خواب کو حقیقت میں بدلتے دیکھ رہا تھا۔ میں

Marfat.com

مدینے کی سڑکوں کے دونوں جانب خوب صورت اشجار کو دیکھنے میں محو ہو جاتا جن کے پتے ہلتے تو دل کے تاروں کو بھی ہلا دیتے، بالخصوص کھجور کے درختوں کی بہتات نے سماں باندھ رکھا تھا۔ وہی کھجور جو حضور ﷺ کی مرغوب غذا تھی جو توانائی اور شفا سے بھرپور ہوتی ہے۔

اب نگاہیں بے تابانہ گنبدِ خضریٰ کو تلاش کر رہی تھیں، وہی جس کے چاروں طرف جلوے طواف کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی مرکزِ جمال کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھا کہ بس تھوڑی سی نشیب میں اترتی محسوس ہوئی پھر فراز پر ابھری تو گنبدِ آرام گاہِ نبوت نظر آتا گیا۔ دل بلیوں اچھلنے لگا کہ چند لمحوں کے بعد یہ غلامِ تاج دارِ عرب و عجم اپنے آقا ﷺ کے حضور حاضر ہوگا۔

میں دل ہی دل میں مدینے کی جاں بخش فضاؤں کو سلام کہنے کے لیے الفاظ کا تعاقب کرنے لگا۔ خیالات و تخیلات کو مجتمع کیا۔ اچانک طلاقتِ لسانی کو مہمیز ملی۔ سلام ہو اے شہرِ محبوبِ خدا ﷺ...... تو نے کائنات کی سب سے محبوب ہستی کو پناہ دینے کے لیے اپنا دامن کشادہ کر دیا...... اور ہمیشہ کے لیے بلادِ ارض سے عظیم تر ہو گیا...... اے شہرِ مصطفیٰ ﷺ! تیرے ذرّے بھی ستاروں سے زیادہ عظمتیں رکھتے ہیں...... تیری گلیاں سونے کی ڈلیوں سے قیمتاً خوب تر ہیں...... تو اس لیے نازشِ عالم ہے کہ تجھ میں صبح و مسا ہزار ہا ملائکہ المقربین درود و سلام کے نذرانے لیے حاضر ہوتے ہیں اور جو ایک بار آتے ہیں قیامت تک ان کی باری نہیں آتی۔ تیری پاک فضاؤں پہ قربان ہونے کے لیے لاکھوں جن و انس ہر لمحہ اپنے سینوں میں آرزوؤں کی پرورش کرتے رہتے ہیں۔

اے شہرِ مصطفیٰ ﷺ! تیری سرزمین کے ساتھ ارادت و عقیدت کی آبرو وابستہ ہے۔ تیرے نام سے دنیا بھر کی بلندیاں شکوہِ عظمت کی خیرات حاصل کرتی ہیں۔ تیری فضاؤں میں درود و سلام کے نذرانے لے کر پرندے اڑان بھرتے ہیں۔ تجھ پر نیلگوں

Marfat.com

آ کاش ہر لحظہ ابرِ باراں کی لطافتوں کی برسات لٹاتا ہے۔..........

اے مدفنِ حبیبِ کبریا ﷺ..........

تُو انشا پردازوں کو ثقیل الفاظ کے آبگینے عطا کرتا ہے، تو شاعروں کو افکار کی رفعت، ان کے جذبات کو لامثال ارتفاع، مفکروں کو جولانیِ افکار، دانش وروں کے قلوب و اذہان کو حکمت اور مدبرانِ اقوام و ملل کو چراغِ صبحِ نو کی کرنیں عطا کرتا ہے..........

اے صبحِ مدینہ! تو ظلمتِ دہر کو ضیائے آفتاب عطا کرتی ہے..........

اے شامِ طیبہ! تیری زرفشانی مطلعِ صبحِ نور کی طرح ہے۔ تیری دوپہر جبینِ چرخ مبین سے بھی بڑھ کر ہے۔ تجھ میں پیدا ہونے والے پھولوں کی نزاکت سے ہیروں کا جگر کٹ سکتا ہے..........

اے رشکِ فردوسِ بریں! اے جنات الماویٰ سے بڑھ کر حسیں!..........

اے مسکنِ رحمۃ اللعالمین ﷺ! اے بلادِ ارض و سما میں مثل سورۂ یٰسین! اے مظہرِ جمالِ محبوبِ دنیا و دیں!..........

اے باعثِ رشکِ دُرِّ ثمیں! تیری گلیوں کی دیواریں سید الکونین ﷺ کو چلتے پھرتے دیکھتی رہی ہیں..........

اے شہرِ مدینہ! تو بنو نجار کی ان پیکرِ حیا بچوں کا مولد و مسکن ہے جنھوں نے دف بجا کر سید البشر ﷺ کا ایمان افروز استقبال کیا تھا اور ہمیشہ کے لیے تاریخ کا حصہ بن گئیں..........

اے وادیِ جمیل! تو نعت خوانوں کو لحنِ داؤدی کا سوز عطا کرتی ہے..........

تو اقلیمِ خطابت کے تاج داروں کو حریمِ الفاظ و معانی سے آشنا کرتی ہے۔ تو انفس و آفاق کی

Marfat.com

بے چینیوں کو سوزِ دروں کی دولت سے بہرہ یاب کرتی ہے۔

اے بلادِ کائنات کے سرتاج شہر! تیری شفقتوں، تیری عظمتوں، تیری رفعتوں، تیری رعنائیوں کو تفاخر سا بے نوا اسلام کہتا ہے............................

تمھارے ذکر سے دل کو سرور ملتا ہے
کہ دُور رہ کے بھی کیفِ حضور ملتا ہے
جہاں میں اور کہیں بھی سکوں ملے نہ ملے
مگر مدینے پہنچ کر ضرور ملتا ہے

Marfat.com

مدینہ منوّرہ......مظہرِ جمالِ مصطفےٰ ﷺ

مدینہ منورہ کے ہوٹل قصرِ جمعہ اور السفیر السکنی میں قیام سے لے کر روانگی تک کا احوال نذرِ قارئین کرنے سے پہلے معروف محقق مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کی کتاب ''تاریخِ مدینہ منورہ'' سے اس شہرِ پاک کی عظمت وشان کے حوالے سے ایک دو اقتباس اور فرامینِ رسول ﷺ پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

اس کا پرانا نام ''یثرب'' ہے جو آج بھی کبھی کبھار شعرائے عظمت مرام اپنے نعتیہ شعروں میں استعمال کرتے ہیں۔'یثرب' دراصل حضرت نوحؑ کی نسل میں سے ایک آدمی کا نام تھا جس نے اس شہر کی بنیاد رکھی۔اس کے نام پر اس شہر کا نام 'یثرب' پڑ گیا۔ اس بابرکت شہر کے کئی اور نام بھی ہیں مثلاً 'المدینہ'۔یہ اس شہر کا سب سے مشہور نام ہے کیوں کہ سرکار رسالت مآب ﷺ نے یہاں ہجرت فرمائی حتیٰ کہ یہیں آرام فرما ہیں۔

دوسرا نام ''طابہ'' ہے۔حضور ﷺ نے خود فرمایا: اللہ نے اس پیارے شہر کا نام طابہ رکھا۔اسے طیبہ بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ حضور ﷺ کی برکت سے یہ شہر شرک سے پاک ہوگیا۔مدینہ منور کے فضائل ومناقب بے حد وحساب ہیں۔خدائے عزوجل اور نبیِ رحمت کے نزدیک اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔حضور ﷺ کی دعائیں دلالت کرتی ہیں کہ مدینہ منورہ دنیا وآخرت کی بھلائیوں کا جامع ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

Marfat.com

اے اللہ! مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں مکہ کی محبت سے بھی بڑھا دے۔ اے اللہ! ہمارے غلّہ و پیداوار میں برکت فرما اور اس کی آب و ہوا کو ہمارے موافق بنا دے۔ اس کا موسمی بخار 'حجفہ' میں منتقل کر دے۔

سیدنا انس بن مالک سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یوں دعا فرماتے سنا: اے اللہ! مدینہ میں مکہ سے دگنی برکت فرما۔ علاوہ ازیں مدینہ منورہ ایمان کا مرکز اور گڑھ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے؛ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ایمان قربِ قیامت مدینہ کی طرف یوں لوٹ آئے گا جیسے سانپ خطرے کے وقت اپنے بل کی طرف لوٹ آتا ہے''۔ مدینہ شریف کی ایک عظمت یہ بھی ہے کہ وہ بُرے لوگوں کو اپنی آغوشِ شفقت میں جگہ نہیں دیتا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ مدینہ برے لوگوں کو یوں الگ کر دیتا ہے جس طرح آگ چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے۔ ایک اور جگہ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''جو شخص مدینہ کو ناپسند کرتے ہوئے اس سے نکلے گا اللہ اس سے بہتر شخص مدینہ میں لا بسائے گا، خبردار! یقیناً مدینہ بھٹی کی طرح ہے جو بُرے لوگوں کو نکال باہر پھینکتا ہے''۔

حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص مدینہ کی تنگی ترشی پر صبر کرے اور یہیں فوت ہو میں قیامت کے دن اس کے لیے سفارشی یا گواہ ہوں گا بشرطے کہ وہ مسلمان ہو''۔ مدینہ کی فضیلت میں ایک معتبر روایت یہ بھی آتی ہے کہ سرکار ﷺ نے اس شخص کی شدید مذمت فرمائی جو اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کرنے یا ان سے مکر و فریب کرے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا، ''جس نے اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کیا اس نے مجھے خوف زدہ کیا''۔

Marfat.com

سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: ''مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں، اس میں طاعون اور دجال کا داخلہ ممکن نہیں''۔ ان تمام فضائل کے علاوہ دو ایسی فضیلتیں ہیں جن کے مساوی کوئی دوسری فضیلت نہیں کہ اس شہرِ مقدس میں مسجدِ نبوی ﷺ بھی اور حضور ﷺ کا روضۂ اقدس بھی۔

جو ملتی ہے بڑی مشکل سے یہ ایسی سعادت ہے
مدینہ کی فضا میں سانس لینا بھی عبادت ہے

میں دوبارا مدینہ منورہ میں داخلے اور قیام و مصروفیات کی طرف آتا ہوں۔ ہماری بس مدینہ کی مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی ہمارے دو چر پر درج قیام گاہ (قصر جمعہ) واقع شاہراہ فہد کے عین سامنے آ کر رُک گئی۔ یہاں ہمارے منتظم خوشحال خاں تھے۔ وہ دوسرے مسافروں کو کمرے الاٹ کر چکے تو میں نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کروایا۔ ان کے لبوں پہ ایک آشناسی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اپنے نام خوش حال کی طرح وہ بڑے خوش گفتار، خوش کردار، خوش اخلاق اور خوش لباس لگ رہے تھے۔ کہنے لگے: مجھے آپ کا انتظار تھا۔ مکہ میں مقیم ہمارے رابطہ کاروں نے مجھے تفصیل سے آپ کے بارے میں بتا دیا ہے۔ اب آپ ہر طرح کے اندیشے سے آزاد ہو جائیں۔

قصرِ جمعہ میں میرے قیام کے بارے میں وہ کچھ متذبذب سے تھے۔ کہنے لگے: پروفیسر صاحب! آپ کی رہائش کا معاملہ خاص نوعیت کا ہے...... اس لیے آپ کے مزاج کے مطابق فندق جمعہ میں آپ کا قیام ناممکن لگ رہا ہے۔ وہ قصرِ جمعہ سے ملحق ہوٹل فندق السفیر السُکنی لے گئے اور فوری طور پر ہمیں تیسرے فلور پر کمرا نمبر 308 الاٹ کر دیا۔ یہ دو بستر والی بڑی پر سکون قیام گاہ تھی۔ ہر وقت ٹھنڈا گرم پانی دستیاب تھا۔ یہاں

Marfat.com

سے بھی حرم شریف تقریباً 300 میٹر کے فاصلے پر واقع تھے۔ ہم ہوٹل میں سامان رکھ چکے تو مسجدِ نبوی سے عصر کی اذان گونج رہی تھی۔ آواز کی حلاوت سے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ حرم شریف کا ہی مؤذن ہے۔ سفر کی طوالت سے تکان جوبن پر تھی۔ چند لمحوں کے لیے بستر پر دراز ہوا تو نیند پوری قوت سے اپنی گرفت میں لے چکی تھی۔ کروٹ بدلی تو عصر کی نماز کا وقت گزر چکا تھا۔ میں نے جلدی سے غسل کیا، کپڑے بدلے، خوشبو لگائی کہ نفاست و طہارت آقا علیہ السلام کو بہت پسند تھی۔ عمرہ کرتے وقت بال ترشوانا، خوشبو لگانا سب کچھ منع ہوتا ہے مگر یہاں حاضری کے ضوابط ولوازم الگ ہوتے ہیں۔

اہلیہ ضرورت سے زیادہ تھک چکی تھی اس لیے اسے آرام کا کہہ کر میں اکیلا ہی حرم شریف کی طرف چل دیا کہ اب بے تاب ولولوں کو مزید زنجیریں نہیں پہنائی جاسکتی تھیں۔ میں نیچے اتر کر شاہراہِ فہد کے ایک چوک کے دائیں جانب مڑا۔ ایک دکان دار سے حرم شریف کا پوچھا۔ اس نے بالکل سیدھا چلنے کو کہا۔ تھوڑا سا آگے گیا تو مسجدِ نبوی کے مینار کیا نظر آئے کہ اللہ کی رحمت کے آثار نظر آنے لگے۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں، قلبِ حزیں مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے:

سرتاپا بحرِ خطا میں ہچکولے کھانے والے تفاخر! آج ربِّ ذوالمنن کا سحابِ کرم تم پر اُمڈ آیا ہے۔ آج تمھارے مضطرب دل کی سب سے بڑی اور آخری آرزو کی تکمیل ہو رہی ہے۔ میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ بیت اللہ شریف کی جانب چلتے وقت خوفِ خدا سے انسان کے اندازِ خرام میں وہ روانی نہیں ہوتی مگر گنبدِ خضریٰ کی طرف جاتے وقت رحمتوں کی وہ برسات ہوتی نظر آتی ہے۔ میں فندق دار الذہبی کے قریب سے ہوتا ہوا 26 نمبر گیٹ سے حدودِ رحمت میں داخل ہو گیا۔ درودِ پاک کا ورد کرتے ہوئے بابِ فہد میں سے

Marfat.com

گزر کر مسجدِ نبوی کے اندر قدم رکھے تو سر سے لے کر پاؤں تک ٹھنڈک سی محسوس ہوئی۔

فردوسِ بریں میں پائی جانے والی نعمتوں کا تذکرہ بھول گیا۔ چلتے چلتے سیدھی نگاہ دوڑائی تو نگاہیں گنبدِ خضریٰ پر سمٹ کر رہ گئیں۔ میں مسجد کی زینت اور وسعت سے وقتی طور پر بے نیاز آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ مجھے آقا ﷺ کے محراب و منبر صاف نظر آنے لگے۔ اس وقت مغرب کی نماز کا وقت ہونے والا تھا اور ان مخصوص مقامات پر وارفتگانِ کوئے سرکار ﷺ کا جھرمٹ تھا۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ میں وہیں کھڑا حسرت بھری نظروں سے ریاض الجنہ کو دیکھنے لگا۔ میں سوچنے لگا اگر رش کی یہی کیفیت رہی تو مجھ ایسے ادنیٰ غلام کی باری کب آئے گی۔

یہ سوچتے سوچتے میری آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ میرے آگے کی صف میں ایک نورانی چہرے والے تنومند بزرگ تشریف فرما تھے۔ وہ میری ہچکیاں سن کر کھڑے ہو گئے؛ میرا تعارف پوچھا۔ جواباً میں بھی متعارف ہوا۔ کہنے لگے: میرا نام مختار احمد ہے اور میں فیصل آباد کا رہنے والا ہوں۔ میں مسلسل پندرہ برس سے حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس پناہ میں حاضری کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ فرمانے لگے: میں نے تمھارے بے قرار آنسوؤں کا دیباچہ پڑھ لیا ہے۔ تم جس وجہ سے تذبذب میں مبتلا ہو اس کے لیے تمھیں راتوں کی نیند قربان کرنا پڑے گی پھر گوہرِ مقصود حاصل ہو گا۔ میں نے اس خوش بخت انسان کی نصیحت پلے باندھ لی اور مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد دور ہی سے درود کا نذرانہ پیش کر کے چلا آیا۔ ہوٹل میں آکر کھانا کھایا۔ اہلیہ نے پوچھا: حضوری کی کیفیات بتائیں۔ میں نے ساری داستان سنائی اور کہا کہ محبت کی یہ منازل نصف شب کو طے ہوں گی۔ ان شا اللہ زمین و آسمان کی بے کرانیاں عشق کی ایک جست میں طے ہو جائیں گی۔

Marfat.com

میرے پاس میرے ننھیال کے ایک بڑے ہی بااخلاق انسان چودھری اللہ دتا کا فون نمبر بھی تھا جو مسجدِ نبوی کے بالکل قریب الکریم بلڈنگ کے بالمقابل المدنی ہوٹل میں بطور منتظم کام کرتے ہیں۔ انھیں مدینہ منورہ میں میری آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ میں نے فون کیا تو کہنے لگے مجھے بڑی شدت سے آپ کی آمد کا انتظار تھا کیوں کہ آپ کے ماموں زاد حاجی احمد سعید صاحب نے آپ کی آمد سے مطلع کر دیا ہے۔ میں نے کہا: کہاں ملاقات ہوگی؟ کہنے لگے: میں چھبیس نمبر گیٹ پر آپ کی آمد کا منتظر ہوں۔ چوں کہ پہلے چہرہ شناسی نہیں تھی اس لیے ہم دونوں گیٹ کے قریب کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے فون پر محوِ گفتگو تھے حتیٰ کہ اسی محویت میں ایک دوسرے کے سامنے پہنچ گئے۔ وہ بڑے تپاک سے ملے۔ ان کا لہجہ اتنا شفیقانہ تھا کہ سارا رنگِ اجنبیت یکلخت آمیختۂ محبت میں تبدیل ہو گیا۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ المدنی ہوٹل لے آئے۔ نیچے قالین پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ پھر انھوں نے اپنے ہاتھ سے تیار کردہ چائے پلائی جو بڑی مزے دار تھی۔ کافی عرصہ تک گھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ دورانِ گفتگو اللہ دتا صاحب کہنے لگے: تفاخر بھائی! آپ کے چہرے کی سلوٹیں بتا رہی ہیں کہ آپ کو کچھ بے قراری ہے۔ میں نے دل کی بات بتائی اور کہا کہ مغرب سے لے کر ابھی تک گوہرِ مقصود نہیں پایا۔ پھر میں نے انھیں مختار نامی بزرگ کی تجویز سے آگاہ کیا۔ کہنے لگے: انھوں نے بڑا صائب مشورہ دیا ہے۔ آپ اس مشورے کی روشنی میں عشا کی نماز پڑھنے کے بعد واپس المدنی ہوٹل آجائیں۔

یہاں دو تین گھنٹے نیند کرنے کے بعد رات کے ساڑھے بارہ بجے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوں گے اور ریاض الجنہ میں نوافل ادا کریں گے۔ اب میری بے چینیوں کو قرار آ چکا تھا۔ عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد ہم المدنی ہوٹل کی بالائی

Marfat.com

منزل کے ایک کمرے میں آرام کرنے لگے۔ اگرچہ نیند بار بار حملے کرتی رہی لیکن کسی پہلو چین نہیں آتا تھا کہ اگر آنکھ لگ گئی تو کہیں یہ نایاب لمحے گزر نہ جائیں۔ ہم پھر محوِ گفتگو ہو گئے۔ یہاں تک کہ شب کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ میں نے چودھری اللہ دتا سے کہا: اب فصیلِ صبر و قرار گرتی نظر آ رہی ہے۔ وہ میری حد سے بڑھتی ہوئے بے چینی کو بھانپ گئے۔ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے؛ وضو کیا؛ چھبیس نمبر گیٹ سے حرم شریف میں داخل ہوئے اور بابِ ابوبکر صدیقؓ کی طرف چل دیے۔ چودھری اللہ دتا نے مجھے راستے میں بتایا کہ آج سے چھے ماہ قبل نمازِ عشا کے بعد مسجدِ نبوی کے تمام دروازے مکمل طور پر بند کر دیے جاتے تھے مگر آج کل شاہِ سعود کی خصوصی ہدایت پر باہر سے آنے والے زائرین کی سہولت کے لیے بابِ صدیق اکبرؓ کھلا رکھا جاتا ہے۔ غالباً بابِ صدیق اکبرؓ حضور ﷺ کے اس فرمانِ ذی شان کے مطابق کھلا رکھا گیا ہوگا جس کے مطابق حضور ﷺ نے خود فرمایا تھا مسجد کے باقی تمام دروازے بند کر دیے جائیں سوائے بابِ صدیق کے۔

جس وقت ہم بابِ صدیق کی جانب جا رہے تھے اس وقت بڑی خنکی آمیز ہوا چل رہی تھی جس سے نکہتِ نور آنکھوں کو تازگی بخش رہی تھی مگر اندر کی کیفیت یہ تھی کہ تبِ شوق تیز تر ہو کر دل و جاں کو پگھلا رہی تھی۔ جوں جوں ہم دربارِ مصطفیٰ ﷺ کے قریب ہوتے جا رہے تھے مجھے اپنی ادبی کم مائیگی کا احساس شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ میں عقیدت و ارادت کی طشتری میں الفاظ کے جو نگینے آقا ﷺ کے حضور پیش کرنا چاہتا تھا وہ ایک ایک کر کے ذہن سے نکلتے جا رہے تھے۔ ہم بابِ صدیق سے داخل ہو کر سیدھے ریاض الجنہ پہنچ گئے۔ ریاض الجنہ کی پہچان یہ ہے کہ باقی تمام مسجدِ نبوی میں سرخ رنگ کا قالین بچھا ہوا ہے مگر بخشش و مغفرت کے اس مخصوص خطے پر سبز رنگ کا قالین بچھا ہے اور اس

Marfat.com

کے بارڈر پر سفید رنگ کی دھاری دار لکیریں لگی ہوئی ہیں۔ اگرچہ ساری مسجد نبوی فیوض و برکات سے مالا مال ہے مگر ریاض الجنہ کے ممیّز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد کا ایک حصہ عظمت وشان میں اتنا بلند ہے کہ اگر تمھیں اس حصے کا پتا چل جائے تو تم اس میں نوافل ادا کرنے کے لیے دنیا و مافیہا کو بھول جاؤ۔ حضور ﷺ کے وصال تک صحابہؓ کو جستجو رہی کہ وہ جگہ کون سی ہو سکتی ہے چنانچہ بعد میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے اس حصے کی نشاندہی کی۔ اس وقت سے لے کر آج تک اس کی تخصیص کر دی گئی ہے۔ محرابِ مقدس پر بھی سنہری حروف میں یہ عبارت درج ہے۔

''**ما بینی منبری و بینی روضتہ من الریاض الجنہ**'' یعنی میرے گھر اور منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

ہم نے ریاض الجنہ کے تمام حصوں میں نوافل ادا کیے حتّٰی کہ نوافل پڑھتے ہوئے مجھ ایسا غریقِ بحرِ عصیاں انسان آقائے نامدار فخرِ موجودات نبیِ رحمت کے محراب کے قریب جا پہنچا۔ وہاں پہلے برادرم اللہ دتا نے نوافل ادا کیے پھر انھوں نے میرا بازو پکڑ کر مجھے آگے کر دیا۔ چند لمحوں کے بعد حضور ﷺ کے اس خطا کار غلام کی پیشانی ٹھیک سرکار ﷺ کے قدموں میں تھی۔ اللہ اللہ میں نے سر سجدے میں رکھا تو آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

اے تفاخر! تمھیں وہ سعادت نصیب ہو رہی ہے جس پر اوجِ ارض و سما قربان کیا جا سکتا ہے۔ یہ عظیم سعادت حاصل کرنے کے بعد آقا ﷺ کے منبر کے قریب دو رکعت نوافل ادا کیے۔ جی بھر کر نوافل ادا کرنے کے بعد بائیں ہاتھ مڑ کر تقریباً دس قدم کے فاصلے پر پہنچا تو سامنے وجہِ نمودِ کائنات، سامنے وجہِ تسکینِ کائنات، سامنے وجہِ تخلیقِ کائنات مرکزِ انوار و تجلیات آقائے نامدار حضور سیدِ دو عالم ﷺ کا روضۂ اطہر تھا جس میں

Marfat.com

دولتِ ربِّ کائنات اپنے دو عزیز رفقا کے ساتھ محوِ استراحت تھی۔ میں آقا ﷺ کی آرام گاہ کے عین سامنے والے دائرے کے قریب کھڑا ہو گیا جس پر محمد رسول اللہ ﷺ درج ہے۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ یہی وہ قیمتی لمحے ہوتے ہیں جب بندگانِ ذوق و شوق دن بھر عقل و خرد کی گتھیاں سلجھانے کے بعد رات کو جہانِ شوق کے پروردگار کی بارگاہِ عظمت مرام میں حاضر ہوتے ہیں اور محبت کی منازل طے کرتے ہیں۔

محبت از نگاہش پائدار است
سلوکش عشق و مستی را عیار است
مقامش عبدہٗ آمد و لیکن
جہانِ شوق را پروردگار است

ترجمہ: ''حضور ﷺ کی نگاہ سے محبت کو پائیداری ملی ہے جس پر آپ ﷺ نے چلنے کے لیے کہا وہی عشق و مستی کا معیار ٹھہرا۔ ان کا مرتبہ اگرچہ عبدہٗ ہے لیکن آپ ﷺ عشق کے جہان کے پروردگار ہیں۔''

فرطِ جذباتِ محبت سے میری آنکھوں سے اشکوں کی برسات شروع ہو گئی۔ آنسوؤں میں اتنی روانی تھی کہ میری قمیص کا اگلا حصہ بھیگ گیا۔ میں بے خودی کے عالم میں نیچے گرنے ہی والا تھا کہ چودھری اللہ دتا نے مجھے بازوؤں میں تھام لیا اور کہنے لگے: ہوش کرو؛ اس وقت بارگاہِ نبوت میں کھڑے ہو۔ یہی تو وہ عرشِ اعظم سے نازک تر مقام ہے جہاں حاضر ہوتے وقت جنیدؒ و بایزیدؒ کی پنڈلیاں کانپنے لگتی تھیں۔ میں نے چودھری اللہ دتا سے ہولے سے عرض کیا: خدا کے لیے مجھے تھوڑی دیر کے لیے اسی عالمِ وجد میں رہنے دو۔ مجھے اپنے اشکوں کی برسات میں عکسِ رخِ حبیبِ کبریا ﷺ نظر آ رہا تھا۔

Marfat.com

بے خود کھڑا ہوں روضۂ اطہر کے سامنے
ذرہ ہے آفتابِ منوّر کے سامنے

میں نے نیاز و ناز کے اس حسین منظر میں محو ہو کر الفاظ و معانی سے ناتا جوڑتے ہوئے سلام عرض کیا۔

اے دانائے سُبل! ....

اے ختم رُسل..

اے مظہرِ جلال و جمالِ کبریا! اے صاحبِ لوح و قلم.............

اے نازشِ اقوام و مِلل ....

اے ذرۂ ریگ کو طلوعِ آفتاب دینے والے ....

اے شوکتِ سنجر و سلیم کو اپنے جلال کی خیرات عطا کرنے والے.............

اے فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ کو اپنے جمال کی تابانی عطا کرنے والے..............

اے عرب کے بدوؤں کو سلاطینِ وقت کی حشمت عطا کرنے والے.............

اے بلالؓ و بوذرؓ و سلمانؓ کو جواہرات کا امین بنانے والے.............

اے خون کے پیاسوں کو عبائیں اور قبائیں مرحمت فرمانے والے.............

اے صنم کدۂ جہاں کو توحیدِ ربانی کا مسکن بنا دینے والے.............

اے خزاں رسیدہ چمنِ دہر کو فصلِ گل و لالہ میں دائمی طور پر تبدیل کر دینے والے......

اے نانِ جویں سے شکم پروری کرنے والوں کو لولوئے لالہ کے خزینے بخشنے والے......

اے ابو بکر کو دولتِ فقر، عمر کو شکوہِ جلالت و سطوت، عثمان کو حیا و استغنا، علی المرتضیٰ کو خزینۂ شہامت و شجاعت سے بہرہ یاب کرنے والے.............

Marfat.com

اے بندگانِ قنوطیت کو اپنے تبسم کی خیرات سے مالا مال کرنے والے............

اے چشمِ حیدرِ کرّار کو لعابِ دہن سے صحت یابی عطا کرنے والے............

اے آستین میں خنجر چھپا کر رکھنے والوں کو دولتِ عفو و کرم سے نوازنے والے......

اے وحشیوں کو سلیقۂ زندگی سے آشنا کرنے والے............

اے چاروں خلفا کو رشتوں کی صورت میں اپنے دامنِ محبت سے وابستگی کا شرف بخشنے والے............

اے بے مایہ انسانوں کے سامنے دستِ طلب دراز کرنے والوں کو عزت وحمیت کی دولت عطا کرنے والے............

اے خاک نشینانِ صحرا کو شکوہِ دارا و سکندری مرحمت فرمانے والے............

اے مخدراتِ عالمِ انسانیت کو زیورِ عفت اور برہنہ سروں کو ثروتِ حیا عطا کرنے والے......

اے اقلیمِ فراست و تدبر کو شعورِ زیست بخشنے والے............

اے اپنے زعم میں ناخدایانِ بحر و بر بن جانے والوں کو پروردگارِ عالم کے جلال و کبریائی سے آشنا کرنے والے............

اے بحرِ مصائب و آلام میں غوطہ زنی کرنے والے افتادگان کو ساحلِ تسکین عطا کرنے والے............

اے بتانِ رنگ و نسل و عصبیت کو جلالِ حق کی ہیبت سے توڑ کر اس کی دھجیاں فضائے بسیط میں بکھیر دینے والے............

اے فدایانِ توحید و نبوت کو وقوعِ قیامت پر قربِ خداوندی کی نویدِ جانفزا سے سرفراز کرنے والے............

Marfat.com

اے سرفرازانِ جہاں کی اکڑی ہوئی گردنوں کو درِ خلاقِ دو جہاں پر خم کر دینے والے......

اے معوذ، معاذ اور صہیب کو تب وتابِ جاودانہ بنا دینے والے......................

اے خود پرستوں کو خدا پرستی، نفس پرستوں کو وفا پرستی، بدطینتوں کو حیا پرستی کے بیش قیمت تحائف بخش دینے والے......................

اے شتربانوں کو سلیقۂ سلطانیِ عالم عطا کرنے والے......................

اے شبِ معراج کہکشاں کو اپنے قدموں کی دھول کا نذرانہ بخشنے والے......................

اے غارِ حرا اور غارِ ثور کی رفعتوں کو اوجِ کمال کا تحفہ دینے والے......................

اے توحید کا قلادۂ غلامی پہننے والوں کو پیمانۂ کوثر و تسنیم عطا کر کے فرحت و انبساط سے سرشار کر دینے والے......................

اے مدینہ کی مٹی کو خاکِ شفا میں تبدیل کر دینے والے!

جس خاطی و عاصی کو تو نے عالمِ رویاء میں اپنی زیارت کے شرف سے مشرف کیا، آج اسی بے مایہ غلام کا سلامِ عاجزانہ قبول فرما۔ آپ ﷺ کا اسمِ گرامی ہی وجہِ سکونِ عالمِ انسانیت ہے۔ خیمہِ افلاک آپ ﷺ کے نامِ نامی کی برکت سے ایستادہ ہے، نبضِ ہستی آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی دلرُبا حرارت سے آمادۂ خرام ہے۔ کائناتِ آب وگل کی تمام تر رعنائیاں آپ ﷺ کے وجودِ مسعود سے قائم ہیں۔ آپ ﷺ کے وجودِ مقدس سے زمین کا جتنا حصہ مَس ہو رہا ہے وہ حصہ محدثین و مفسرین کے نزدیک بالاتفاق عرشِ اعظم کی رفعتوں سے بھی بلند تر ہے۔ تمام انبیا و رُسل میں آپ ﷺ کی منفرد شان یہ ہے کہ بقول ابوالکلام آزاد، قرآن میں خالقِ کائنات نے دیگر انبیا کو نام لے کر مخاطب کیا ہے مثلاً یا آدمُ، یا نوحُ، یا موسیٰ، مگر آپ ﷺ کو مخاطب کرتے وقت آپ ﷺ کے اسمِ گرامی سے نہیں پکارا گیا بلکہ

Marfat.com

یا یھا النبی کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کو یہ منفرد اعزاز بھی حاصل ہے کہ دیگر انبیا مخصوص و محدود علاقوں میں تعینات ہوتے رہے اور پھر ان کے صحائف ان کی قوموں کی تخریبی سوچ کی وجہ سے رطب و یابس کا مجموعہ بن گئے...... مگر جب حضور ﷺ کی تشریف آوری کا وقت آیا تو خالقِ ارض و سما نے اعلان فرما دیا کہ محبوب! اب خطے اور علاقے کی بات نہیں۔ اگر میں رب العالمین ہوں تو تم رحمۃ اللعالمین ہو گویا کائنات کا ہر خطہ حضور ختمی مرتبت کی شانِ رحمت سے فیض یاب ہو رہا ہے۔

فصحائے عرب و عجم آپ ﷺ کے روضۂ اطہر کی تجلیوں سے الفاظ کی خیرات لے کر اپنے خیالات کی ڈالی پہ سجا کر فنِ خطابت میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ شعرائے زمانہ اپنے کلام میں بانکپن پیدا کرنے کے لیے دولتِ تصور روضۂ اقدس کی جالیوں سے کشید کرتے ہیں۔ اقلیمِ حسن و عشق ہر لحظہ آپ ﷺ کے مرقدِ پُر انوار کا طواف کرتی ہے۔ انگارۂ خاکی یہیں سے یقین کا اثاثہ حاصل کر کے بال و پرِ روح الامین پیدا کرتا ہے۔ قلبِ انسانی میں ایمان و ایقان کا چراغ آپ ﷺ کے رخِ انور سے روشن ہے۔ آرام گاہِ نبوت ہی ناموسِ ماوطین ہے۔ گلِ لالہ و چنبیلی و نسترن حضور ﷺ کے پسینۂ اطہر سے خوشبو کا خزینہ لے کر انسانی مشامِ قلب و جاں کو تقسیم کرتے ہیں۔ سیارگانِ فلک کا تاجدار آفتاب طلوع ہوتے وقت آپ ﷺ کے رخِ انور کے جمالِ جہاں آرا سے تابانیت حاصل کرتا ہے اور رات کو کراتِ فلکی رخسارِ نبوت ﷺ کی تابش سے سب کو مطلعِ انوار بناتے ہیں۔

وہ گلشنِ جنت کی تمنا نہ کرے گا
جس نے ترے روضے کا سماں دیکھ لیا ہے

Marfat.com

روایت ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کے روضۂ اطہر کے اندر انوار و تجلیات کا جو نزول و کیفیت ہے اس کے اظہار کے لیے قرطاس و قلم سکت نہیں رکھتے۔ وہاں حاضری دیتے وقت بڑی بڑی سطوت و وجاہت والی شخصیات لرزہ براندام ہو جاتی ہیں۔ کہتے ہیں والیٔ اردن جب گنبدِ خضریٰ کی زیارت کے لیے آئے تو شاہ سعود کی خصوصی ہدایت پر بابِ آرام گاہِ نبوت کھولا گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی جمالِ مصطفوی کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے۔ میں دیر تک بالکل خاموش جامد و ساکت کھڑا، نذرانۂ وجدان پیش کرتا رہا۔ یہاں حکماً خاموش رہنا پڑتا ہے۔ چونکہ علما و صلحا کے ایک معتد بہ حصے کے مطابق آقائے نام دار اپنے روضۂ اطہر کے اندر روح معہ الجسد زندہ و جاوید ہیں اس لیے وہاں اونچی آواز نکالنا سُوادب ہے اور حبطِ اعمال کا باعث ہے۔

پھر دو قدم آگے بڑھ کر میں نے رفیق و مزاج شناسِ نبوت سیدنا صدیق اکبرؓ کی بارگاہ میں سلام عرض کیا۔ اس کائناتِ عالم میں آپ ﷺ ہی وہ واحد ہستی ہیں جنھیں سرکار رسالت مآب کی حیاتِ اقدس میں ہی سترہ نمازیں آپ ﷺ کے مصلّے پر پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔ مخالفتوں کے طوفان کے باوجود بھی اس سعادت عظمیٰ کو سب بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے آپؓ کو امیرِ حج بھی مقرر فرمایا۔ یہ دو فضائل ایسے ہیں جو اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکے۔ سرکار رسالت مآب ﷺ کے ساتھ وفا کیشی کی انتہا ہی ہے کہ آپ کو بعد از وصال بھی رفاقتِ ختم المرسلین نصیب ہوئی۔

میں نے آقا ﷺ کی خدمت میں صدیق اکبرؓ کا سوز و فقر حاصل کرنے کی استدعا کی۔ بقولِ اقبالؒ

Marfat.com

دگرگوں کرد لا دینی جہاں را
ز آثارِ بدن گفتند جاں را
ازاں فقرے کہ با صدیقؓ دادی
بشورے آور ایں آسودہ جاں را

(اقبالؒ)

ترجمہ: لادینی نے دنیا کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے یہاں تک کہ آج روح کو بھی جسم کی طرح مادی کہا جا رہا ہے۔ اس فقیری سے جو آپ ﷺ نے صدیقِ اکبرؓ کو عطا کی مسلمانوں کی آرام پسند جان میں ولولہ پیدا کریں۔

میں مزید ایک قدم آگے بڑھا اور شاہکارِ رسالت مرادِ رسول سیدنا عمر فاروقؓ کے حضور سلام کا نذرانہ پیش کیا۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی تھی: اعز الاسلام عمر ابن الخطاب اے اللہ عمر ابن خطاب سے اسلام کو عزت دے۔ دعا قبول ہوئی آپؓ کے دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے ہی فتح مندیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے دلوں سے کفار کی دہشت جاتی رہی۔ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں فاروقِ اعظم اعلان فرما رہے ہیں جو بھی کافر آج مجھے خانۂ خدا میں اللہ کی عبادت سے روکے گا اسے عمر کی تلوار کی دھار پر قدم رکھنا ہوگا۔ قریش لرز گئے اور پہلی مرتبہ مسلمانوں نے سرِ عام نمازِ حق ادا کی۔ اسی وجہ سے سرکارِ دو عالم ﷺ نے فاروقؓ کا خوب صورت لقب ارزانی کیا۔

ضوابطِ دین کی پابندی کی انتہا ہے؛ شراب نوشی کرنے اور جرم ثابت ہو جانے پر اپنے بیٹے پر حد جاری کر دی۔ بیٹے کی پیٹھ پر کوڑے برساتے ہوئے شفقتِ پدری سے آنکھیں اشک بار ہیں لیکن اَسّی دُرے پورے کر کے چھوڑے۔ اُدھر حد پوری ہوئی

Marfat.com

اِدھر بیٹے کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر رہی ہے۔ اسے مخاطب ہو کر کہتے ہیں: اے روحِ ابنِ عمر! آقائے گیتی پناہ کے حضور میرا سلام عرض کرنا اور دست بستہ کہنا کہ آپ ﷺ دینِ حق کے سنہری اصولوں کا جو تحفہ عطا کر گئے ہیں ان کی خلاف ورزی پر عمر نے اپنے بیٹے کو بھی نہیں بخشا۔ اللہ اللہ کیا عشقِ محمد ﷺ کا اظہار ہے۔

خلعتِ خلافت پہننے کے باوجود بھی پیوند لگا لباس زیبِ تن کرتے ہیں مگر سطوت و دبدبے کا یہ عالم کے قیصر و کسریٰ اپنے محلات میں بیٹھ کر بھی لرزہ براندام رہتے ہیں۔ شاہِ ایران اپنے قاصد کو بھیجتا ہے کہ جا کر دیکھو مسلمانوں کا وہ خلیفہ کیسا ہے جس کی وجاہت و جلالت سے انصاریٰ و یہود کے محلات کانپ رہے ہیں۔ قاصد مدینے میں آتا ہے۔ پوچھتا ہے تمھارا امیر عمر کون سے محل میں رہتا ہے؟ لوگ حیرت سے پوچھتے ہیں عمر اور محل؟ جاؤ جنگل میں چلے جاؤ، وہ کہیں اونٹ چرا رہے ہوں گے۔ قاصد دیکھتا ہے کہ عالمِ اسلام کا وہ خلیفہ جس کا نام سن کر بڑے بڑے شہنشاہوں کے دل لرز جاتے ہیں وہ ایک اینٹ کو سرہانا بنا کر پیوند لگے کپڑوں کے ساتھ فرشِ خاک پر محوِ استراحت ہے۔ وہ حیرت و استعجاب کی وادی میں کھو کر رہ گیا۔ یہی وہ عمر فاروقؓ ہیں جن کے دور میں اسلامی پرچم روم، شام اور فارس کی سرحدوں تک لہرانے لگا۔ خلفائے راشدین میں صرف آپؓ کا دور مکمل طمانیت و تسکین کا دور تھا۔ باقی تینوں خلفا کے دور میں شورشیں سر اٹھاتی رہیں ہیں اور شر پسندوں کی معاندانہ کاروائیوں سے فضا میں ارتعاش پیدا ہوتا رہا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ سطوتِ فاروقی کے سامنے کسی شورش پسند کو دم مارنے کی مجال نہیں تھی۔ شاید اسی لیے مائیکل ہارٹ نے تحریر کیا تھا کہ اگر مسلمانوں کو ایک اور عمر میسر آ جاتا تو پوری دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوتا۔

Marfat.com

تیری سطوت کا یہ عالم ہے کہ تیرے نام سے
کفر کے دل میں ہوا کرتا ہے اب بھی اختلاج
اٹھ کہ پھر انصاف کی گردن تہِ شمشیر ہے
آ کے پھر سارے زمانے کو ہے تیری احتیاج

رفیقانِ نبوت کے حضور سلام کہنے کے بعد میں چودھری اللہ دتا کے ہمراہ واپس ہوٹل چلا آیا۔ رات کی تنہائیوں میں اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے حضور عقیدت کے پھول پیش کرنے کا لطف ہی کچھ اور تھا اور اس سے سکون و تشفی کی جو دولت حاصل ہوئی اس کے اظہار سے میری زبان و قلم عاجز ہے۔ ع...... قلم زنکتہ فرو ماند و راز من باقیست

مدینہ منورہ میں پہلی رات اس مہمان نواز شخص چودھری اللہ دتا کے ہاں المدنی ہوٹل میں بسر کی...... ایک گھنٹہ آرام کرنے کے بعد حرم پاک سے بلند ہونے والی اذان نے خوابِ خرگوش سے بیدار کر دیا۔ اس اذان کی لے انسانی ذہن کے سوتوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ ذہن میں ایمان و ایقان کی ایک نئی لہر سی اٹھتی معلوم ہوتی ہے۔ اہلیہ کو جگایا، وضو کیا پھر مسجدِ نبوی پہنچ گئے۔ اسے بتایا کہ تم نماز اور صلواۃ و سلام عرض کرنے کے بعد فندق دارالتقویٰ کے قریب پہنچ جانا۔ نماز کے بعد کوئی گھنٹہ بھر انتظار کرنا پڑا۔ اس کے بعد ہم نے اپنی قیام گاہ کے قریب واقع ایک پاکستانی ہوٹل سے پائے خریدے۔ پائے اور دہی از حد لذیذ تھے۔ آقائے دو جہاں ﷺ کے ہاں پہلے ناشتے نے وہ سرشاری اور لذت عطا کی جو کبھی زندگی میں نصیب نہیں ہوئی۔ شب بیداری اور سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے بدن چور چور تھا۔ موبائل آف کیا اور سو گئے۔ بمشکل دو گھنٹے نیند کی ہوگی کہ یوں محسوس ہوا جیسے ظہر کی نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ موبائل آن کر کے وقت دیکھا تو ساڑھے دس بج رہے تھے۔

Marfat.com

اس دوران عزیزم ندیم کا فون آ گیا۔ معذرت کرنے لگا کہ آج دکان پر کام زیادہ ہونے کی وجہ سے نہیں آ سکوں گا، کل حاضر ہوں گا اور زیارتوں کے لیے روانہ ہوں گے۔ مجھے اس کی مجبوریوں کا شدت سے احساس تھا اس لیے میں نے کشادہ دلی سے ملاقات کا معاملہ اس پر چھوڑ دیا۔ اس سے ابھی بات ختم ہوئی ہی تھی کہ سپین سے عزیزم راشد محمود کا فون آ گیا۔ بڑی تفصیل سے احوال پوچھتا رہا۔ اس نے دعا کے لیے درخواست کی۔ میں نے کہا: میری دعاؤں کا محور تو تم ہی ہو۔ اب قبولیت کا شرف اس ذاتِ باری تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس سے تفصیلاً بات چیت ہوئی۔

اس کے بعد فوراً ریاض سے چودھری مبشر صاحب اور مشتاق صاحب کی کال آ گئی۔ ہمیں بہت ندامت محسوس ہو رہی تھی کہ ہم وعدے کے باوجود حاضر نہیں ہو پا رہے۔ بنیادی وجہ وہی سفری دستاویزات کے حصول میں رکاوٹ ہے۔ اگرچہ میں ان سے ملاقات کے لیے ازحد بے قرار تھا مگر یہ ملاقات کب اور کس جگہ ہوگی اس کا علم اللہ رب العزت کے پاس تھا۔ اس اثنا میں بارہ بج رہے تھے۔ میں نے نیچے جا کر بقالے سے بہت لذت آفریں جوسز خریدے، خاص طور پر سٹرابیری کا ملک شیک اتنا لذیذ تھا کہ بس بقولِ غالبؔ......

ع...... چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

ہر قسم کی کھجوریں پاس تھیں۔ ایک کھجور منہ میں رکھ کر ایک چسکی دودھ کی لی تو رگ رگ میں توانائی کے خزانے چھلکتے محسوس ہونے لگے۔ مجھے عرصہ چھ سال سے جو مرض لاحق تھا یعنی عارضۂ جگر۔۔۔ اور سوزشِ جگر کی وجہ سے جو بوجھ سینے کے نیچے دائیں طرف محسوس ہوتا تھا وہ یہاں قیام کے دوران بالکل ختم ہو گیا۔ اللہ کی جن نعمتوں کو میں نے پاکستان میں رہ کر اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا میں نے وہ وافر مقدار میں کھائیں۔ نتیجتاً ہر چیز

Marfat.com

باعثِ برکت بن گئی۔ سب سے بڑی اصلاح وفلاحِ دارین زم زم کی نعمت تھی۔ اب یہ انمول نعمت زائرین کے لیے مسجد نبوی میں بھی بکثرت پینے کو دستیاب ہے۔ میں نے آب زم زم اس کثرت سے نوشِ جاں کیا کہ وجود ہر بیماری اور آلائش سے منزہ معلوم ہونے لگا۔ حرم شریف میں زم زم پینے کے بعد خالی بوتلیں بھر کر ہوٹل میں لے آتا اور وقفے وقفے سے پیاس بجھاتا۔

نہا دھو کر نماز ظہر کے لیے پھر روانگی ہوگئی۔ مجھے اس التزام کا بھرپور احساس تھا کہ چالیس نمازیں مسجدِ نبوی میں باجماعت ادا کی جائیں پھر نجانے مقدر مہربان ہو یا نہ ہو۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد المدنی ہوٹل چلا آیا اور چودھری اللہ دتا صاحب سے مختلف موضوعات پر گپ شپ ہوتی رہی۔ نمازِ ظہر کے بعد عورتوں کو حضور ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کروائی جاتی ہے اس لیے اہلیہ مسجدِ نبوی میں رک گئی۔ چودھری اللہ دتا نے ایک خوش قسمت انسان کی ایک چھوٹی سی کتاب مطالعہ کے لیے دی جو پندرہ سال سے ہر برس حاضری کے لیے آتے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں حاضری کے تاثرات رقم کیے تھے۔ یہ کتاب ارضِ مدینہ منورہ اور مکہ شریف سے ایک عقیدت کی علامت ضرور تھی مگر ادبی چاشنی سے بالکل عنقا۔ بہر حال شرفِ قبولیت کے لیے ادبی یا غیر ادبی ہونے کا سوال کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہاں تو ظرف کا سوال ہے؛ جس کا جتنا ظرف ہوگا اسی اعتبار سے قبولیت کی خیرات عطا ہوگی۔

بر کفِ جامِ شریعت بر کفِ سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

میں اللہ دتا صاحب سے مدینہ منورہ کی ہواؤں، فضاؤں، موسمی نزاکتوں اور

Marfat.com

پُر کیف و پُر نور گھٹاؤں کے بارے میں گفتگو کرتا رہا۔ جی چاہتا تھا کہ اس موضوع پر تبادلۂ خیالات کا سلسلہ دراز تر ہوتا چلا جائے کہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا اور میں نماز کے بعد ہر صورت جنت البقیع میں حاضری دینا چاہتا تھا۔ نماز با جماعت ادا کی۔ حضور ﷺ کے دربارِ دُر بار میں سلام عرض کیا اور سیدھا جنت البقیع چلا گیا۔ جنت البقیع کے گرداگرداب فصیل کھینچ دی گئی ہے اور اوپر خار دار تار لگا دیے گئے ہیں اور بہت بڑا آہنی دروازہ لگا کر اسے مقفل کر دیا جاتا ہے جو مخصوص اوقات میں کھولا جاتا ہے۔ جنت البقیع میں زیادہ تعداد ایرانی زائرین کی تھی۔ داخل ہوتے ہی میں سب سے پہلے مخدومۂ کائنات سیدۃ النسا فاطمۃ الزہرا کے مزارِ اقدس پر حاضر ہو کر نذرانہ وجدان پیش کرنا چاہتا تھا۔ وہ مزار کون سا ہوگا، یہ اندازہ لگانے کے لیے میرا فیصلہ یہ تھا کہ جس قبر اطہر پر ایرانی زائرین کا ہجوم زیادہ ہو گا وہ یقیناً جگر گوشۂ سید الابرار ﷺ کی قبرِ اطہر ہوگی کیوں کہ مجھے اس بات کا علم تھا کہ مکہ شریف میں شرک کے خوف سے جو حال جنت المعلیٰ میں زوجۂ محترمہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ، جناب ابو طالب اور دیگر بزرگوں کے مزارات کا تھا۔ اس سے بدتر سلوک جنت البقیع میں کیا گیا ہوگا۔ میرا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ میں مخدرات عالمِ اسلام کی اس سردار کی آرام گاہ پر حاضر تھا جسے آقا ﷺ اپنے جگر کا ٹکڑا کہتے تھے۔ تشریف لاتیں تو آقائے گیتی پناہ ﷺ فرطِ محبت سے کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک خاتونِ جنت خود نہ بیٹھ جاتیں۔ میں اس جگر گوشۂ آقائے نامدار ﷺ کے حضور حاضر تھا جسے غزوات پہ تشریف لے جاتے وقت سب سے آخر میں شرفِ ملاقات بخشتے اور واپس تشریف لاتے وقت سب سے پہلے اپنے جمالِ جہاں آرا سے فیض یاب کرتے اور پیشانی پر بوسہ دیتے۔

Marfat.com

میں اُس تفاخرِ عفت و عصمت کے حضور کھڑا تھا جس کی حیا و آبرو کا عالم یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے جب میدانِ محشر بپا ہوگا اور حضور ﷺ کی امت پلِ صراط سے گزر رہی ہوگی عین اس وقت آسمان سے ندا آئے گی: دنیا والو! اب اپنی آنکھیں بند کرلو، محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ گزرنے والی ہے اور پھر سیدۃ النساء ستر ہزار حوروں کے جلو میں بجلی کی سی تیزی سے گزر جائیں گی۔ تفاخر سا پُر زعصیاں انسان کائنات کی اس رفیع الشان مظلوم مگر سب سے محترم و محتشم و سراپا قدس خاتون کے حضور کھڑا تھا جس کے ایک بیٹے کو معاندینِ اہلِ بیت نے ان کی بیوی جعدہ بنتِ اشعث سے زہر پلوا دیا تھا جس کے ہیبت ناک اثر سے ان کی انتڑیاں کٹ کٹ کر گرنے لگیں اور دوسرے بیٹے کو بجرمِ ''بغاوت'' و حق پرستی مع اہل و عیال کربلا کے تپتے ہوئے صحرا پر بے دردی سے شہید کر دیا گیا اور پھر سرِ اقدس کاٹ کر اسے نوکِ سناں پر رکھ کر تمسخر اڑایا گیا کہ یہ ہوتی ہے (نعوذ باللہ) باغیوں کی سزا۔

ان بہتر نفوسِ قدسیہ کو شہید کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی گئی بلکہ ان کے اجسامِ مطہرہ کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا گیا حتیٰ کہ شرم و حیا کی حدود کی تمام دھجیاں فضا میں بکھیرتے ہوئے خیموں کو آگ تک لگا دی گئی۔ اس دوران امامِ مظلومؓ کی چھے سال کی بچی جناب سیدہ سکینہ قرآن پاک کا ایک نسخہ لے کر دوڑ رہی ہیں (جس کی حفاظت کے لیے ان متبرک ہستیوں نے جانوں کے نذرانے پیش کیے تھے) یزیدی فوج کا ایک ناہنجار آپ کے پیچھے پیچھے بھاگا کہ شاید اس بچی کے پاس کوئی خزانہ ہے جسے سینے سے لگا کر دوڑ رہی ہے۔ جب اس خبیث کا دستِ بے حیا جناب سکینہ کو چھونے کے لیے آگے گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''ظالم انسان! مجھے ہاتھ مت لگانا میں حسین کی بیٹی ہوں''۔ اس نے کہا: تمھارے پاس کوئی خزانہ ہے جس کو بچانے کے لیے دوڑ رہی ہو۔ جناب سکینہ نے فرمایا: ہاں میرے

Marfat.com

پاس خزانہ تو ہے مگر یہ تمھارے والا نہیں، یہ وہ خزانہ ہے جو میرے ابا جان کے نانا محترم حضور ﷺ کے سینہ اطہر پر اللہ نے عرش سے نازل کیا ہے۔ مولانا مودودی ''خلافت وملوکیت'' میں تحریر کرتے ہیں کہ یزید میں انسانی شرافت کی ذراسی بھی رمق ہوتی تو وہ سوچتا کہ فتح مکہ کے موقع پر رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اس کے خاندان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا۔ اس کے دادا ابوسفیان کے گھر کو جائے قرار، قرار دیا اور اس کی تمام سفاکیوں کو معاف کر دیا اور اس کا پوتا یزید چمنستانِ اہلِ بیت کی نازک اندام کلیوں کو (معاذ اللہ) پاؤں تلے مسل رہا ہے اور پھر بربریت اور حیاباختگی کی انتہا کہ ملکۂ حریت وحمیت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اور خاندانِ نبوت کی دیگر پاک باز و پاک نگاہ خواتین کو بے ردائی کے عالم میں کوفہ وشام کے بازاروں میں بے حیا نظروں کا تماشا بنایا گیا۔

جنگ میں خنجرِ قاتل کے تلے آلِ بتول
دشت میں زینبؓ وصغریٰؓ کے لیے رنج ومحن

جب نوکِ سناں پر سفر کرتا ہوا سیدہ فاطمہ کے جگر پارے سیدنا امامِ حسینؓ کا سرِ اقدس دربارِ یزید میں پہنچا۔ ولی بن اصحی نے نیزے سے سر اُتار کر یزید کے سامنے رکھا تو رعونت وتکبر کے اس ارزل واسفل بادشاہ نے انتہائی حقارت سے اپنی چھڑی لبِ حسینؓ کو لگائی اور کہا: ''تمھیں اپنے نسب پر بڑا ناز تھا'' وہاں ایک بوڑھے صحابی (زید بن ارقم) تشریف فرما تھے۔ یزید کی یہ سوقیانہ حرکت دیکھ کر تڑپ اٹھے، کہنے لگے: او نابکار! ''اپنی چھڑی کو بوسہ گاہِ مصطفیٰ ﷺ سے ہٹا لے۔ خدا کی قسم میں نے بارہا اپنی آنکھوں سے رحمۃ اللعالمین ﷺ کو لبِ حسینؓ کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے''۔ یزید چیخ کر کہنے لگا: اگر مجھے تمھاری پیرانہ سالی کا احساس نہ ہوتا تو تمھارا سر بھی قلم کر دیتا۔ فضلائے دین

Marfat.com

اپنے مخصوص انداز میں تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ کی ولیہ حضرت رابعہ بصریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ دنیا بہت گمراہ ہو چکی ہے، چاروں جانب ظلمت کی چنگاریاں رقص کر رہی ہیں، دعا فرمائیں اللہ رب العزت کوئی حسین پیدا کرے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک پڑے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: میں دعا کرتی ہوں اللہ رب العزت کوئی فاطمۃ الزہرا پیدا کرے جس کی گود میں حسینؓ جیسے بچے جوان ہوں جو احساسِ تقدیس و حرمت سے سرشار ہوں۔ بقولِ اقبالؒ

اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار اُمت بمیرد تُو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازاں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

(اقبالؒ)

ترجمہ: اگر تو اس درویش کی نصیحت پلے باندھ لے، ہزاروں قومیں مر جائیں گی تو نہ مرے گی۔ سیدہ فاطمہؓ کی خصلتیں اپنا اور اس دور سے پنہاں رہ تاکہ تُو کسی شبیر کو جنم دے سکے۔

میں دیر تک سیدہ فاطمہؓ کی آرام گاہ پر آنسو بہاتا رہا اور سلاطینِ عرب کی جفا کیشی پر تلملاتا رہا کہ اگر یہ مزارات سلامت رہتے تو کون سا شرک عود کر آتا۔ خدا کی قسم میں ضعیف الاعتقاد نہیں ہوں۔ میں اس کائنات کا مرکز و محور توحیدِ الٰہی کو تصور کرتا ہوں اور اس نظریے سے یک سرمو انحراف بھی دارالبوار میں دھکیلنے کے لیے کافی ہے مگر میں ایسی مہتمم بالشان ہستیوں کی آرام گاہوں کو اللہ کی نشانیاں سمجھتا ہوں۔ میں عربوں کی اس بے حسی پر ماتم کرتا

Marfat.com

ہوا حضور سید دو عالم کی دیگر صاحب زادیوں اور صاحب زادوں کے بے نشان مزاروں پر گیا۔ جب میں شہیدِ مظلوم سیدنا عثمانِ ذوالنورین کے مزارِ اقدس پر پہنچا تو چیخیں نکل گئیں۔

یادوں کی لٹی بزم میں ہوتا ہے چراغاں
اشکوں نے بھی ویران مزاروں کو چُنا ہے

پیکرِ حیا، جامع القرآن، کامل الحیائے والایمان سیدنا عثمان ذوالنورین کی قبر کے ساتھ بھی وہی بے رحمانہ سلوک۔ یہ وہ امامِ مظلوم ہے جس نے غزوۂ تبوک کے موقع پر مال و دولت سے لدے ہوئے ستر اونٹ پیغمبرِ خدا کے حضور پیش کر دیے تھے۔ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان کی یہ لامثال فیاضی دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اب عثمان جو چاہے کرے جنت کے ساتوں دروازے اس کے لیے کھول دیے گئے ہیں۔ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لکل نبی رفیقی و رفیقی فی الجنه یعنی عثمان** ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور جنت میں میرا رفیق عثمان ہوگا۔ مگر ستم ظریفیِ فطرت کہ خود کو دنیا بھر کے دانش وروں سے ارفع سمجھنے والے ایک تخلیق کار (یہ وہی تخلیق کار ہیں جن کے قلم کا دھارا سفرنامہ حجاز سے مڑ کر متنازعہ مسائل کی طرف ملتفت ہو گیا) اپنی تازہ کتاب میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ حضرت عثمان نے نوخیز بچوں سے قرآن جمع کروایا (اس جملے کا صاف مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ خلیفۂ ثالث دامادِ رسول ﷺ حضرت عثمانؓ بددیانت تھے اور انھوں نے جان بوجھ کر قرآن کا کچھ حصہ شامل نہیں ہونے دیا) یہ صاحب اس سے پہلے سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کو بھی ہدفِ تنقید بنا چکے ہیں اور سارا زورِ قلم یہ ثابت کرنے پر لگا دیا کہ (العیاذ باللہ) شیخینؓ کی ساری زندگی سازشیں کرتے گزری۔ بہرحال یہ بات ضمناً تحریر کرنا پڑی۔ میں اختلافی امور کو ہوا دے کر نفرت کی آمیزش سے اس مقدس داستان کو آلودہ نہیں

Marfat.com

کرنا چاہتا۔ میری دعا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر ہمیں تمام وابستگانِ دربارِ نبوت کے احترام کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

میں عرض کر رہا تھا کہ اس تاریخی قبرستان میں ایسی ایسی ملکوتی صفات شخصیات آسودۂ خاک ہیں جنھیں موت بھی جینے کی دعا دیتی ہے؛ جن کے رفعتِ کردار پہ آسمان کو بھی رشک آتا ہے۔

حضرت اُمِّ سلمٰی کے مزار پر پہنچا تو وہ معروف خواب یاد آ گیا جس میں آپؓ نے حضور ﷺ کو پریشانی کے عالم میں دیکھا۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ کا رخ والضحیٰ غبار میں اٹا ہوا ہے، زلفِ واللیل کے پیچ وخم بھی گرد آلود ہیں۔ میں نے پریشانی کی وجہ پوچھی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: کچھ نہ پوچھو میں اس وقت مقتلِ حسینؓ سے آ رہا ہوں۔ میرے نازک اندام نواسے کو ابوسفیان کے پوتے نے شہید کر دیا ہے۔ اُمِ سلمٰی اس روز اتنا روئیں کہ دامنِ زوجۂ رسول ﷺ تر ہو گیا۔ کامل ایمان کی نشانی اور غریقِ بحرِ عشقِ رسول ﷺ، ابوسفیان کی بیٹی حضرت اُمِ حبیبہ بھی یہیں تشریف فرما ہیں۔ ابوسفیان قبول اسلام سے پہلے بیٹی سے ملنے گھر آتے ہیں، بسترِ نبوت پر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں، سراپا غیرت وحمیت اُمِ حبیبہؓ جلدی سے بستر لپیٹ دیتی ہیں۔ ابوسفیان نے پوچھا: بیٹی! یہ کیا؟ اپنے باپ سے ایسا اجنبی طرزِ عمل؟ فرماتی ہیں: ابا جان! بسترِ نبوت پر بیٹھنے کے لیے دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہونا ضروری ہے۔ اللہ اللہ ایسی نیک طینت ہستیوں کو حضور ﷺ سے کیسا جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ اُمُ المساکین حضرت زینب کا درِ فیض مساکین کے لیے ہر وقت باز رہتا۔

حضور ﷺ کی صاحب زادیاں سیدہ فاطمہؓ کی ہمشیرگان سب جنت البقیع میں

Marfat.com

اپنے اپنے مزارات میں پڑی عربوں کی بے حسی پر نوحہ کناں ہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد حضور ﷺ کو جس زوجہ سے سب سے زیادہ لگاؤ تھا وہ بنتِ صدیقِ اکبرؓ سیدہ عائشہ صدیقہؓ ہیں۔ آپ ﷺ پیار سے انھیں حمیرا کہا کرتے تھے، حتیٰ کہ یہ اسی محبت کا تسلسل تھا کہ رحمتِ دو عالم ﷺ نے وصال سے پہلے دیگر ازواج مطہرات سے خصوصی اجازت لے کر آخری لمحات حضرت عائشہؓ کے حجرے میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کے وقت آپ ﷺ کا سرِ اقدس بھی حضرت عائشہؓ کی آغوش میں تھا۔ یہی وہ ہستی ہیں جن کی عفت و عصمت کی گواہی خود خالقِ کائنات نے دی۔ حضور ﷺ انھی کے حجرہ مبارک میں محوِ استراحت ہیں۔ سیدہ عائشہؓ بھی جنت البقیع میں دفن ہیں۔

میں قبروں کے درمیان بنی پگڈنڈی سے ہوتا ہوا ذرا آگے گیا تو کچھ لوگ ایک بے نشان جگہ پر کھڑے فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ میں نے قبر کے بارے میں استفسار کیا، کسی نے بتایا اس جگہ سید الکونین ﷺ کی دایہ مبارکہ حضرت حلیمہ سعدیہ مدفون ہیں۔ میں اس خوش مقدر خاتون کی قبر کی حالتِ زار پر رو دیا۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے حضرت حلیمہ کا تنکوں بنا آشیانہ نازشِ قصرِ سکندری بن گیا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اس کٹیا میں تاج دارِ عرب و عجم پرورش پا رہے تھے۔

میں عاشقِ رسولِ مقبول ﷺ حضرت امام مالک کے مزارِ اقدس پر بھی گیا جو جنت البقیع میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ چند قدم کے فاصلے پر واقع ہے۔ حکما نے انھی کے متعلق تحریر کیا ہے۔ آپؒ مدینہ شریف میں داخل ہوتے ہی اپنے جوتے اتار کر ہاتھ میں پکڑ لیتے اور مدینۃ الرسول ﷺ میں ننگے پاؤں محوِ خرام رہتے۔ احترامِ نبوت میں ڈوب جانے والی یہ ہستی کہا کرتی تھی: میں اس نا ہنجار کو سو دُرّے لگاؤں گا جو مدینہ شریف کے موسم کی

Marfat.com

شکایت کرے گا۔ ان سب بے عدیل ہستیوں کی قبریں بادشاہانِ وقت کی بے اعتنائی و رعونت کا شکار ہیں۔

زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں
ان کی قبروں کا بھی اب ہم کو پتا ملتا نہیں

جنت البقیع میں زیارتوں کی سعادتیں سمیٹتے مغرب کا وقت ہو گیا۔ نماز ادا کی، زم زم سے شکم سیری کی، حسبِ روایت دارالتقویٰ ہوٹل کے سایے میں اہلیہ کا انتظار کرنے لگا اور ساتھ ہی نظریں نیچی جما کر بازار میں اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔ کراچی کے اک باذوق اردو سپیکنگ زائر نے پوچھا: بھئی کیا تلاش کرتے ہو؟ میرے منہ سے غیر ارادی طور پر فوراً یہ جملہ نکل گیا۔ ''میں نقشِ کفِ پائے مصطفیٰ ﷺ تلاش کر رہا ہوں''۔ وہ کوئی ادب نواز انسان معلوم ہوتا تھا۔ جملہ سنتے ہی مجھ سے لپٹ گیا۔ کہنے لگا: جب سے یہاں آیا ہوں پہلی مرتبہ اتنا خوب صورت جملہ سنا ہے۔ آؤ ہم دونوں مل کر شمع کشتگانِ رسالت حضور ﷺ کے قدموں کی دھول تلاش کرتے ہیں اور اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے ہیں۔ اس کے لہجے میں بڑی رقت تھی۔ ہم دونوں رو دیے۔

اہلیہ آ گئی تو ہوٹل سے کھانا لیا۔ اطمینان سے کھانا کھایا۔ دیارِ رسول ﷺ میں یہ دوسری رات کا کھانا تھا۔ کھانا کھانے کا جو لطف شہرِ مدینہ میں آیا وہ جہاں بھر کے نعائم میں کہاں ۔۔۔ پاس انواع واقسام کے مشروبات پڑے ہوئے، اتنا حظ اٹھایا کہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے شہرِ ختمی مرتبت میں ایک چیز شدت سے محسوس کی کہ مبدا فیاض نے رزق کی جو فراوانی اور اس میں لطافت اس خطے کو عطا کر رکھی ہے وہ بلا مبالغہ دنیا کے کسی اور شہر میں نہیں اور میرے نزدیک اس بات میں دو آرا نہیں ہو سکتیں کہ یہ

Marfat.com

لطف وعنایت محض آقائے دو جہاں کے وجودِ مسعود کا فیضان ہے۔ یہ وہ شہرِ بے مثال ہے جہاں ہزاروں فدایانِ محبوبِ دو جہاں حاضری کے لیے آتے ہیں اور اپنا نقدِ دل و جاں آقا ﷺ کے قدموں میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اعظم چشتی مرحوم و مغفورؒ نے کیا خوب صورت کہا:

یاد آتی ہے مجھے اہلِ مدینہ کی یہ بات
زندہ رہنا ہو تو انسان مدینے میں رہے

عشا کی نماز کے لیے جانے لگے تو عزیزم ندیم کا فون آ گیا کہ سر میں صبح زیارتوں پر جانے کے لیے ضروری حاضر ہوں گا۔ میں نے اب معمول بنا لیا تھا کہ مسجد نبوی میں صرف پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی پر اکتفا کرتا اور نمازِ عشا کے فوراً بعد سو جاتا۔ نصف شب کو اٹھتا، وضو کرتا اور آقا ﷺ کے حضور حاضر ہو جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ذہنی طور پر بیدار ہو تو عشقِ رسول ﷺ کی لذت تڑپا کر رکھ دیتی ہے۔ حسبِ معمول ساڑھے بارہ بجے اٹھا، غسل کیا، اپنی مخصوص ڈائری ساتھ لی، بابِ صدیقِ اکبرؓ میں سے ہوتا ہوا ریاض الجنہ جا پہنچا۔ تمام صفوں کی تمام جگہوں پر اور تمام ستونوں کے قریب نوافل ادا کیے۔ اصحابِ صُفّہ کے چبوترے پر نوافل ادا کیے۔ حضور ﷺ نے مسجدِ نبوی تعمیر کی تو اس چھوٹی سی مگر عظیم قطعہ زمین کو اسلام کی پہلی درس گاہ ہونے کا شرف بخشا۔ آپ ﷺ نے اصحابِ صُفّہ کو بڑی اہمیت کا حامل قرار دیا تھا۔ یہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز وہ اللہ والے تھے جن کے قلب و ذہن میں حصولِ علم دین کا سودا سمایا ہوا تھا۔ یہ جویندگانِ علم براہ راست درس گاہِ نبوت سے فیض حاصل کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ان اہل اللہ کے کھانے کا انتظام و انصرام صاحبِ ثروت حضرات کے ذمے لگا رکھا تھا اور یہ صاحبانِ دولت اصحابِ صُفّہ کی خدمت

Marfat.com

کر کے فخر محسوس کرتے۔ ان دنوں اس چبوترے پر کچھ صاحبِ دل قسم کے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں جو ذکر و فکر میں مصروف رہتے ہیں۔ مجھے رات کو اکثر اس متبرک جگہ پر نوافل ادا کرنے کا موقع مل جاتا۔ بہر حال میں نے حضور ﷺ کے دربار میں سلام عرض کیا اور پھر چند قدم ہٹ کر ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ قرطاس و قلم کے ساتھ محبت کرنے والے جانتے ہیں کہ جذبات و عقیدت کا مرکز و محور سامنے ہو تو ایک تخلیق کار کے دل کی کیا کیفیات ہو سکتی ہیں۔ جو نعت حالتِ فراق میں کہی جائے اس کا رنگ کیا ہوتا ہے اور جو نذرانہ بوقتِ وصال پیش کیا جائے اس کا رنگِ عقیدت کیسا ہوتا ہے۔ اس فرق کو کوئی غریقِ بحرِ محبت ہی سمجھ سکتا ہے۔ میں نے بیس فروری کی رات کو عشق کی جس کیفیت کا اظہار کیا میرا ایمان ہے کہ میرے آقا ﷺ ضرور اس اپنے ادنیٰ غلام کو چشمِ عنایت سے دیکھ رہے تھے بلکہ اہلِ فن و ارادت اگر مجھے یہ کہنے کی اجازت دیں تو اس بات کا اظہار کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ میں نے حضور ﷺ کے روضۂ اطہر کے سامنے بیٹھ کر جو منظوم نذرانۂ عقیدت پیش کیا اس کا تخیل، اوزان و بحور، ردیف قافیہ اور بندشِ الفاظ تاج دارِ فراست و شعور حضور سرورِ کونین خود عطا فرما رہے تھے۔ میں بارہا نعت کے بارے میں تفصیلاً اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں۔ یہ کارِ طفلاں نہیں ہوتا بس ایک کارگہِ شیشہ گری ہوتی ہے۔ میں نے اپنی پہلی نعت اسی رات کو ڈیڑھ بجے بارگاہِ رسالت مآب میں پیش کی۔ اس کے پہلے شعر کا دوسرا مصرع اپنے شفیقِ مکرّم جناب منیر صابری کنجاہی سے مستعار لیا تھا۔ انھوں نے کمال شفقت سے میری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور مسکراتے ہوئے مجھے یہ مصرعہ مرحمت فرما دیا۔ اس کرم فرمائی کے لیے میں صمیمِ قلب سے ان کا شکر گزار ہوں۔ مصرع یہ تھا...... ع

......"تیرے دربان جھڑکتے ہیں تو رو لیتا ہوں"...... میں نے اس مصرعے کے ساتھ مطلع

Marfat.com

یوں مکمل کیا۔

اشک پلکوں پہ عقیدت کے پرو لیتا ہوں
تیرے دربان جھڑکتے ہیں تو رو لیتا ہوں

اور مقطع یوں عرض کیا

نعت لکھتے ہوئے روضے کے قریں، ہاتھوں کو
آبِ زم زم میں تفاخر میں ڈبو لیتا ہوں

آقائے انفس و آفاق کے حضور یہ نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے بار بار عالمِ بے خودی طاری ہو جاتا۔ حضور ﷺ کی اس ثنا خوانی کے نتیجے میں خالقِ کائنات کی طرف سے اس ننگِ خلائق کو جو صلہ ملا اس کا تذکرہ اِجمالی طور پر ''متاعِ گراں مایہ'' کے عنوان سے کتاب کے آخر میں کروں گا۔

صبح اکیس فروری کو دس بجے قریب حسبِ وعدہ عزیزم ندیم اپنے ایک دوست حافظ طارق محمود صاحب کے ساتھ فندق السفیر السکنی آ گئے۔ حافظ طارق محمود صاحب اپنی ذاتی گاڑی ساتھ لے کر آئے تھے۔ حافظ صاحب شفقت و محبت کی مٹی میں گندھے ہوئے انسان ہیں۔ آپ دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور تیرہ برس کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔ وہ عرصہ پندرہ سال سے مدینہ منورہ میں بسلسلہ روزگار مقیم ہیں۔ عربی زبان بولنے پر کامل دستگاہ رکھتے ہیں اور اس سلاست سے عربی بولتے ہیں کہ فطرتاً ان کے عربی ہونے پر گمان ہونے لگتا ہے۔ خلوص و وفا کی اگر کامل تصویر دیکھنی ہو تو حافظ صاحب کا نام لیا جا سکتا ہے۔ عبدالحمید عدؔم یاد آ گئے۔

تذکرہ جب وفا کا ہوتا ہے
میں تمھاری مثال دیتا ہوں

Marfat.com

ساڑھے دس بجے کے قریب ہم مدینہ منورہ کے مضافات میں موجود مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ حافظ صاحب سب سے پہلے ہمیں جبلِ احد کی جانب لے چلے۔ یہ عظیم الشان اور رفیع المرتبت پہاڑ مدینہ طیبہ کے شمال کی جانب تقریباً چھے کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ از روئے کتبِ حدیث وسیَر کوہِ احد کے بے شمار فضائل ہیں جو تواتر کے ساتھ حدیث میں موجود ہیں۔ آقائے دو جہاں کا ارشادِ گرامی ہے: "یہ جنت کا پہاڑ ہے میں اس سے اور یہ مجھ سے محبت کرتا ہے"۔ ایک بار آپ ﷺ اپنے تین رفقا سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمانِ غنیؓ کے ساتھ احد پہاڑ پر چڑھے تو وہ فرطِ محبت سے لرزنے لگا۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: اے احد ٹھہر جا! اس وقت تجھ پر ایک پیغمبر آخر الزماں، ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ احد میں ٹھہراؤ آ گیا۔

جبلِ احد کے قریب جانے سے خوف و جلالِ خدا کا بھی اظہار ہوتا ہے اور جمال و عظمتِ مصطفیٰ ﷺ بھی جھلکتی ہے۔ اس پُر شکوہ پہاڑ کے ساتھ شجاعت اور شوکت وسطوت کی ایک زبردست داستان وابستہ ہے۔ ہماری گاڑی سب سے پہلے اس گھاٹی کے قریب رُکی جس پر حربی تاریخ کے سب سے رفیع الشان جرنیل حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کی سربراہی میں پچاس تیر اندازوں کو اس نصیحت کے ساتھ کھڑا کیا تھا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تمھارے پاؤں میں جنبش نہیں آنی چاہیے۔ ہم اس گھاٹی پر پہنچ گئے۔ اگرچہ میں جنگی حکمتِ عملی اور اس کے اسرار و رموز سے واقف تو نہیں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ حضور سرورِ کونین ﷺ نے یقیناً کسی لا مثال حربی حکمتِ عملی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہاں تیر انداز کھڑے کیے تھے۔ ہمارے ملک کے نامور دفاعی مبصر بریگیڈیئر گلزار

Marfat.com

احمد (مرحوم) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''غزواتِ رسول ﷺ'' میں تحریر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے غزوات میں جتنے بھی حربی اقدامات اٹھائے ہیں دنیا بھر کے جرنیل مل کر بھی ان کی کُنہ تک نہیں پہنچ سکتے بالخصوص جنگِ احد جس کے نام کے ساتھ شجاعت و بسالت کی آبرو وابستہ ہے، حضور ﷺ کی جنگی موشگافیوں کا نکتۂ معراج ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جب گھمسان کا رن پڑا اور فدایانِ اسلام کفر کی کمر توڑنے والے تھے کہ وہ پچاس تیر انداز جنھیں حکم تھا کہ فتح ہو یا شکست تم کسی صورت یہاں سے نہ ہلو گے، انھوں نے فرمانِ رسول ﷺ کو پسِ پشت ڈال دیا۔ ان کے پائے ثبات میں لرزش آ گئی اور مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کے شوق میں گھاٹی خالی کر گئے۔ اگرچہ عبداللہ بن جبیر نے انھیں لاکھ سمجھایا اور قولِ رسول ﷺ یاد دلایا مگر ان کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔

عین اس وقت جب کہ معرکۂ حق و باطل عروج پر تھا اور کفار لڑکھڑا کر بھاگنے والے تھے کہ خالد بن ولید (جو بعد میں اسلام لا کر مسلمانوں کے عظیم جرنیل ثابت ہوئے) نے وہ گھاٹی خالی پا کر مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر نے چند لمحے مقابلہ کیا مگر عقابی نگاہ رکھنے والے خالد بن ولید کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور شہید ہو گئے۔ وہ کفارِ مکہ جو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے جب انھوں نے خالد کے دلیرانہ اقدام کو دیکھا تو پلٹ کر یکبارگی مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ حضور ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو آپ ﷺ پہاڑ کی دوسری جانب ایک گھاٹی میں اپنے رفقا مصعب بن عمیرؓ، سیدنا علیؓ اور سیدنا صدیق اکبرؓ کے ساتھ چلے گئے۔ (اس گھاٹی سے اب بھی خوشبو آتی ہے) کفار نے مسلمانوں کی ہزیمت دیکھ کر سارا زور اس گھاٹی پر حملہ کرنے میں لگا دیا۔ حملہ اتنا شدید تھا کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے دو دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ سیدنا حمزہ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہ کی تلواریں کافروں کو گاجر مولی

Marfat.com

کی طرح کاٹ رہی تھیں۔

آزمائش کی اس گھڑی میں ایک لرزہ خیز واقعہ رونما ہوا جس نے فداکارانِ نبوت کو حواس باختہ کر دیا، یہ کہ لشکرِ اسلام کے علم بردار حضرت مصعب بن عمیرؓ شہید ہو گئے۔ ان کے خدوخال سرورِ کائنات ﷺ سے ملتے جلتے تھے۔ کسی شرپسند نے مشہور کر دیا کہ (معاذاللہ) پیغمبرِ رحمت ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کا حربی جذبہ اتنا ٹھنڈا پڑ گیا جس طرح پانی آگ پر ڈال دیا جاتا ہے۔ اس دوران ایک اور اندوہناک واقعہ پیش آیا جس نے خود حضور سید المرسلین ﷺ کو بھی ازحد رنجیدہ کر دیا۔ اس کے پیشِ نظر حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ ادا ہوا، "وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پیغمبر کو رنجیدہ کرے"۔ واقعہ یہ تھا کہ حضور ﷺ کے پیارے چچا ضیغم اسلام سیدنا حمزہؓ جب دشمنانِ اسلام کو تہِ تیغ کر رہے تھے ایک حبشی غلام وحشی کے زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے شہید ہو گئے اور پھر مزید شقاوت یہاں تک کہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے آپؓ کے جسمِ اطہر کا مُثلہ کیا۔ حضور سرورِ دوعالم ﷺ اپنے شفیق چچا کے جسم کی یہ بے حرمتی دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے۔ جب جاں نثارانِ نبوت نے دیکھا کہ آقا ﷺ کی شہادت کی خبر غلط ہے تو مجتمع ہو کر کفار پر حملہ آور ہو گئے۔ مسلمانوں کی چمکتی تلواریں دیکھ کر کفار سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگے مگر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو فرمانِ رسالت سے روگردانی کی کتنی بڑی سزا ملی۔

گھاٹی کے بالکل ساتھ سیدنا شہدا کے نام سے بہت بڑا قبرستان ہے۔ اس میں سیدنا حمزہ کے علاوہ شہدائے احد آسودۂ خاک ہیں۔ اس قبرستان کے گرد چار دیواری بنا دی گئی ہے۔ میں جب احد کی گھاٹی پر کھڑا تھا تو میرا ذہن کتابِ ماضی کے اوراق بڑی تیزی

Marfat.com

سے پلٹ رہا تھا۔ میں چشمِ تصور میں دیکھ رہا تھا کہ رخسارِ نبوت زخموں سے خون آلود ہے۔ حضور ﷺ کی لختِ جگر مخدومۂ کائنات سیدہ فاطمہؓ تشریف لاتی ہیں۔ اپنے محتشم و مکرّم ابا جان کے زخموں کو پانی سے دھو رہی ہیں۔ آنکھیں وفورِ غم سے اشک بار ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: جان پدر! پریشان مت ہو اللہ کی جلالت و کبریائی بیان کرنے والے پیغمبران علیہم السلام کو آروں سے چیرا گیا، کسی کو دہکتی آگ میں پھینکا گیا۔ میں کافی دیر تک دیوانوں کی طرح احد کے قریب اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ میں منتظر تھا کہ کوئی ذرہ، تنکا یا پتھر کا ٹکڑا پکار اٹھے کہ اے فدائے نعلینِ رحمۃ اللعالمین ﷺ میں ہی ریگ زار میں پڑا ہوا وہ سنگ ریزہ ہوں جس پر حضور ﷺ کے قدومِ میمنت لزوم پڑے تھے۔ میں ہی وہ تنکا ہوں جو حضور ﷺ کی نعلینِ مبارک سے چمٹا رہا۔ میں ہی نسیم صبح کا وہ جاں فزا جھونکا ہوں جو غزوۂ احد کے دوران زلفِ محمد ﷺ کو چھو کر گزرا اور وقت کی رفتار میں تحلیل ہو گیا۔

کاش قدرت وادی احد کو اس وقت قوتِ گویائی بخش دیتی اور وہ پکار اٹھتی کہ اے غلامانِ مصطفیٰ ﷺ! ذرا ادھر آؤ، رہنمائے عرشیاں، پیشوائے خاکیاں، نازشِ کون و مکاں حضور سرورِ کائنات ﷺ اس جگہ تشریف فرما تھے۔ میں تیر اندازوں کی گھاٹی پہ بیٹھ گیا، اپنے گنہگار ہاتھوں سے ریت اور پتھروں کو ٹٹولنے لگا۔

کچھ اور مانگنا میرے مشرب میں کفر ہے
لا اپنا ہاتھ دے مرے دستِ سوال میں

جبلِ احد سے نیچے اتریں تو وہاں ساتھ ہی حبشی نژاد عورتیں مختلف بوٹیاں اور چیزیں فروخت کرنے کے لیے بیٹھی ہوتی ہیں۔ ان میں کچھ جڑی بوٹیاں بھی ہیں۔ ایک جڑی بوٹی کو 'نبی بوٹی' بھی کہا جاتا ہے۔ اس بوٹی کے بارے میں مشہور ہے کہ اگر اسے

Marfat.com

پورے یقین سے استعمال کیا جائے تو اس کی برکت سے بے اولادوں کو اولاد نصیب ہوتی ہے۔ میں نے بھی عزیزم ندیم کے اصرار پر ایک دو پیکٹ بھائی کے لیے لے لیے۔ واللہ عالم بالصواب۔

میں ان تاریخی مقامات کی زیارت کرتے ہوئے از حد سنجیدہ اور بعض مواقع پر کبیدہ ہو جاتا تو حافظ طارق محمود صاب اپنی بذلہ سنجی سے میری سنجیدگی کو رنگِ مذاق میں بدل دیتے۔ حافظ صاحب بڑے مرنجان مرنج طبیعت کے مالک ہیں۔ شادابیٔ فطرت انھیں قدرت کی طرف سے تحفے میں ملی ہے۔ مسجد قبلتین پہنچنے تک انھوں نے مخصوص ظریفانہ مسکراہٹ سے ہمیں مضمحل نہیں ہونے دیا۔

مسجد قبلتین پہنچ کر وضو کیا؛ دو رکعت نماز نفل ادا کیے؛ اس شاندار مسجد کے درو دیوار کو میں غور سے دیکھتا رہا؛ یہی وہ مسجد قبلتین ہے جس سے رضائے حبیبِ کبریا ﷺ جھلکتی نظر آتی ہے۔ حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمایا کرتے مگر آپ ﷺ کے قلبِ مبارک میں یہ خیال جاگزیں تھا کہ کاش مسجدِ حرام قبلہ بن جائے۔ خدائے عزوجل کو اپنے محبوب ﷺ کی یہ تمنا اتنی پسند آئی کہ ارشاد فرمایا، ''ہم آپ کا بار بار آسمان کی طرف دیکھنا ملاحظہ کر رہے ہیں پس نماز میں اپنا رخ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں''۔ آپ ﷺ نے حالتِ نماز میں ہی اپنا رخِ انور خانہ کعبہ کی طرف کر لیا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی حضور ﷺ کی تقلید میں ایسا ہی کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آرزوئے رسول ﷺ کو خالقِ کائنات کے نزدیک کتنی زبردست اہمیت حاصل ہے۔

دو عالم خدا کی رضا چاہتے ہیں
خدا چاہتا ہے رضائے محمدؐ

Marfat.com

نوافل ادا کر چکے تو عزیزم ندیم نے نشان دہی کی کہ موجودہ محراب کے بالمقابل دیوار کے اوپر پہلے محراب کی نشانی بھی موجود ہے جس کی طرف حضور ﷺ پہلے نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ یہ مساجد اب اتنی خوب صورت بنادی گئی ہیں کہ جو شخص اندر داخل ہو جاتا ہے، اللہ کی عبادت کیے بغیر لوٹنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہاں سے نکل کر ہم سبع مساجد پہنچے۔ سبع سے مراد سات مساجد ہیں۔

حافظ صاحب نے بتایا کہ یہاں غزوہ احزاب (جنگ خندق) بپا ہوئی تھی اور اب یہاں ساتھ ساتھ سات مساجد تعمیر کر دی گئی ہیں۔ یہاں حضور سید دو عالم ﷺ نے حضرت سلمان فارسی کی تجویز پر مدینہ طیبہ کے دفاع کے لیے ایک بہت بڑی خندق کھدوائی تھی۔ آقائے نامدار خود مزدوروں کی طرح صحابہؓ کے ساتھ برابر خندق کھودنے میں حصہ لیتے رہے۔ فدایانِ مصطفیٰ ﷺ عرض کرتے ہیں: آقا! ہم جو موجود ہیں آپ ﷺ کیوں زحمت فرماتے ہیں؟ انسانِ کامل ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ راہِ خدا میں میرا پسینہ بھی تو بہنے دو۔

ایک روز خندق کھودتے ہوئے ایک سخت چٹان آ گئی جو ٹوٹ نہیں رہی تھی۔ صحابہؓ نے دست بستہ عرض کی، حضور ﷺ! ایک بہت بڑی چٹان خندق کو گہرا کرنے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ لذتِ کام و دہن کے لیے نانِ جویں کا درس دینے والے فاقہ کش، مولائے کائنات تشریف لائے، تین دن سے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں لاؤ کدال مجھے دو۔ آپ ﷺ نے کدال لی، دستِ نبوت ہوا میں بلند ہوا، آقا ﷺ نے نعرۂ تکبیر لگا کر ایک ہی ضرب میں چٹان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں: ضربِ نبوت سے جونہی چٹان ٹوٹی ایک بہت بڑی چنگاری اٹھی۔ میں نے اس کی روشنی میں فارس و شام کے محلات کے کنگرے ٹوٹتے ہوئے دیکھے۔

Marfat.com

خندق کھودی جا چکی تھی۔ لشکرِ غنیم بھی آ پہنچا۔ وہ غزوۂ احد کی وقتی کامیابی پر سرشار تھے کہ جاتے ہی مدینہ طیبہ پر حملہ کر کے حضور ﷺ کے غلاموں کو پھر لیلائے کفر کی زلفوں میں اسیر کر لیں گے۔ انھیں کیا خبر تھی کہ احد کی وقتی شکست اب مسلمانوں کی فتحِ مبین کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

جب چشمِ کفرستان نے خندق کی صورت میں حضور ﷺ کی جنگی حکمتِ عملی دیکھی تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ کئی دنوں تک فریقین دونوں جانب خیمہ زن رہے۔ ایک روز ان کا سب سے بڑا پہلوان عمرو بن عبدود جسے اپنے دست و بازو پر بڑا ناز تھا، سر تا پا لوہے میں ڈوبا ہوا میدان میں نکل آیا۔ حضور ﷺ اقلیمِ بسالت و شجاعت کے تاج دار سیدنا علیؓ کو مبارزت کے لیے اشارا فرماتے ہیں۔ آپؓ ثنائے خدائے لایزال کرتے ہوئے مقابلے پر اترتے ہیں۔ پہلا وار عمر نے کیا۔ اسد اللہ الغالب کو چہرے پر معمولی زخم آیا۔ اب تاج دارِ شجاعت کی باری تھی؛ ذوالفقارِ حیدری ہوا میں بلند ہوئی؛ صحابہؓ نے نعرۂ تکبیر کی صدا سے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ دستِ حیدرِ کرّار نے ایک ہی ضرب میں فولاد میں ڈوبے ہوئے عمرو کو سر سے لے کر پاؤں تک چیر کر رکھ دیا۔ باطل نے جب اپنے سردار کے جسم کے چیتھڑے فضائے بسیط میں بکھرتے دیکھے تو لرزہ براندام ہو گیا۔ اسی رات ایک طوفانی آندھی نے کفار کے خیموں کی طنابیں اکھیڑ دیں۔ وہ الٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ نے اپنے نام لیواؤں کو فتحِ مبین عطا کر دی۔ پھر اس کے بعد فتحِ مکہ کا انعامِ عظیم عطا ہوا۔ میں دیر تک اس جگہ کو غور سے دیکھتا رہا۔ یہاں سے حافظ صاحب ہمیں مسجدِ قبا لے گئے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہاں دو رکعت نماز ادا کرنے کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں ہم نے نمازِ ظہر ادا کی۔

Marfat.com

اس کے بعد مسجد جمعہ کی زیارت کی۔ یہاں حضور ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کا آخری جمعہ ادا فرمایا۔ اس مسجد میں چند لمحے گزارنے کے بعد اس مسجد کے بائیں ہاتھ حضور ﷺ کے محبوب صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کا باغ دیکھا۔ وہاں سبزہ ہی سبزہ تھا اور انواع واقسام کی کھجور کے بے شمار درخت تھے۔ اس وقت بڑی فرحت آمیز ہوا چل رہی تھی۔ تھوڑا سا آگے گئے تو خاکِ شفا باغ کا نظارا کیا۔ طارق کہنے لگے کہ یہ وہ جگہ ہیں جہاں غزوۂ احد کے زخمیوں کو مسیحائے دو جہاں ﷺ نے مٹی لگائی تھی اور وہ فوراً صحت یاب ہو گئے۔ غالباً اسی جگہ سے عقیدت مند خاکِ شفا کا تحفہ لے کر جاتے ہیں۔ آج کے دن زیارتیں اختتام کو پہنچ رہی تھیں۔ اب سفر کے اختتام پر شدید بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ ہمارے رہنما ہمارے چہروں سے اندر کی کیفیت بھانپ چکے تھے۔ حافظ صاحب اور عزیزم ندیم کچھ باہم زیرلب محوِ تکلّم ہوئے اور سیدنا شہدا روڈ پر واقع ایک بہت معروف ہوٹل ''طباق'' لے گئے۔ ہوٹل طباق پاکستانی کھانوں کے لیے بہت مشہور ہے۔ آدھ گھنٹے کے بعد میز وائٹ میٹ اور بہت خستہ قسم کا بروسٹ اور بڑی لذیذ قسم کی کھیر سے سج گیا۔ کھانا لذت آفریں بھی ہو اور شہر محبوبِ خدا میں کھایا جا رہا ہو اس سے بڑی خوش بختی کیا ہو سکتی ہے۔ حافظ صاحب نے وعدہ کیا کہ جب وہ پاکستان آئیں گے تو گجرات غریب خانے کو ضرور رونق بخشیں گے۔ میں نے کہا: دیدہ و دل فرشِ راہ ہوں گے۔ ع......

این خانہ، خانۂ شما است

طباق ہوٹل سے کھانا کھانے کے بعد ہم ان کی بوئے شفقت اور خوئے دل نوازی کو آنکھوں میں بسائے واپس ہوٹل آ گئے۔ میں تکان دور کرنے کے لیے کچھ عرصہ کے لیے بستر پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ دیارِ غیر میں بھی کچھ لوگ ماں کی دعاؤں کی طرح

Marfat.com

عزیز ہوتے ہیں اور انسان دور رہ کر بھی ایسے محسنوں کو ملنے کے لیے اس طرح بے چین رہتا ہے جس طرح پھول کی آغوش میں نکہت بے قرار رہا کرتی ہے۔ انھی سوچوں میں حرم شریف سے عصر کی اذان فردوسِ گوش بننے لگی۔ ہم وقتی سکون کو تج کر نماز کے لیے روانہ ہو گئے۔ میں مدینے کے بازاروں میں قصداً بھٹک جانے کی کوشش کرتا مگر جس طرف بھی نگاہ اٹھتی مرکزِ تجلیات روضۂ سرورِ دو عالم ﷺ قلب ونظر کو حلقہ بگوش بنا لیتا۔ نمازِ عصر کے بعد المدنی ہوٹل چلا آیا۔ یہاں عصر کی نماز کے بعد اکثر چائے کا دور چلتا۔ چودھری اللہ دتا صاحب اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر پلاتے۔ وہ بڑے خوش مزاج انسان ہیں۔ مجھے ان کے پاس بیٹھ کر بہت سکون ملتا۔ میں انھیں اکثر کہا کرتا: حاجی صاحب! آپ میرے والی ملازمت لے لیں اور المدنی ہوٹل والی ملازمت مجھے دے دیں تاکہ میں عمر بھر آقا ﷺ کی غلامی کا قلادہ گلے میں ڈال کر حضور ﷺ کی چوکھٹ پر ناصیہ فرسائی کرتا رہوں۔

گزار دوں ترے غم میں جو عمرِ خضر ملے
ترے نثار، یہ دو دن کی زندگی کیا ہے

اس روز میں نے نمازِ مغرب کی ادائیگی کے بعد چھوٹے پائے کھانے کی فرمائش کی۔ حاجی صاحب میری تمنا کو بھانپ گئے، کہنے لگے: آپ نماز ادا کر کے آئیں، پائے موجود ہوں گے۔ مدینہ منورہ میں فیصل آباد کے ایک فیاض فطرت انسان (مجھے نام یاد نہیں رہا) ان کو اگر حاتم ثانی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، میری مراد کسان گھی کے مالک مسلسل پندرہ سال سے صبح و دوپہر و شام الکریم بلڈنگ کے قریب وافر انداز میں پائے پکا کر تقسیم کرتے ہیں۔ رازقِ حقیقی ان کو اتنی توفیق مرحمت فرما رہا ہے۔ وہ جتنا اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اتنا ہی دامانِ کشائش بھرتا چلا جاتا ہے۔ کسان گھی والوں کے پائے بڑے سیر

Marfat.com

ہو کر کھائے اور عشا کی نماز کے لیے حرم شریف آ گئے۔ میں اپنے قارئین کو بتا تا چلوں کہ عشا کے وقت مسجدِ نبوی میں اپنے قریبی رفقا سے فون پر اکثر رابطہ رہتا۔ جب میں انھیں بتاتا کہ میں اس وقت عین روضۂ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر فون کر رہا ہوں تو میرے ان مہربانوں کی طبیعت باغ باغ ہو جاتی۔ اس دوران جن کرم فرماؤں سے تسلسل کے ساتھ بات ہوتی رہی ان میں پروفیسر ارشد جبار پراچہ صاحب، جناب بختیار بخاری صاحب، جناب رضوان سدیدی صاحب، جناب ملک آصف صاحب، سید سلمان گیلانی صاحب، جناب افضل راز صاحب، محمد افضال رانجھا صاحب، سید الطاف حسین گیلانی صاحب، ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر سید جواد حیدر شیرازی صاحب، ڈائریکٹر ایڈمن گجرات یونیورسٹی حاجی مشتاق بھٹی صاحب، علامہ صاحب زادہ ازہر علی صاحب، سید افتخار حسین شاہ صاحب، ڈاکٹر محمد نواز صاحب، پروفیسر عرفان انجم صاحب، پروفیسر امیر الدین ملک صاحب، جناب محمد حبیب بسوی صاحب، چودھری خضر حیات آف ڈنگہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کئی اعزہ سے بھی متواتر رابطہ رہا۔

الریاض سے برادرم مبشر صاحب برابر اپنی الفت کا اظہار ایزی لوڈ کی صورت میں کرتے رہے۔ وہ یہ شفقت اتنی لامحدود کرتے کہ چوبیس گھنٹے استعمال کے باوجود بھی وہ کم نہ ہوتا۔ گاؤں میں اپنے عزیز دوستوں محمد ریاض سندھو صاحب اور جناب لیاقت گڈ گور صاحب سے بھی رابطہ رہا۔ اٹلی میں مقیم اپنے عزیز ترین دوست چودھری تنویر حسین سے بھی بات ہوتی رہی۔ میں ان احباب کے لیے دعائیں کرتا وہ یہاں میرے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرتے۔

حسبِ معمول پھر نصف شب کو مسجدِ نبوی میں حاضر ہوا۔ ریاض الجنہ میں نوافل ادا

Marfat.com

کرتا رہا۔ پھر مواجہ شریف کے سامنے بصد احترام نذرانۂ وجدان پیش کیا۔ قرطاس وقلم رفیق تھے۔ سوزِ دروں کو چھیڑا تو حریمِ تخیل سے نعت کے یہ اشعار خود بخود نوکِ قلم پر آ گئے۔ مطلع یہ تھا۔

سمٹ رہا ہے مدینے کا نور آنکھوں میں
بسے ہوئے ہیں تفاخر! حضورؐ آنکھوں میں
جو دیکھا گنبدِ خضریٰ تو یوں لگا مجھ کو
ٹپک رہی ہے شرابِ طہور آنکھوں میں

یہ اور دیگر خصوصی نعتیں کتاب کے دوسرے باب میں شامل ہوں گی۔ میں نے واپس قیام گاہ میں آ کر یہ نعت مترنم صورت میں اہلیہ کو سنائی تو وہ بھی فرطِ جذبات سے اشک بار ہوگئی۔ نمازِ فجر کے بعد ناشتہ کیا۔ شب بیداری کے باعث نیند آ رہی تھی۔ گھنٹہ بھر آنکھ لگی ہوگی کہ عزیزم ندیم کا فون آ گیا کہ میں اور حافظ صاحب گاڑی لے کر آ رہے ہیں۔ ساڑھے دس بجے وہ ہوٹل السفیر السکنی پہنچ گئے۔ جب ہم گاڑی میں روانہ ہوئے تو خواہش تھی کہ حافظ صاحب گاڑی کا رخ وادیِ بیضا کی طرف کرلیں کیوں کہ یہ مقام آج کل محیر العقول اور عجائبات عالم میں بنا ہوا ہے۔ عمرے پر روانہ ہوتے وقت مجھے عزیز گرامی علامہ ازہر علی صاحب نے خصوصیت سے تاکید کی تھی کہ آپ وادیِ بیضا ضرور جائیں۔ نجانے میرے دل کی بات حافظ صاحب تک کیسے پہنچ گئی۔ انھوں نے اسی طرف ہی رخ کرلیا۔

وادیِ بیضا مدینہ منورہ سے خیبر جانے والی سڑک پر تقریباً تیس کلومیٹر کے فاصلے پر پہاڑی سلسلے کے قریب آتی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں گاڑی نشیب سے فراز کی طرف تیس کلومیٹر کی تیزی سے گیئر اور ریس (Race) دیے بغیر دوڑتی ہے۔ میں خود اس

Marfat.com

حیرت انگیز واقعے کا عینی شاہد ہوں۔ حافظ صاحب نے ریس سے پاؤں اٹھالیا اور گاڑی اونچائی کی طرف سرپٹ بھاگ رہی تھی۔ اب یہ کوئی تکنیکی معاملہ ہے یا حکمتِ خداوندی کہی جاسکتی ہے۔ میرا ذہن اس لاینحل معمّے کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ کچھ لوگ اسے وادیِ جن بھی کہتے ہیں کہ یہاں جنوں کے ایک گروہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ شاید مستقبل قریب میں اس راز سے پردہ اٹھنا شروع ہو جائے اور حقیقت بے نقاب ہو جائے کیوں کہ سنا ہے کہ اب سعودی حکام بھی اس کی تکنیکی مصلحتوں کا اندازہ لگانے میں مصروف ہیں۔ اس دلچسپ و عجیب واقعے کا مشاہدہ کرنے کے بعد مدینہ طیبہ واپس آئے۔ آج ہم میزبان تھے اور سیر کروانے والے مہمان تھے۔

ایک معروف پاکستانی ہوٹل سے کھانا خریدا، مشروبات لیے اور ہوٹل واپس آ کر شکم سیری کی۔ چونکہ ان دونوں کو اپنے روزگار کا مسئلہ بھی تھا اس لیے میں نے خندہ پیشانی سے انھیں جانے کی اجازت دے دی۔ اسی روز مغرب کی نماز ادا کرنے حرم شریف پہنچا تو مسجد نبوی کے صحن میں اتنی فرحت بخش ہوا چل رہی تھی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ ہوائے خوش خرام حضور کی زلفِ عنبریں سے مس ہو کر مشامِ جاں کو معطر کر رہی ہو۔ جذبات میں ایک تلاطم سا بپا ہو گیا۔ تخلیقی سوتے یکا یک بیدار ہو گئے۔ عاشقِ سرورِ کائنات ﷺ مولانا حسرت موہانی کی ایک معروف نعت کی زمین میں وہیں کھڑے کھڑے نعتیہ اشعار ہو گئے۔ ڈائری پاس تھی، ابھی نماز میں پندرہ منٹ وقت باقی تھا۔ الحمدللہ میں نے دس اشعار پر مشتمل ایک نعت بالبداہت کہہ ڈالی جسے آقا ﷺ کی چشمِ عنایت کا فیضان سمجھتا ہوں۔ دو تین اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

اٹھتی ہیں سرِ شام جو طیبہ میں گھٹائیں
کچھ ان کے مقابل نہیں جنت کی ہوائیں
جس روز سے ہے سامنے سرکارؐ کا روضہ
بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں اللہ کی عطائیں
قربان ہے اس ذاتِ پیمبرؐ پہ تفاخر
کی جس نے عطا خون کے پیاسوں کو قبائیں

میں اس شب کو نیند آنے تک یہ نعت مترنم صورت میں گنگناتا رہا۔ صبح پھر حاضری دی اور یہ نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

ملے ہوئے ہیں جو مجھ کو قرار کے لمحے
گزر نہ جائیں یہ آقا! بہار کے لمحے

چوبیس تاریخ کی صبح یہ اشعار نوکِ قلم پر آئے۔

سمٹے ہیں کیوں یہ آنکھ میں انوارِ مصطفیٰؐ
نظروں کے سامنے ہے جو دربارِ مصطفیٰؐ
رکھتا ہوں روز سر کو میں پائے رسولؐ میں
بکتا ہے روز خود ہی خریدارِ مصطفیٰؐ

پچیس تاریخ کو سارا دن مدینہ طیبہ سے جدائی کی کسک نے بے چین کیے رکھا کیوں کہ اب عرصۂ قیام میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے۔ آقا علیہ السلام کے شہر سے فراق کا تصور انگاروں پہ لوٹا رہا تھا۔ یہاں سے روانگی کا خیال آتے ہی سر تا پا آتشِ بے دود میں سلگنے لگتا۔ دل ہی دل میں یہ تمنا انگڑائیاں لینے لگتی کہ کاش مدینہ طیبہ کا گورنر انتظامیہ کو یہ حکم

Marfat.com

صادر کر دے کہ حضور ﷺ کے غلام (تفاخر) کو آقا ﷺ کے قدموں میں قیام کے لیے لامحدود وقت کی اجازت دے دی جائے۔ اس کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں۔ اس اسیرِ زلفِ سرورِ کونین ﷺ کو بتا دیا جائے کہ جاؤ جی بھر کے سبز گنبد کے مکیں کے جمالِ جہاں آرا سے لطف اٹھاتے رہو۔

اب میں اسی تصور میں اندازِ از خود رفتگی میں مدینہ کے بازاروں میں گھومنے لگتا کہ یہی تو وہ رشکِ فردوسِ بریں ہے جہاں سرورِ گیتی پناہ ﷺ اپنے غلاموں کے ساتھ محوِ خرام رہا کرتے تھے۔ یہی وہ رشکِ آفتاب و ماہتاب ذرّے ہیں جنھیں محبوبِ دوجہاں اپنے قدموں میں سرفراز بخشتے۔ یہیں حضرتِ انسؓ آپ ﷺ کی بے پایاں محبتوں کے خزانے سمیٹے رہے۔ یہی سیدنا بلالؓ اپنی مخصوص لحن میں آشفتگانِ بادۂ نبوت کی روح کو بالیدگی بخشتے رہے اور حضور ﷺ اپنے فدا کار کی اذان سن کر ماحول کو تبسم کی خیرات عطا کرتے رہے۔

اسی مدینہ منورہ میں چشمِ فلک عقیدت و محبت کا یہ لامثال مظاہرہ بھی دیکھتی رہی کہ حضور ﷺ وضو فرماتے ہیں تو جاں نثارانِ نبوت پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے اور اسے تبرکاً چہروں پر مل لیتے ہیں۔ آپ ﷺ کا پسینا مبارک عطرِ محبت کی ان شمیم انگیزیوں کا روح پرور منظر پیش کرتا جو گلِ چنبیلی و نسترن میں بھی نہیں۔

بعض لوگ مکۃ المکرّمہ اور مدینہ میں فضائل کا تقابل شروع کر دیتے ہیں۔ میری نظر میں ان کا راہوارِ تفکر و تدبر صراطِ مستقیم سے پھسلتا نظر آتا ہے۔ اگر وہاں کعبۃ اللہ ہے تو یہاں مسجدِ نبوی موجود ہے۔ اگر وہ شہر مولد النبی ﷺ ہے تو یہ آرام گاہِ نبوت ہے۔ اگر وہاں خطۂ رحمت، حطیم ہے تو یہاں محرابِ رسول ﷺ ہے۔ اگر وہاں مقامِ ابراہیم ہے تو یہاں چبوترۂ اصحابِ صفہ ہے۔ اگر وہاں قبولیت کی جگہ ملتزم ہے تو یہاں ریاض الجنہ ہے۔ اگر

Marfat.com

وہاں جنت المعلیٰ ہے تو یہاں جنت البقیع ہے۔ اگر وہاں زم زم کا تبرک ہے تو یہاں عجوہ کھجور کا تحفہ ہے۔ اگر بیت اللہ کو حرم ہونے کا شرف حاصل ہے تو آقا ﷺ کی تمنا پر مسجدِ نبوی کو بھی حرم ہونے کا شرف بخشا گیا۔ اگر وہاں حضور ﷺ کے اندازِ تدبر کا نشان کوہِ حرا موجود ہے تو یہاں حضور ﷺ کے ساتھ محبت کی نشانی جبلِ احد موجود ہے۔ اگر وہاں غلافِ کعبہ سے فیوض و برکات کی بارش ہوتی نظر آتی ہے تو یہاں سبز گنبد کی جالیاں جلوہ ہائے جمال کی فراوانیاں عطا کرتی ہیں۔ اگر وہاں بوسہ گاہِ نبوت حجرِ اسود ہے تو یہاں مظہرِ عقیدت مصطفےٰ ﷺ حنانہ موجود ہے۔ اگر وہاں مسجدِ عائشہ ہے تو یہاں مسجدِ قبا ہے۔ اگر بیت اللہ شریف بوسہ گاہِ زاہداں ہے تو روضۂ رسول ﷺ مقامِ جلوہ گاہِ عاشقاں ہے۔

اگر مکہ مدفنِ اُمِّ فاطمۃ الزہرا ہے تو مدینہ مدفنِ پدرِ فاطمۃ الزہرا ہے۔ اگر بیت اللہ شریف کی دیواروں سے سطوت و حشمت برستی ہے تو روضۂ محبوبِ خدا سے شمیمِ شفقت و محبت عطا ہوتی ہے۔ اگر حدودِ کعبہ سے نالہ و شیون اور زاری و بُکا کا ظہور ہوتا ہے تو یہاں ادب کا ہیبت زیرِ آسمان کا اظہار ہوتا ہے۔ وہاں احرام کی صورت میں نمونۂ کفن لیے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا پڑتا ہے تو یہاں نفیس تر لباس میں حاضری زندگی بخش طمانیت عطا کرتی ہے۔ وہاں آنکھوں کی نمناکی کے ساتھ چیخ پکار پر کوئی قدغن نہیں۔ یہاں چشمِ تر کے ساتھ خاموشی کی انتہا اور احترام کی بغایت ہونا ضروری ہے۔ اگر وہاں خطا کاروں پر رحمت کا ابرِ باراں برستا ہے تو یہاں فدا کارانِ نبوت کو شفاعتِ کبریٰ کی نوید عطا ہوتی ہے۔ وہاں نشترِ جلالِ خداوندی سے فرازانِ جہاں کی گردنیں کٹتی ہیں تو یہاں تیغِ محبت سے ہیروں کے جگر چاک ہوتے ہیں۔ وہاں سعیِ صفا و مروہ قرینۂ زہد و اتقا عطا کرتی ہے تو یہاں حاضریِ گنبدِ خضریٰ خزینۂ مہر و وفا بخشتی ہے۔ وہاں ملائکۃ المقربین توصیف و ثنائے

Marfat.com

خداوندی کرتے حاضر ہوتے ہیں، یہاں وہی ملائکہ درود وسلام کا نذرانہ لیے پیشِ مصطفیٰ ﷺ ہوتے ہیں۔ وہاں ساری دنیا اللہ کی حمد وثنا کے لیے حاضر ہوتی ہے، یہاں خود اللہ رب العزت حضور ﷺ کی مدح وتوصیف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ (ان اللّٰہ و ملائکتہ یصلون علی النبی) وہاں عقل وخرد اپنے چاک گریباں کی دھجیاں لیے حاضر ہوتی ہے یہاں اقلیمِ عشق ونیاز وناز کا نذرانہ لیے ناصیہ فرسائی کرتی نظر آتی ہے۔

وہاں قدم چلتے اور آنکھیں روتی نظر آتی ہیں۔ یہاں قدم رکتے اور دل دھڑکتے نظر آتے ہیں۔ وہاں انشا پردازوں کی رفعتِ افکار لغزیدہ خرامی کا شکار ہوتی ہے، یہاں فضلائے فن کو حریمِ الفاظ ومعانی کا خزینہ عطا ہوتا ہے۔ وہاں خریدارانِ رحمتِ خدا کا انبوہِ کثیر حاضر ہوتا ہے، یہاں خریدار خود آکر بکتے نظر آتے ہیں۔ وہاں کثرتِ سجود سے جبینیں نکھرتی معلوم ہوتی ہیں، یہاں جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے رخسار نیر وتاباں نظر آتے ہیں۔ وہاں آفتاب لرزتا ہوا طلوع وغرب ہوتا ہے، یہاں صبح وشام عقیدتاً جھکتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہاں حمدِ ربِّ کائنات سے کرۂ ارض آسمان کی جانب محوِ پرواز نظر آتا ہے، یہاں ثنائے رسول ﷺ کرنے سے سیارگانِ فلک زمین کی جانب جھکتے چلے آتے ہیں۔ وہاں غریقانِ بحرِ وحدت کو لولوئے لالہ عطا ہوتے ہیں، یہاں روضے کی جالیاں سوز وسازِ رومیؒ اور پیچ وتابِ رازیؒ عطا کرتی ہیں۔ وہاں شہرِ یارِ فقر واستغنا کو شکوہِ خسروی عطا ہوتا ہے، یہاں شکوہِ خسروی ضوابطِ عقیدت ومحبت کا اسیر دکھائی دیتا ہے۔ وہاں دائرۂ عبودیت کو ارتقاع ملتا ہے، یہاں خوئے دل نوازی دوبالا ہوتی نظر آتی ہے۔ وہ ارضِ نزولِ قرآن ہے تو یہ ارضِ صاحبِ قرآن ہے۔

غرض دونوں مقامات پر فیوض وبرکات اور انوار وتجلیات کی بارش ہوتی ہے۔

Marfat.com

البتہ ایک فرق واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے جس سے شاید کوئی بھی زائر اختلاف نہ کرے، وہ یہ کہ دونوں شہروں کے باشندوں کے مزاج اور ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے اور اس فرق کو ایک عام فہم انسان بھی محسوس کر سکتا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے ہی ایک عنوان کے اعتبار سے عرض کر چکا ہوں کہ مکۃ المکرّمہ مظہرِ جلالِ کبریا ہے اور تقریباً یہی جلال وہاں کے باشندوں کے طبائع اور امزجہ میں بھی پایا جاتا ہے مگر جلال اور مزاج کی سختی میں ایک طرح کا بُعد ہوتا ہے مثلاً مکہ کے باسیوں میں خشونت بھی پائی جاتی ہے، گفتگو میں لوچ اور دھیما پن نہیں۔ کسی بقالے میں خریداری کے لیے داخل ہو جاؤ آپ دکان دار سے تکرار کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ اگر آپ کو بھاؤ سے اختلاف ہے اور اس کا آپ نے اظہار کیا ہے تو دکان دار آپ کو جھڑک دے گا۔ یہ لوگ مہمانانِ خالقِ کائنات کو اہمیت نہیں دیتے۔ آخر ان دکان داروں کا کاروبار انھی آشفتہ سر مہمانوں کی وجہ سے ہی تو چل رہا ہے۔ دراصل اگر تاریخی حوالے سے دیکھا جائے تو انھی کے اسلاف ہی تو تھے جنھوں نے سرورِ کون و مکاں اور ان کے رفقا کو یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور آپ ﷺ کی زبانِ گوہر فشاں سے یہ ملال انگیز جملے نکلے کہ اے بیت اللہ! تو مجھے جان سے بھی عزیز تر ہے لیکن تیرے باسی مجھے رہنے نہیں دیتے۔ یہ کہتے ہوئے رحمۃ اللعالمین ﷺ اشک بار ہو گئے تھے۔ میرے خیال میں آج بھی اہلِ مکہ کے طبائع میں جو شقاوت کی جھلک نظر آتی ہے یہ اسی دور کی تاثیر معلوم ہوتی ہے اور پھر دونوں شہروں کی فضا میں فرق کیوں نہ ہو، ایک شہر کے باشندے محبوبِ خدا کو بے رحمانہ طور پر نکال رہے ہیں دوسرے شہر (مدینہ منورہ) کے باشندے حضور ﷺ کے راستے میں دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کے استقبال کے لیے بے جان چیزوں کی پھیکی نمائش کے بجائے سینے کی دھڑکنوں کے نذرانے لیے حاضر ہیں۔ اسی طرح

Marfat.com

دونوں شہروں کی آب و ہوا اور موسموں کے مزاج میں بھی فرق ہے۔ میں نے عمرے کی سعادت کے لیے دانستہ سرد موسم کا انتخاب کیا اور یہاں پاکستان سے روانگی کے وقت شدید سردی تھی لیکن مکہ مکرمہ میں موسم کافی گرم تھا۔ عمرے کی ادائیگی کے بعد بال کٹوانے کے لیے حجام کی طرف جا رہا تھا تو سورج کی حدت سے سڑک پگھل رہی تھی۔ جب تک یہاں قیام رہا ہوٹل میں اے سی چلا کر گزارا کرنا پڑا۔ مگر مدینہ طیبہ میں موسموں کی ادائیں بھی قرینہ محبت سے آشنا ہوتی ہیں۔ یہاں موسموں کا تغیر تو کیا وقت کی دھڑکنیں بھی دل تھام لیتی ہیں۔ موسم میں بڑی تسکین آمیز ٹھنڈک پائی جاتی ہے۔ یہ خنکی کسی صورت بھی تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ اہلِ مدینہ مہمانانِ مکینِ گنبدِ خضریٰ کا دل و جان سے احترام کرتے ہیں۔ دکان دار خریداری کے وقت بحث کو کبھی طول نہیں دیتے۔ گاہک سے تکرار بڑھنے کی صورت میں خاموشی اختیار کر لیتے ہیں مبادا دورانِ بحث مہمانانِ شہر مدینہ کے ساتھ دامنِ ضابطۂ اخلاق نہ چھوٹ جائے اور آقا ﷺ کی استراحت میں خلل پڑ جائے۔

جب غلامانِ مصطفیٰ ﷺ حرم شریف میں نماز ادا کرنے کے بعد ہوٹلوں کو واپس لوٹتے ہوئے سڑکیں عبور کرتے ہیں تو احتراماً گورنر کی گاڑی بھی گزرتے ہوئے رک جاتی ہے اور جب تک زائرین کا جمِ غفیر سڑک عبور نہ کر لے گاڑیاں دونوں طرف رکی رہتی ہیں۔ مسجدِ نبوی میں ادائے نماز سے پہلے یا بعد میں پاس بیٹھے ہوئے نمازی کو دھکا یا کہنی وغیرہ لگ جائے تو فوراً اتنی لجاجت سے معذرت کرتے ہیں کہ شرم سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ آج سے چودہ سو سال قبل بھی یہی تو عطرِ محبت کی شمیم انگیزیاں تھیں جن سے عرب کی فضا معطر ہوئی۔ ہوٹلوں میں کھانا لیتے وقت بھیڑ ہو جانے کے باوجود بھی کامل سکوت طاری ہوتا ہے، کیا مجال کہ کسی کی زبان پھسل جائے اور وہ کسی قسم کی بازاریت پر اتر آئے۔ انھی

Marfat.com

محامد ومحاسن واوصاف کی وجہ سے حج وعمرے کے دوران اہلِ دل ونظر زیادہ عرصہ اسی جاں بخش سرزمین پر قیام کو ترجیح دیتے ہیں۔ میرا مقصد کسی بھی صورت میں (العیاذ باللہ) سرزمینِ بطحا کی تنقیص وتحقیر ہرگز نہیں۔ بلاشبہ تمام تر عبادتوں، ریاضتوں، مجاہدوں اور مراقبوں کا منبع شہر مکہ ہی ہے جہاں بیت اللہ شریف ہے۔ یہیں سے توحید کے چشمے پھوٹے ہیں اور فرزندانِ توحید کو سیراب کرتے ہیں۔ یہیں پہ یگانگت، اتحاد واتفاق کا ایسا مظاہرہ دیکھنے کو ملتا ہے، تاریخِ اقوام وملل جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اپنے اپنے اوطان میں تو مسلمانانِ عالم ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرنے کے روادار نہیں لیکن یہ بیت اللہ شریف کی برکت ہے جہاں تصورِ من وتُو ختم ہو جاتا ہے۔ بتانِ رنگ ونسل کو توڑ کر مسلمانانِ عالم ملت میں ایسے گم ہو جاتے ہیں کہ ایرانی، تورانی اور افغانی کے تصور کا شائبہ تک ختم ہو جاتا ہے۔ یہیں پہ عنایاتِ خدائے عزوجل کا ہمہ وقت ظہور ونزول ہوتا ہے جس سے ادنیٰ اعلیٰ سبھی مستفیض ہوتے ہیں لیکن دونوں شہروں کے موسموں اور باشندوں کے مزاج میں بہرحال فرق پایا جاتا ہے اور اس تفاوت کا اظہار کرنا میرے خیال میں کسی گستاخی یا قباحت کے زُمرے میں نہیں آتا۔

اس موضوع پر بات بہت دور نکل گئی۔ میں مدینہ طیبہ سے اپنی روانگی کے لمحات کا ذکر کر رہا تھا۔ اس سے قبل چھبیس فروری کو آخری رات قیام کے دوران شبِ فراق کی تلخیوں کو کوئی صاحبِ دل ہی سمجھ سکتا ہے۔ اس شب کو میں ایک پل بھی نہ سو سکا۔ میں ایک گھنٹہ پہلے ہی مسجدِ نبوی پہنچ گیا۔ جی چاہتا تھا کہ ایک ایک ستون سے لپٹ کر بلند آواز سے گریہ زاری کروں۔ ریاض الجنہ میں بچھے ہوئے قالینوں کو سجدوں کے بہانے چومتا رہا۔ روضۂ انور کی جالیوں کو ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔ نجانے پھر آنا نصیب ہو نہ ہو۔

Marfat.com

اس شب چبوترۂ اصحابِ صفہ خالی پڑا تھا۔ وہاں بڑی دیر تک لیٹا رہا۔ روضۂ اطہر کے قریب چھت سے لٹکتے ہوئے بجلی کے فانوسوں کو چشمِ حیرت سے دیکھتا رہا کہ انھیں قربتِ رسول ﷺ میسر ہے۔

اے کاش مجھے مسجدِ نبوی کی کسی دیوار میں اینٹ کی جگہ چنوا دیا جاتا۔ اے کاش! مجھے جاروب کشِ روضۂ رسول ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہو جاتا اور میں گریڈ اٹھارہ کی ملازمت کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیتا۔ اے کاش! اس عصیاں کار کو کلید بردارِ بابِ روضۂ رسول ﷺ کا شرف بخشا جاتا۔

دمِ آخر نمائی جلوۂ دیدار جامی را
زلطفِ تو ہمیں امید وارم یا رسول اللہؐ

بہرحال میں بوجھل دل کے ساتھ ایک ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس بے قرار شب کو جو نعتیہ اشعار زبان پر آئے چنداں میں سے سماعت فرمائیں۔

ہوتا ہوں جدا آج نبی پاکؐ کے در سے
اِس شام چلا جاؤں گا سرکارؐ کے گھر سے
کر دینا معاف آقا تفاخر کی خطائیں
سرزد جو ہوئیں ایک خطا کار بشر سے
لے جاؤ نہ ساتھ اپنے مجھے قافلے والو!
مر جاؤں گا اللہ کی قسم، ہجر کے ڈر سے
بن جاؤں گا جاروب کشِ گنبدِ خضریٰ
ذرّے بھی ہیں خورشید جہاں نورِ سحرؐ سے

Marfat.com

کر لیتا تھا ہر رات کو اشکوں سے وضو میں
ہر بوجھ اُتر جاتا تھا آقاؐ کی نظر سے
کیا بات ہے اے مسکنِ خورشیدِ رسالتؐ
آتی ہے مہک تیری ہر اک راہ گزر سے
صد شکر کہ ہے دیکھ لیا گنبدِ خضریٰ
مدت سے مرے قلب و نظر دید کو ترسے
لیتے ہیں شب و روز کہاں سے یہ تجلّی
جا پوچھ لے رخشندگیِ شمس و قمر سے
دیدار کی دولت تو عطا خیر ہوئی ہے
جاتا رہا یرقان بھی زم زم کے اثر سے
پلکوں نے ترے نقشِ قدم چوم لیے ہیں
نکلا تھا تفاخر تو یہی سوچ کے گھر سے

اس نعت نے دل کا بوجھ کسی حد تک ہلکا کر دیا کہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی آرزو پوری ہوئی۔ نمازِ فجر کے بعد ناشتا کیا۔ چودھری اللہ دتا کے توسل سے ان کے ایک دوست کی دکان سے عجویٰ کھجوریں خریدیں۔ عزیزم ندیم نے ملائشیا سے تیار کردہ کپڑے کا ایک پورا تھان تحفتہً پیش کیا۔ اس کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ میں اپنے محترم قارئین کو اپنا ایک خواب سنانا بھول گیا جو میں نے چوبیس فروری کی شب ایک بجے سے قبل دیکھا۔

کعبتہ اللہ اور مسجدِ نبوی میں ہر نماز کے بعد ایک دو خوش نصیبوں کی نمازِ جنازہ

Marfat.com

ضرور ادا کی جاتی ہے، پھر ان کی خواہش پر انھیں جنت البقیع میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ موت کے اسی تصور کو ذہن میں رکھتے ہوئے نمازِ عشا کے بعد میں سو گیا۔ میں نے خواب دیکھا کہ میں ریاض الجنہ میں نماز ادا کر رہا ہوں۔ میں جب سجدے کی حالت میں تھا تو روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور میری نماز جنازہ مسجدِ نبوی میں ادا کی جا رہی ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے کہ رہے ہیں کہ اس آدمی کی نمازِ جنازہ میں عوام الناس کی کثیر تعداد شامل ہوئی ہے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں پہلے بلند آواز میں رونے لگا پھر فوراً مسرت و انبساط سے مسکرانے لگا۔ اہلیہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میری آواز سن کر گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ کہنے لگی: میں تو خوف زدہ سی ہو گئی کہ کیا معاملہ ہے۔ میں نے اسے خواب سنایا تو رونے لگی۔ عجیب منظر تھا وہ رو رہی تھی، میں مسکرا رہا تھا۔ میں نے اس کے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگی کہ آپ کے خواب اکثر سچے ہوتے ہیں۔ اگر حقیقتاً ایسا ہو گیا تو مجھ میں اتنی سکت کہاں کہ اکیلی واپس جاؤں۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا اگر مجھ سرتاپا خطاکار کو ایسی جگہ موت آ جائے جہاں چرخِ نیلی فام صبح و شام عقیدت سے جھکتا ہے تو زہے قسمت۔ تمھارا احساسِ محرومی تو وقتی ہو گا مگر میں ہمیشہ کے لیے حضور ﷺ کے قدموں میں پڑا رہوں گا اور میدانِ محشر بپا ہو گا تو مدینہ طیبہ کی سرزمین سے اٹھایا جاؤں گا جس کی حسرت میں دیوانے دن رات تڑپتے ہیں۔ حضور ﷺ کی رفاقت کی سعادت نصیب ہو گی۔

بریں نازم ز ہستم اُمتی تو
گنہگارم و لیکن خوش نصیبم

عزیزم ندیم نے سامان پہلے سے باندھ دیا تھا۔ میں نے خصوصی تاکید کی تھی کہ ہمیں الوداع کہنے کے لیے ضرور آئے سو اس کی مہربانی اپنا قیمتی وقت نکال کر آ گیا۔ اس

Marfat.com

نے سامان بس میں رکھا۔ بس قصرِ جمعہ کے عقب میں کھڑی تھی۔ ہم نے الوداعی عمرے کے لیے احرام ہوٹل میں ہی باندھ لیے تھے۔ میں نے خوش حال خاں اور عارف خاں سے الوداعی مصافحہ کیا۔ ان کی آنکھوں کے جھروکوں سے بھی فراق کا تصور واضح ابھر رہا تھا۔ عزیزم ندیم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اور اسے دعائیں دیتے ہوئے الوداعی معانقہ کیا اور بس میں سوار ہو گئے۔ ہمیں درمیان میں جگہ ملی۔

یک حرفِ بیش نیست سراسر حدیثِ شوق
ایں طرفہ تر کہ ہیچ بہ پایاں نمی رسد

داستانِ محبت بہت مختصر ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ کوئی بھی انسان اس مختصر کہانی کے انجام تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

Marfat.com

متاعِ گراں مایہ

جاں وقف کر چکا ہوں محمدؐ کے نام پر
حاجت نہیں ہے زندگیِ مستعار کی
اس کے کرم نے زندۂ جاوید کر دیا
مجھ پر نظر ہے رحمتِ پروردگار کی

جب تمام مسافر بس میں سوار ہو گئے اور اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہو گئے؛ منتظمین مطمئن ہو کر چلے گئے؛ بس کے دروازے بند ہو گئے تو ایک ایسا حیات آفریں واقعہ رونما ہوا جسے میں اپنی زندگی کا حاصل سمجھتا ہوں۔ میں طویل عرصہ تک اس بات پر غور کرتا رہا کہ اس واقعے کو سفرنامہ حجاز کا حصہ بنایا جائے یا نہیں کیوں کہ مجھے اس بات کا قوی خدشہ اور دھڑکا لگا رہا کہ بعض سطح بین اسے ایک سعادت سمجھنے کے بجائے ان کا ذہن اس جانب ملتفت ہو جائے گا کہ تفاخر اپنی ذات کی تشہیر کر کے تصنع سے کام لے رہا ہے۔ میں نے اس ضمن میں جب اپنے قریبی رفقا سے مشورہ کیا تو انھوں نے بصد اصرار اسے سفرنامے کا جزوِ لاینفک بنانے کا مشورہ دیا۔ چناں چہ انھی مخلص دوستوں کے مشورے پر اس واقعے کو شامل کر رہا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ اپنی ذات کی نمود کے لیے نہیں بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر بیان کر رہا ہوں کہ ایک ننگِ خلائق پر اتنا کرم اور عطا کی فراوانی......ع

بڑا کریم ہے جس کا گناہگار ہوں میں

Marfat.com

واقعہ یوں ہے جب گاڑی روانہ ہونے کے لیے بالکل تیار تھی تو بس کا ڈرائیور اندر داخل ہوا۔ وہ شخص بہت نورانی صورت، درمیانہ قد، سفید لباس اور چہرے پر جلال ٹپکنے کے باوجود اس کے خدوخال میں زبردست جاذبیت پائی جاتی تھی۔ کوئی فرستادۂ رحمتِ خداوندی معلوم ہوتا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے سے پہلے بس کے مسافروں سے یوں مخاطب ہوا۔ اس کی آواز میں بڑی زبردست وجاہت، سطوت ودبدبہ پایا جاتا تھا۔ اس نے بلند آواز میں پوچھا، ''اس بس میں پروفیسر تفاخر محمود بیٹھے ہوئے ہیں''۔ اس کے اچانک استفسار نے مجھے چونکا دیا۔ میں کچھ خوف زدہ سا ہو گیا اور اہلیہ سے کہنے لگا کہ اللہ خیر کرے ہماری سفری دستاویزات میں کوئی سُقم نہ ہو۔ اس وجہ سے مجھے حوالۂ قانون نہ کیا جا رہا ہو اور پھر یہاں کے قوانین بھی بہت سخت ہیں، کسی تعزیر کی صورت میں معافی کا امکان ہرگز نہیں ہوتا۔ ایک لحظہ انتظار کے بعد وہ پھر یوں گویا ہوا، ''اس بس میں پروفیسر تفاخر محمود صاحب تشریف فرما ہیں؟'' (میں ہو بہو اس کے الفاظ نقل کر رہا ہوں) ''وہ مہربانی کر کے کھڑے ہو جائیں''۔ میں اپنی نشست سے بلا تاخیر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا: پروفیسر صاحب! اپنا سامان اٹھا کر سب سے اگلی نشست پر آ جائیں۔ میں نے بصد اصرار کہا کہ میں درمیان میں بڑے آرام سے بیٹھ چکا ہوں، مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ کہنے لگے: پروفیسر صاحب! میری التجا مان جائیں، آپ اگلی نشست پر آ جائیں۔ میں نے یہ سیٹ کل سے محفوظ کی ہوئی ہے۔ میں جب سامان اٹھا کر اس کے قریب پہنچا تو کہنے لگا، آپ حضور سرورِ عالم ﷺ کی ثناخوانی کرتے رہے ہیں۔ میں آپ کی بے ادبی کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ سن کر مجھ پر ایک کپکپی طاری ہو گئی۔ اُف میرے اللہ! ایک ذرۂ حقیر کو اس قدر نوازا جا رہا تھا۔ میں نے اشک بار آنکھوں

Marfat.com

اور لرزتے ہونٹوں سے پوچھا: آپ کو میرے بارے میں کس نے بتایا؟ کہنے لگا: پروفیسر صاحب! اس گہرائی و گیرائی میں جانے کی کوشش نہ کریں۔ میں کل مکہ میں تھا وہاں مجھے اوپر والے رحمٰن نے بتایا ہے۔ اس کا یہ جواب سن کر میں زار و قطار رونے لگا۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ میں رحمتِ دو عالم کے شہر میں اپنی یہ پذیرائی دیکھ کر سکتے کے عالم میں چلا گیا۔ ایک بے مایہ اور معصیت آلودہ انسان کو اتنا نوازا جا رہا تھا۔ کروڑوں زائرین آتے اور چلے جاتے ہیں جو سیرت و کردار اور حضور ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت میں ہر اعتبار سے اس ہیچمدان سے ارفع و اعلیٰ ہوں گے لیکن اس بحرِ عصیاں و خطا میں ڈوبے ہوئے ارزل و اسفل پر اتنی چشمِ کرم اور عنایات کی اتنی بارش!

میں اس واقعے کو نہ صرف اس سفرنامے کا حاصل بلکہ توشۂ آخرت بھی سمجھتا ہوں۔ جب بس مکہ مکرمہ میں آ کر رکی تو میں نے متعارف ہونے کی کوشش کی، کہنے لگا: پروفیسر صاحب! میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ میں آزاد کشمیر کا رہنے والا ہوں اور مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے مکہ تک زائرین کو لاتا ہوں۔ وہ اس سے زیادہ کچھ کہنے سے گریزاں رہا، کہنے لگا: جو تفصیلات آپ مجھ سے پوچھنا چاہتے ہیں وہ بتانا میرے لیے ممکن نہیں۔ چناں چہ میں نے بھی مزید کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ اس عطائے بے پایاں کے علاوہ مجھے چاہیے بھی کیا تھا!

مجھ پر کرم ہوئے ہیں خطاؤں کے باوجود
اک ذرۂ حقیر کی عظمت نہ پوچھیے

خلاقِ دو جہاں کے اس بے پایاں کرم اور آقا ﷺ کی نظرِ عنایت کے پیشِ نظر میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کے نزدیک نجانے قبولیت کی میزان

Marfat.com

کون سی ہے اور کیسی ہے۔ میں نے اپنی گنہگار آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ بڑے بڑے اتقیا، نُجبا، سراپا زہد واتقا، قائم الیل اور صائم الدہر بھی ایسی نوازشات سے محروم رہتے ہیں لیکن قسامِ ازل اگر نوازنے پہ آ جائے تو مجھ ایسا نابکار اور پُر تقصیر انسان جس کے جیب وداماں ہر اعتبار سے تہی ہیں اس کی لامحدود رحمت کا سزاوار ٹھہرایا جائے۔اس کی نگاہِ کرم کا پیمانہ کتنا عجیب ہے۔میرے خیال میں اس کی کُنہ کو پہنچنا انسان کے بس کی بات نہیں۔پیر محمد کرم شاہ صاحبؒ نے اپنی تفسیر ''ضیاالقرآن'' میں بڑی خوب صورت بات کہی ہے وہ تحریر کرتے ہیں، ''یہ ٹھیک ہے کہ بخشش اعمالِ صالح کی بنیاد پر ہی ہوگی لیکن اس میں بنیادی چیز اللہ کا فضل وکرم ہے۔اس کی مہربانی اور فضل وکرم شاملِ حال نہ ہو تو آسمان کے ستاروں کے برابر بھی نیکیاں خس وخاشاک کی طرح بہ جائیں۔

قارئین کرام! مجھے اپنی خطا کاریوں کا اچھی طرح علم ہے۔میرے دامنِ اعمال میں کوئی قابلِ ستائش کارنامہ موجود نہیں۔میرا رخشِ زندگی قدم قدم پر صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتا رہا ہے۔میرے دل ودماغ چراغِ راہِ ہدیٰ کی تابانیت سے محروم رہے ہیں۔اخلاقِ للٰہی بھی میری کارگہِ فکر سے دور رہا ہے۔میرا عالمِ شباب کوئی ایسا قابلِ فخر کارنامہ انجام دینے کی سعادت سے بھی محروم رہا ہے جسے دیکھ کر داورِ محشر پروانۂ نجات عطا کر دے مگر یہ واقعہ اس ہیچمدان کے لیے مسرت وانبساط اور فخر ومباہات کا ایسا سرمایہ ہے جس کی تابانیت سے میری کتابِ زیست کے اوراق جگمگا رہے ہیں۔

ممنون ہوں کیوں کر نہ تری چشمِ کرم کا
اب ہوں میں جہاں یہ مری اوقات نہیں ہے

آقا ﷺ کی اس بغایت شانِ کرم کو اپنے دامن میں سمیٹنے کے بعد مدینہ منورہ سے

Marfat.com

روانگی کا آغاز ہو گیا۔ مختلف سڑکیں عبور کرتے ہوئے تین مرتبہ گنبدِ خضریٰ نظر آیا۔ اس وقت پروفیسر ارشد جبار پراچہ کا فون آ گیا۔ جس وقت پراچہ صاحب سے بات ہو رہی تھی عین اس لمحے مسجدِ نبوی کے مینار آنکھوں کے سامنے تھے۔ وہ دل کا احوال پوچھ رہے تھے۔ میرے منہ سے بلند آواز میں یہ جملہ نکل گیا۔ میں اپنا دل آقائے دو جہاں کے قدموں میں رکھ کر اب مکہ شریف کی جانب رواں دواں ہوں۔ یہ جملہ ادا ہونے کی دیر تھی کہ تمام مسافرانِ راہِ بطحا کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ رات گیارہ بجے مکہ پہنچے تو ہوٹل تبدیل ہو چکا تھا۔ اگرچہ میں وہاں مطمئن نہیں تھا لیکن چوں کہ قیام صرف ایک رات کے لیے تھا اس لیے طوعاً و کرہاً گزارا کرنا پڑا کیوں کہ اس سے اگلی رات اقبال کے ہاں جدہ میں رات گزارنے کا پروگرام بن چکا تھا۔ سامان ہوٹل میں رکھا اور سیدھے الوادعی عمرے کے لیے حرم شریف پہنچ گئے۔ وہی سطوت و جلال، وہی اظہارِ عظمتِ خلاقِ دو عالم، وہی دل آویزیِ صہبائے توحیدِ ربانی، وہی سرور و کیفِ چشمِ رحمتِ خداوندی، وہی بارانِ رحمت کا نزول، وہی گدایانِ درِ مالکِ کائنات کا ہجوم، وہی بے چین روحوں کی اشک باریاں، غم و آلام کے ماروں کا وہی انبوہِ کثیر، وہی اُبلتے زم زم کی فیض رسانیاں، وہی رحمتِ ربّ لایزال کی بے کرانیاں، غلافِ کعبہ کی وہی جاذبیت، مناسک مروہ و سعی کی ادائیگی میں وہی شانِ دل ربائی، وہی ذوقِ سجود کا ارتقا، وہی اس ذاتِ بے ہمتا کی سروری کا ارتفاع، وہی حطیم سے ٹپکتی بارانِ رحمت کا نزول، وہی بوسہ گہِ مصطفیٰ ﷺ پر لپکتے تڑپتے فدا کاروں کا جذبۂ محبت، وہی مقامِ ابراہیم کے گرد تجلیاتِ لطیفہ کا ہجوم۔

اس مرکزِ جمال پہ بس تھی مری نظر
جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں

Marfat.com

ہم بھی بیت اللہ شریف کے گرد پروانہ وار طواف کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ اب کے طلبِ مغفرت کے ساتھ ساتھ احساسِ فراق بھی تڑپا رہا تھا اور گرما رہا تھا۔ اس اعتبار سے اندازِ گریہ وزاری میں شدت غالب تھی۔ میں طواف وسعی کے بعد بار بار کعبۃ اللہ کی طرف دیکھتا رہا۔ نجانے پھر آنا نصیب ہو یا نہ ہو۔ موت قدم قدم پر انسان کے تعاقب میں رہتی ہے۔ سانسوں کی ڈوری کسی وقت بھی ٹوٹ سکتی ہے۔ رات ایک بجے عمرہ ادا کر کے فارغ ہوئے، صبح نو بجے ریاض سے رفیقانِ بامروت چودھری مشتاق اور بھائی مبشر صاحب کا فون آ گیا کہ ہمیں ریاض سے باہر نکلنے کی اجازت مل گئی ہے لہٰذا آج شام حرم شریف میں آپ سے ملاقات ہوگی۔ اب مشکل یہ آن پڑی کہ اسی رات کو اقبال بھی جدہ سے آ رہا تھا، تقریباً اسی وقت وہ بندگانِ بے ریا بھی آ رہے تھے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دونوں دوست ریاض سے بیش قیمت تحائف ساتھ لائے اور مبشر صاحب نے کچھ نقدی بھی پیش کی۔ میں نے لینے سے لاکھ انکار کیا مگر وہ کسی صورت مان نہیں رہے تھے۔ ان کے خلوص کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ وہ کسی اچھے ہوٹل پر کھانا کھانے پر مُصر تھے مگر اقبال بہت جلدی میں تھا۔ اس طرح ایک دوسرے سے گفتگو کا بے تکلفانہ ماحول نہ بن سکا۔ لیکن جو آدھ گھنٹہ ان کی مختصر رفاقت میسر رہی وہ محبت، شفقت اور خلوص کے تابندہ نقوش چھوڑ گئی۔ ان کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ اللہ ربّ العزت انھیں سرمدی عنایات سے بہرہ اندوز رکھے اور انھیں دیارِ غیر میں معاشی استحکام بخشے۔

عزیزم اقبال اپنی مصروفیات کے پیشِ نظر جلد از جلد جدہ پہنچنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنے منتظمِ اعلیٰ چودھری عجائب خاں صاحب سے ذاتی طور پر درخواست کی کہ میں اپنے ایک عزیز کے ہاں جدہ میں ایک رات قیام کرنا چاہتا ہوں لہٰذا مجھے پاسپورٹ دے دیے

Marfat.com

جائیں۔ انھوں نے بلا تامل میری درخواست قبول کر لی اور مجھے فوراً سفری دستاویزات دے دیں۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ گاڑی میں سامان رکھا اور موٹر جدہ کی طرف فراٹے بھرنے لگی۔ اب میری کیفیت یہ تھی کہ میں جاتو جدہ کی طرف رہا تھا، میرے دل کی دھڑکنیں اور تخیل غلافِ کعبہ میں لپٹے ہوئے تھے۔ آنکھیں فصیلِ بیت اللہ اور ملتزم پہ جمی ہوئی تھیں۔ دماغ مقامِ ابراہیم اور حطیم کی رفعتوں اور برکتوں کی بلائیں لے رہا تھا۔ میرا تصورِ عشق غارِ حرا کی رفعتوں کا ہالہ کیے ہوئے تھا۔ حریمِ سوز و ساز جنت المعلیٰ میں مدفون تاریخ کی رفیع الشان ہستیوں کے مزارات کی حالتِ زار پر گریہ کناں تھا۔

اقبال دورانِ سفر مجھے حقائق کی دنیا میں لے آنا چاہتا تھا کہ سر آپ فی الواقع اب حرمین شریفین کی زیارتوں سے سبکدوش ہونے کے بعد مراجعت میں ہیں لیکن دراصل میں تادیر بحرِ روحانیت میں غوطہ زنی کیے رہنا چاہتا تھا جس کی تلاطم خیز موجیں مجھے کہاں سے کہاں لے آئی ہیں۔ میں غالباً پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ جب تک اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کے حضور حاضر ہونے کے لیے انسان کے شعور اور دل و دماغ میں زندگی کی حرارت نہ ہو مقصد پورا نہیں ہوتا۔ انسان بے نیلِ مرام واپس لوٹتا ہے۔ میں نے یہاں آ کر اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ بہت سے لوگ کثرتِ مال و دولت کے بل بوتے پر آئے ہوئے ہیں لیکن دماغ کے سوتے بیدار نہیں ہو سکے۔ رسماً حاضری دی، ہوٹل میں واپس آ کر اے۔سی لگایا، مزے سے سوئے اور جاتی مرتبہ سونے کے کڑے اور انگوٹھیاں خریدیں۔ سیر و تفریح کے انداز میں آئے اور چلے گئے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بیت اللہ شریف اور مسجدِ نبوی کا ماحول بھی ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ ان کوتاہ بینوں سے حاضری کے تاثرات پوچھیں تو بغلیں جھانکنے لگتے ہیں حال آں کہ یہ اتنا بڑا انقلابی سفر ہوتا ہے کہ اگر اس

Marfat.com

کے حقیقی برکات و مضمرات کو سامنے رکھا جائے تو انسان کے دل کی دنیا زیروزبر ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ ایسی ایسی معرفتوں سے آشنا ہوتا ہے کہ عقل و خرد اس کی لامحدودیت کا احاطہ کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ایک صاحبِ ایمان کو اللہ رب العزت ملتزم سے چمٹ پر آنسوؤں کی بیش قیمت دولت صرف انھی خوش نصیبوں کو عطا کرتا ہے جو واقعی بارانِ رحمت کے طلب گار ہوتے ہیں اور جن کا مقصد صرف ایک روایت نبھانا ہوتا ہے خالقِ ارض وسما انھیں درد کی دولت سے حتماً محروم رکھتا ہے۔ حرم شریف میں جتنے بھی شعائر اللہ موجود ہیں ان سب کا ایک خاص تاریخی پس منظر ہے۔ مقامِ ابراہیم، حطیم، زم زم، ملتزم، بابِ کعبہ، غلافِ کعبہ، سعی صفا و مروہ: اگر ان سب کی اہمیت و فضیلت سامنے رکھ کر مناسک ادا کیے جائیں تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ قبولیت کی سند تو بہرحال وہی ذاتِ اقدس عطا فرماتی ہے جو یہاں لے آنے کے اسباب پیدا کرتی ہے۔ فضلِ خداوندی کو جانے کس صاحبِ ایمان کی کون سی ادا پسند آ جائے اور بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ جس کا جتنا ظرف ہوتا ہے اس کے مطابق عطا کیا جاتا ہے۔ اس کے چہرے بشرے سے اس سفر کی غرض و غایت کا بھی پتا چل جاتا ہے مثلاً اس ضمن میں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں، ہو سکتا ہے آپ بھی میرے اس مؤقف سے متفق ہو جائیں۔

جب ہماری بس مدینہ منورہ سے روانہ ہوئی تو بیشتر مسافروں نے الوداعی عمرے کے لیے احرام ہوٹل سے ہی باندھ رکھا تھا اور بعض مقامِ میقات پر پہنچ کر باندھنا چاہتے تھے۔ ہمارے سامنے والی نشست پر براجمان لاہور کے ایک صاحب (جو بظاہر اچھے خاصے پڑھے لکھے بھی معلوم ہوتے تھے) احرام باندھنے سے گریزاں تھے۔ کہنے لگے، میں احرام کے بغیر عمرہ کرنا چاہتا ہوں۔ وضع قطع سے وہ کوئی امیر زادے لگتے تھے۔ ہم نے انھیں سمجھایا

Marfat.com

کہ احرام کے بغیر طواف تو ہوسکتا ہے مگر عمرہ اس کے بغیر نہیں ہوسکتا مگر وہ مسلسل انکار کرتے رہے۔ پھر بس کے ڈرائیور نے انھیں بتایا کہ یہ عمرہ واجب ہوتا ہے اس لیے اس کے مناسک میں کوئی سی تحریف عمرے کی کاملیت پر اثر انداز ہوگی۔ چنانچہ بڑی بحث و تمحیص کے بعد انھیں احرام باندھنے پر آمادہ کیا جاسکا۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ یہ صاحب محض سیر و تفریح یا خرید و فروخت کی غرض سے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ویسے مزاجاً وہ صرّاف معلوم ہوتے تھے۔ واللہ اعلیم بالصواب۔ ہم لوگوں نے عبادات کو بھی دنیاوی نفع و ضرر کا ذریعہ بنالیا ہے۔ اقبالؒ نے سچ کہا تھا۔

یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الہ الا اللہ

بہر حال ہم عمرے کی مختلف جہتوں پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے پون گھنٹے میں روشنیوں کے شہر جدہ پہنچ گئے۔ اقبال نے گاڑی شہر کے سب سے بڑے بروسٹ پوائنٹ کے سامنے کھڑی کی۔ اب دوسری مرتبہ جدہ آکر فضا مانوس نظر آنے لگی جیسے زندگی کا کچھ حصہ یہاں پہلے بھی گزارا ہو۔ بالکل کراچی کا ماحول لگا مگر صرف روشنیوں کے اعتبار سے ورنہ دونوں شہروں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جدہ میں دو چار سالوں میں کوئی ایک مجرم پکڑا جاتا ہے اور اس کو ایسی عبرت ناک سزا ملتی ہے کہ باقی زندگی اس کی نسلیں بھی لرزنے اور کپکپاتے گزارتی ہیں۔ اس کے مقابل کراچی میں صرف پانچ منٹ میں روزانہ ڈھیروں قتل، لوٹ مار، عصمت دری، آتش زنی اور دھوکہ دہی کی سینکڑوں وارداتیں ہوتی ہیں لیکن مجرم سرِ عام دندناتے پھرتے ہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اگر کوئی گرفتار کر بھی لیا جائے تو صاحبانِ اقتدار اسے قانون کی گرفت سے صاف بچا لیتے ہیں۔ بعض اوقات حالات اس

Marfat.com

قدر بھیانک رخ اختیار کر لیتے ہیں کہ زندگی سڑکوں پر پناہ ڈھونڈتی نظر آتی ہے۔

جدہ دنیا کے بڑے شہروں میں ایک شہر گنا جاتا ہے۔ یہ ملکی و غیر ملکی سرمایہ کاری کی بہت بڑی منڈی ہے۔ کسی مزدور کو کفیل کے ساتھ اور کفیل کو مزدور کے ساتھ زیادتی کی جرأت نہیں الّا یہ کہ ضابطۂ اخلاق کی خلاف ورزی ہو۔

اقبال نے کھانے پینے کا وافر سامان خرید لیا۔ اک بار پھر بروسٹ کھانے کا لطف دوبالا ہو گیا۔ اگرچہ میں نے اقبال کو سختی سے منع کر رکھا تھا کہ جدہ میں مقیم میرے دیگر تلامذہ کو میری آمد اور قیام کا پتا نہ چلے اس کے باوجود کسی نہ کسی طرح کچھ شاگردوں کو معلوم ہو گیا۔ ان میں ہمارے ہمسائے عزیزم علی، عزیزم تنویر اور عباس شامل ہیں۔ یہ تابع فرمان اور استاد کے قدر شناس لڑکے دوسرے دن اقبال کی قیام گاہ پر آ گئے۔ وہ ہمارے لیے کچھ تحائف بھی لائے۔ میں اس لیے انھیں ملنے سے گریزاں تھا کہ اس سفر کو پُر تکلف، پُرتعیش اور کاروباری نہ بنایا جائے کیوں کہ مجھے خدشہ تھا کہ تحائف اکٹھے کر کے لے جانے کی وجہ سے یہ سعادت، لالچ اور حرص کا ملغوبہ نہ بن جائے۔ بہر حال میں نے ان نوجوانوں کی دل شکنی نہ کی اور ان کے از حد اصرار پر شکریے کے ساتھ ان کی خدمت قبول کر لی لیکن بعد میں ان کی یہ بے لوث خدمت جو تحائف کی صورت میں انھوں نے کی تھی گراں باری کا باعث بن گئی جس کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔ دوسری اہلیہ حافظہ آمنہ تفاخر کے چچا کے بیٹے چودھری مختار ورک اور افضال ورک کو بھی ہماری آمد کا پتا چل گیا؛ وہ بھی میرے لیے اور اہلیہ کے لیے بڑے خوب صورت کپڑے لائے اور بڑی دیر تک بیٹھے رہے۔ اللہ ان سب کو اپنی عنایات سے بہرہ اندوز کرے۔ اس سفر کے قیام کے دوران میں اقبال کی فیاضی کا

Marfat.com

زبردست معترف ہوں۔ اس کا حق الخدمت ادا کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ اس کے لیے ڈھیروں دعائیں کرتا ہوں۔ دوسرے دن PK742 نے صبح چار بجے جدہ سے اسلام آباد کے لیے اڑان بھرنا تھی۔ تحائف کی صورت میں سامان بہت زیادہ جمع ہو گیا۔ ہر چند میں یہ عنایت کرنے والوں کو منع کرتا رہا لیکن یہ کرم فرمائی کرنے والوں کا خیال تھا کہ سامان زیادہ نہیں ہے اور ایئر پورٹ والے رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔ مجھے ایئر پورٹ کے قواعد کا علم نہیں تھا لیکن تحائف دینے والوں کا خیال تھا کہ 90 کلوگرام تک وزن لے جایا جاسکتا ہے اور یہ وزن مجموعی طور پر 80 کلوگرام تک پہنچ گیا۔ رات ڈیڑھ بجے علی اور تنویر نے سامان اقبال کی گاڑی میں رکھوا دیا اور ہمیں الوداع کہا۔ میں جدہ کی سڑکوں پر روشن فانوسوں پر طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے اقبال کی معیت میں روانہ ہو گیا۔ ہم دو بجے ایئر پورٹ پر پہنچے۔ اقبال ہمیں لاؤنج میں بھیج کر واپس آ گیا۔ وہاں جب مسافروں کے سامان کے وزن ہو رہے تھے تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں حقیقت میں ایک بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کر چکا تھا۔ دراصل مجھے سامان پیک کروانے سے پہلے ایئر پورٹ پر فون کر کے وزن کی تفصیلات جان لینا چاہییں تھیں۔ میں نے آگے بڑھ کر ڈیوٹی پر مقیم ایک پاکستانی اہل کار سے پوچھا کہ ایک مسافر کتنا سامان لے جاسکتا ہے؟ اس نے کہا 30 کلو تک اجازت ہے۔ چونکہ ہماری دو ٹکٹیں تھیں اس لیے ساٹھ کلوگرام کی اجازت مل سکتی تھی جب کہ ہمارے سامان کا وزن 30 کلوگرام سے زائد بن چکا تھا۔ دیارِ غیر میں اس نازک صورتِ حال میں (جب کہ میں خود بھی بیمار اور اہلیہ بھی بیمار تھی) میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ پاکستانی ایئر پورٹ ہوتا تو کئی آپشن استعمال کیے جاسکتے تھے، دوستوں کو فون کر کے یا بطور استاد اپنا تعارف کروا کر مراعات لی جاسکتی تھیں مگر

Marfat.com

یہاں قواعد کی سختی نے رعایت حاصل کرنے کے تمام راستے مسدود کر دیتے تھے۔ مجھے دیگر مسافروں سے معلوم ہوا کہ زائد وزن کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے جو بعض اوقات ایک مسافر کی بساط سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اُدھر جہاز نے اپنے وقت پر اڑان بھرنا تھی اِدھر میں بے بسی کے صحرا میں دھنسا ہوا تھا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ بن چکا تھا۔ اگر میں جدہ میں مقیم اپنے شناساؤں کو فون کر بھی لیتا تو ان کے پہنچتے پہنچتے جہاز نکل جاتا اور اگر خدانخواستہ ایسا ہو جاتا تو دوبارہ سیٹ حاصل کرنے کے لیے اتنی خطیر رقم کا انتظام کیسے ہوتا؟

ایک عجیب اور پیچیدہ صورت حال نے گھیر لیا تھا۔ اہلیہ سرتاپا تذبذب کا شکار نظر آنے لگی۔ میں ہمت کر کے آگے بڑھا، وزن کرنے والے ڈیوٹی اہل کار (جس کا نام غالباً ذوالفقار تھا، وہ ایک شریف النفس پاکستانی معلوم ہوتا تھا) سے کہا کہ میں آپ کے کام میں ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگا، فرمایئے۔ میں پاکستان میں ایک گورنمنٹ کالج میں اردو کا اُستاد ہوں اور ادبی اعتبار سے دور و نزدیک پہچانا جاتا ہوں۔ ایئرپورٹ کے قواعد و ضوابط سے ناآشنائی کی وجہ سے سامان زیادہ جمع ہو چکا ہے۔ مجھے تسلیم ہے کہ میں ضابطے کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہوں۔ اگر آپ ایک پریشان حال استاد کی کوئی امداد کر سکتے ہیں تو یہ آپ کی مہربانی اور عنایت ہوگی۔ وہ اپنے کام میں ہمہ تن مصروف تھا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں استاد ہوں تو اس نے یک لخت اپنا سر اوپر اٹھایا اور میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ قدرے توقف سے بولا، سر! آپ اصولی طور پر ایئرپورٹ ریگولیشنز کی خلاف ورزی کا ارتکاب کر چکے ہیں لیکن اتفاق سے میں بھی ایک استاد کا بیٹا ہوں۔ صرف ایک زاویے سے آپ کی مدد ہو سکتی ہے کہ میں اپنے چیف آفیسر سے التماس کرتا ہوں کہ وہ

Marfat.com

آپ کے لیے کچھ نرمی کا برتاؤ کرے۔

پھر اس نے اپنے چیف آفیسر سے کان میں کچھ کھسر پھسر کی اور کہنے لگا، آپ کا آدھا وزن کم شمار کیا جا سکتا ہے۔ باقی جرمانہ آپ کو ادا کرنا ہوگا۔ ایک استاد کی حرمت کا خیال رکھنے پر میں اس کا شکر گزار ہوں۔ سکریننگ کے تمام مراحل پورے کرنے کے بعد ہم لاؤنج میں پہنچ گئے جہاں سے ٹھیک پون گھنٹے بعد PK742 روانہ ہونے والی تھی۔ جدہ سے پاکستان کے لیے میری روانگی حزن و ملال اور شادمانیوں کا آمیختہ تھی۔ حزن و ملال اس لیے کہ سرزمین بطحا کا دامن ہاتھ سے چھوٹ رہا تھا اور جن دنوں کے لیے دن گنے جا رہے تھے وہ دن پلک جھپکنے میں گزر گئے۔

شاداں و فرحاں اس لیے تھا کہ اُنیس دن ہی سہی بطور مسلمان زندگی کی سب سے ارفع آرزو پوری ہوگئی۔ ایسی آرزو کی تکمیل جس پر لاکھوں بخت سکندری قربان کیے جا سکتے ہیں۔ چند ثانیوں بعد اعلان ہوا: اسلام آباد جانے والے مسافر سامان اٹھا کر گاڑیوں میں چلے جائیں۔ ہم ساڑھے تین بجے جہاز میں اپنی اپنی نشستیں سنبھال چکے تھے۔ چار بجے جہاز جب ارضِ قرآن اور صاحبِ ارضِ قرآن کو چھوڑ رہا تھا تو میں اس سوچ میں گم تھا کہ جس قوم کے اسلاف نے ساکنانِ جہاں کو جہاں بانی کے گُر سکھائے اور تمدن آفرینی کے سلیقے عطا کیے آج انھی کے سامنے دریوزہ گری پر کیوں مجبور ہے؟

دس بجے صبح ہمارا جہاز اسلام آباد ایئرپورٹ پر اُتر گیا۔ ایئرپورٹ پر استقبال کے لیے ہمارے پرنسپل سید افتخار حسین شاہ، ان کی اہلیہ محترمہ، چھوٹا بیٹا سرمد، میرا چہیتا شاگرد سید امیر علی شاہ، صاحب زادہ عبدالمالک مغفور کے صاحبزادے، عمِ محترم چودھری

Marfat.com

مختار احمد صاحب، عزیزم افتخار احسن، چھوٹا بھائی محمد اصغر ایڈووکیٹ اور عزیزم محمد ارشاد احمد موجود تھے۔ اللہ ان سب کو اجرِ جزیل عطا کرے۔ گھر پہنچے تو تمام عزیز و اقارب اور اہلِ محلہ نے اللہ کے اس عاجز بندے اور حضور علیہ السلام کے غلام کا بڑے خلوص سے استقبال کیا۔ میں اہلِ محلہ کی محبتوں کا شکر گزار ہوں۔ گھر پہنچتے ہی دوستوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ دوسرے دن سرگودھا سے محترم پراچہ صاحب اپنے احباب کے ساتھ تشریف لائے۔ گجرات اور کنجاہ سے ادبی دوست یکے بعد دیگرے غریب خانے کو رونق بخشتے رہے۔ پانچ مارچ کو چھٹی ختم ہو رہی تھی۔ میرے کالج کے رفقا شدت سے میری آمد کے منتظر تھے۔ انھوں نے الگ میرے استقبال کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ اس پروگرام سے انھوں نے مجھے بے خبر رکھا ہوا تھا۔ میں پہلے عزیزم محمد ارشاد احمد کے ساتھ گاڑی میں کالج گیٹ پر پہنچا تو گیٹ سے لے کر کالج بلاک تک کا راستہ بینروں اور جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا۔ محترم پرنسپل صاحب اپنے سٹاف، فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر کے طلبا کے ساتھ دروازے پر موجود تھے۔ جب اس خاطی و عاصی انسان نے گاڑی سے باہر قدم رکھا تو فضا نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت سے گونج اٹھی۔ فاضل بینل پروفیسر سید ہارون بخاری خود نعرے لگوا رہے تھے۔ طلبا نے زبردست گلپاشی کی۔ ڈاکٹر نواز صاحب نے استقبال کے لیے بڑی سرگرمی دکھائی۔ وہ خصوصی شکریے کے مستحق ہیں۔ اپنی یہ شان دار پذیرائی دیکھ کر اس احقر کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوتے وقت جو عزت اور توقیر عطا ہوئی یہاں پہنچ کر یہ پذیرائی اسی واقعے کا تسلسل معلوم ہوئی۔ میں تا دیر اپنے ان دوستوں کی محبتوں اور عنایات کا مقروض رہوں گا۔

Marfat.com

یہ استقبال اس مبارک سفر کا تتمہ تھا

ہٹ جائے زمانے کی ردا میری نظر سے
کیوں تیرا تمنائی تری دید کو ترسے
آنکھوں کے دریچوں میں مہ و مہر سجے ہیں
آیا ہوں ابھی شہرِ محمدؐ کے سفر سے

❑❑❑

Marfat.com

جلوہ ہائے جمال

(دوسرا حصہ)

(نعتیہ کلام)

جی چاہتا ہے نعتِ پیمبرؐ لکھا کروں
جب تک جیوں رسولِ خداؐ کی ثنا کروں

(شورش کاشمیریؒ)

پہلی سات نعتیں مدینہ منورہ میں لکھی گئیں

Marfat.com

Marfat.com

پہلی نظر

(بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑتے ہی)

اس وقت نگاہوں میں ہے. اللہ کا دربار
ہر سمت نظر آتے ہیں انوار ہی انوار

لبیک کی ہر وقت صدا گونج رہی ہے
روتے ہیں تڑپتے ہیں مچلتے ہیں خطا کار

اللہ کے اس گھر پہ ہیں قربان دل و جاں
کوئی بھی یہاں آ کے نہیں رہتا ہے نادار

Marfat.com

نیت میں ہو اخلاص تو کعبہ کی زیارت
بتلاتی ہے انساں کو ہے کیا عظمتِ کردار

جب پہلی نظر پڑتی ہے اللہ کے گھر پر
اللہ کی رحمت کے نظر آتے ہیں آثار

بس خالقِ کونین کا یہ لطف و عطا ہے
اللہ کے گھر پہنچا تفاخر سا گنہگار

جل جلالہٗ

Marfat.com

ﷺ

اشک پلکوں پہ عقیدت کے پرو لیتا ہوں
''تیرے دربان جھڑکتے ہیں تو رو لیتا ہوں☆''

روضۂ پاک مجھے خواب میں بھی آئے نظر
پاس روضے کے یہی سوچ کے سو لیتا ہوں

ایک جانب سے جو دربان جھڑکتے ہیں مجھے
دوسری سمت سے جالی کو میں ہو لیتا ہوں

دل جو گھبرا کے دھڑکتا ہے تو پھر سانسوں میں
زلفِ والّیل کی خوشبو کو سمو لیتا ہوں

☆ یہ مصرعہ اُستاذ الشعرا جناب منیر صابری کنجاہی کی ایک نعت کا ہے۔ میں نے ان سے مستعار لینے کی درخواست کی جو انھوں نے کمال شفقت سے قبول کر لی۔

Marfat.com

جب بھی آتا ہے خیال اپنی خطا کاری کا
اشکِ مجوب سے دامن کو بھگو لیتا ہوں

پیاس بجھتی ہی نہیں بڑھتی چلی جاتی ہے
رات دن لطف حضوری کا میں گو لیتا ہوں

ایک گنبد کے تلے آپؐ بھی، شیخینؓ بھی ہیں
مزے قربت کے بیک وقت میں دو لیتا ہوں

نعت لکھتے ہوئے گنبد کے قریں ہاتھوں کو
آبِ زم زم میں تفاخرؔ! مَیں ڈبو لیتا ہوں

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

سمٹے ہوئے ہیں آنکھ میں انوارِ مصطفےٰ
نظروں کے سامنے ہے جو دربارِ مصطفےٰ

کیا ان دنوں ستارۂ قسمت ہے اوج پر
ہر وقت دیکھتا ہوں میں بازارِ مصطفےٰ

ہوتا ہوں روز شب کو ریاضِ رسولؐ میں
ملتی ہے روز دولتِ دیدارِ مصطفےٰ

رکھتا ہوں روز سر کو میں پائے رسولؐ پر
بکتا ہے روز خود ہی خریدارِ مصطفےٰ

دیکھا تھا جو بھی عالمِ رؤیا میں بار بار
سب کچھ وہ پا چکا ہے طلب گارِ مصطفےٰ

Marfat.com

بعد از وصال بھی ہیں رفیقانِ با صفا
اک یارِ غار ، دوسرا شہکارِ مصطفےؐ

ہر لمحہ اس قدر ہیں مُعطّر مشامِ جاں
جیسے کھلے ہوں گیسوئے خمدارِ مصطفےؐ

کرتی ہے یہ تقاضا محبت حضورؐ کی
دل میں بسا لیں سیرت و کردارِ مصطفےؐ

پاتا ہے نصف شب کو تفاخر جو تابشیں
کرتے ہیں وہ عطا اُسے آثارِ مصطفےؐ

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

سمٹ رہا ہے مدینے کا نور آنکھوں میں
بسے ہوئے ہیں تفاخرِ حضورؐ آنکھوں میں

بوقتِ شام ہے نظروں میں گنبدِ خضریٰ
بتاؤں کیسے ہے کتنا سرور آنکھوں میں

میں دیکھتا ہوں جو محرابِ و منبرِ آقاؐ
تو آ ہی جاتے ہیں آنسو ضرور آنکھوں میں

پڑا ہوا ہوں شب و روز آپؐ کے در پر
بسیں گے کیسے یہ حور و قصور آنکھوں میں

مری نظر میں نہیں کچھ بھی قاقم و سنجاب
سما چکا ہے جو شہرِ حضورؐ آنکھوں میں

Marfat.com

یہ در ہے سرورِ کونینؐ کا جہاں ہر وقت
تجلیوں کا ہے ہوتا ظہور آنکھوں میں

جو دیکھا گنبدِ خضریٰ تو یوں لگا مجھ کو
ٹپک رہی ہے شرابِ طہور آنکھوں میں

بجا ہے اپنی جگہ کوہِ طور کی عظمت
ہر اک قدم پہ مدینہ ہے طور آنکھوں میں

حضور سرورِ عالمؐ کے شہر میں آ کر
نہیں ہے رہتا تفاخرؔ! فتور آنکھوں میں

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

ملے ہوئے ہیں جو مجھ کو قرار کے لمحے
گزر نہ جائیں یہ آقاؐ بہار کے لمحے

لگا ہوا ہے یہ دھڑکا نہ چھین لے کوئی
شرابِ عشقِ نبیؐ کے خمار کے لمحے

قسم خدا کی ہیں میری حیات کا حاصل
نبیؐ کے شہر کے قُرب و جوار کے لمحے

جو نو دنوں میں ملا ہے حضورؐ کے در سے
ہیں جان میری وہ اُنؐ کے پیار کے لمحے

Marfat.com

مجھے عزیز ہے کعبے کی عزت و حرمت
جدا ہیں شہرِ نبیؐ کے وقار کے لمحے

اے کاش! حشر کے دن تک کبھی ٹھہر جاتے
نبیؐ کے فیض پہ دار و مدار کے لمحے

دعا ہے اپنے خدا سے حیات میں میری
کبھی نہ آئیں تفاخر! فشار کے لمحے

صلی اللہ علیہ وسلم

نوٹ: چھبیس فروری کی شام کو میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد مسجد نبویؐ کے صحن میں فندق دار التقویٰ کے قریب کھڑا تھا کہ اچانک بڑی فرحت آفرین ہوا چلنے لگی۔ میں سرکار رسالت مآب ﷺ کے روضۂ اطہر کی بالکل سیدھ میں تھا۔ اس سرور انگیز ہوا نے جو لطافت کا سماں پیدا کیا اس نے شعری ذوق دو آتشہ کر دیا اور مولانا حسرتؔ موہانی کی ایک نعت کی زمین میں یہ اشعار بالبداہت زبان پر آ گئے۔

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

کیا خوب اُٹھیں مسجدِ نبویؐ میں گھٹائیں
کچھ ان کے مقابل نہیں جنت کی ہوائیں

جس روز سے ہے سامنے سرکارؐ کا روضہ
بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں اللہ کی عطائیں

جو زخم زمانے کی شقاوت نے دیا ہے
آ قلبِ حزیں رحمتِ عالم کو دکھائیں

ایمان ہے ایقان ہے زم زم کے اثر سے
ہو جاتی ہیں لاریب علالت سے شفائیں

پُرنور ہیں پُرکیف ہیں جاں بخش ہیں اتنی
رگ رگ میں سمائی ہیں مدینے کی فضائیں

Marfat.com

دربانو! پڑا رہنے دو سرکارؐ کے در پر
برداشت نہ ہوں گی یہ جدائی کی سزائیں

ہیں لوح و قلم اس کے بقول حضرتِ اقبالؒ
کرتا ہے جو ہارون[1] محمدؐ سے وفائیں

سرکارؐ کے قدموں میں جو پہنچا ہے یہ عاصی
دیتا ہوں شب و روز میں راشدؔ کو دعائیں

قرباں ہے اُس ذاتِ پیمبرؐ پہ تفاخرؔ
کیں جس نے عطا خون کے پیاسوں کو قبائیں

ﷺ

[1] فاضلِ نبیل پروفیسر سیّد ہارون بخاری (جو میرے کالج فیلو ہیں)

Marfat.com

ﷺ

(مدینہ طیبہ میں قیام کا آخری دن)

ہوتا ہوں جدا آج نبی پاکؐ کے در سے
اِس شام چلا جاؤں گا سرکارؐ کے گھر سے

کر دینا معاف آقاؐ تفاخر کی خطائیں
سرزد جو ہوئیں ایک خطا کار بشر سے

لے جاؤ نہ ساتھ اپنے مجھے قافلے والو!
مر جاؤں گا اللہ کی قسم ، ہجر کے ڈر سے

بن جاؤں گا جاروب کشِ گنبدِ خضریٰ
ذرّے بھی ہیں خورشید جہاں نورِ سحرؐ سے

کر لیتا تھا ہر رات کو اشکوں سے وضو میں
ہر بوجھ اُتر جاتا تھا آقاؐ کی نظر سے

Marfat.com

کیا بات ہے اے مسکنِ خورشیدِ رسالتؐ
آتی ہے مہک تیری ہر اک راہ گزر سے

صد شکر کہ ہے دیکھ لیا گنبدِ خضریٰ
اک عمر مرے قلب و نظر دید کو ترسے

لیتے ہیں شب و روز کہاں سے یہ تجلّی
جا پوچھ لے رخشندگیِ شمس و قمر سے

دیدار کی دولت تو عطا خیر ہوئی ہے
جاتا رہا یرقان بھی زم زم کے اثر سے

پلکوں نے ترے نقشِ قدم چوم لیے ہیں
نکلا تھا تفاخر تو یہی سوچ کے گھر سے

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

نظر جو رات کو آتا ہے کہکشاں کا نگر
مرے رسولؐ کی معراج کی ہے گردِ سفر

حضورؐ آپ کی چشمِ کرم نہ گر ہوتی
نہ لاتے پیڑ کبھی ڈالیوں پہ برگ و ثمر

نہ ملتی بھیک اگر تیری مُسکراہٹ کی
سیاہ رہتا یہ انساں کی دھڑکنوں کا نگر

جونہی لعابِ دہن تھا حضورؐ نے ڈالا
تو پل میں ٹھیک ہوئی چشمِ فاتحِ خیبرؓ

خبر ملی جو اُسے آپؐ کی ولادت کی
لرز کے رہ گیا بوجہل کا جہانِ شرر

Marfat.com

میں چوم لیتا ہوں اس خوش نصیب کی آنکھیں
وہ جس نے دیکھے ہوں شہرِ نبیؐ کے شام و سحر

ہیں یوں تو سارے پیمبر ہی معتبر لیکن
مرے رسولِ مکرمؐ ہیں صاحبِ کوثر

ملائکہ کو بھی ہے علم کہ شبِ معراج
عیاں ہوا تھا جہاں بھر پہ ارتفاعِ بشر

ہوں اُس گھڑی سے غریقِ محبت آقاؐ
عطا ہوا ہے مقدر میں جب سے ذوقِ نظر

رُخِ نبیؐ سے تفاخر یہ روشنی لے کر
ہیں جگمگاتے شب و روز آفتاب و قمر

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

جو شخص حبِ نبیؐ میں خراب[1] ہو جائے
قسم خدا کی وہ عزت مآب ہو جائے

سجا لے آنکھ میں جو خاکِ وادیٔ بطحا
وہ کیوں نہ ذرّے سے پھر آفتاب ہو جائے

طواف کرنے لگے حسنِ حضرتِ یوسفؑ
جو حسنِ شاہِ زمنؐ بے حجاب ہو جائے

جو چاہتا ہے میسر ہو قربتِ آقاؐ
وہ شخص خاکِ درِ بوترابؓ ہو جائے

یہ آرزو ہے مرے دل کو، خلد میں داخل
گناہ گار بغیرِ حساب ہو جائے

1. یہاں خراب سے میری مراد فنا اور ماندہِ خستگی ہونا ہے۔

Marfat.com

دعا ہے میری کہ حُبِ رسولؐ میں یارو
خوشا کہ جل کے مرا دل کباب ہو جائے

حضورؐ نے شبِ معراج آرزو کی تھی
معاف قوم کا میری، عذاب ہو جائے

کہا خدا نے کہ بخشوں گا میں تری اُمّت
ہے شرط در سے ترےؐ فیض یاب ہو جائے

کہوں میں اس کو تفاخرِ سکندرِ قسمت
نثار جس کا نبیؐ پر شباب ہو جائے

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

بنا جہان میں جو آدمی گدائے رسولؐ
ضرور ہوتی ہے اس شخص پر عطائے رسولؐ

الٰہی مجھ کو بھی دے دے تُو رفعتِ گردوں
کہ جبرائیل سا میں بھی ہوں اک فدائے رسولؐ

ہیں کتنے لازم و ملزوم مصطفٰےؐ و خدا
وہی رضائے خدا ہے جو ہے رضائے رسولؐ

ہے کتنا خوب یہ ہجرت کی رات کا اعجاز
وہ دیکھتے بھی رہے پر نظر نہ آئے رسولؐ

مجھے یہ فخر ہے بچپن سے ہی مری ماں نے
سماعتوں کو کیا میری آشنائے رسولؐ

Marfat.com

علیل میں بھی ہوں آقاؐ کہ مثلِ شرف الدینؒ
مجھے بھی کاش ملے خواب میں ردائے رسولؐ

بھری پڑی ہیں تعفّن سے ملک کی گلیاں
کہ ان کو چاہیے بس کوچۂ ہوائے رسولؐ

عمرؓ کو ہوتی عطا کیوں نہ دولتِ ایماں
کہ اُن کے شاملِ احوال تھی دعائے رسولؐ

تمھارے اوج پہ قربان ہوں، شہِ کربلؓ!
نماز میں بھی تجھے پُشت پر بٹھائے رسولؐ

بنیں خدا کی قسم خارزار بھی گلشن
کبھی جو نازِ فراواں سے مسکرائے رسولؐ

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

حاضر ہیں آج طالبِ دیدارِ مصطفٰیؐ
دل میں بسا کے بیٹھے ہیں انوارِ مصطفٰیؐ

میری نظر میں بختِ سکندر بھی کچھ نہیں
میں ہوں اسیرِ گیسوئے خم دارِ مصطفٰیؐ

اک بار جو بھی روضۂ اطہر کو دیکھ لے
ہرگز نہ بھول پائے وہ آثارِ مصطفٰیؐ

حسنؓ و حسینؓ، فاطمہؓ زہرا و مرتضٰیؓ
بے مثل ہے جہاں میں چمن زارِ مصطفٰیؐ

حاضر تھے جس میں حیدرؓ و فاروقؓ و ذوالنورینؓ
کتنا حسیں تھا نقشۂ دربارِ مصطفٰیؐ

Marfat.com

مطلوب ہے جو دنیا میں اوجِ کمال پھر
دل میں بسا لیں سیرت و کردارِ مصطفےٰؐ

پایا لقب تھا انہوں نے مرادِ رسولؐ کا
فاروقؓ جب بنے تھے فدا کارِ مصطفےٰؐ

حبشہ کا اک غلام ، زمانے کا ہے امام
کیا خوب ہے مقامِ خریدارِ مصطفےٰؐ

سمجھوں گا مجھ کو دولتِ کونین مل گئی
جب دیکھ لوں گا کوچہ و بازارِ مصطفےٰؐ

ہر ہر قدم پہ جس کے ہوں قربان جن و انس
میں بھی تو ہوں تصدقِ رفتارِ مصطفےٰؐ

نکلی تھی جس جگہ سے تفاخر یہ روشنی
تابندہ تر ہے آج بھی وہ غارِ مصطفےٰؐ

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

شہرِ محبوبِ خدا یہ ہے عنایت تیری
مجھ کو ہوتی ہے تسلسل سے زیارت تیری

جب بھی آتا ہے نظر عالمِ رویاً میں مجھے
بھول پاتا ہی نہیں دل وہ لطافت تیری

سب زیاں مجھ کو گوارا ہے مگر شہرِ نبیؐ
ہو نہیں سکتی گوارا مجھے فرقت تیری

میں یہ سمجھوں گا مرے بخت کا تارا چمکا
حشر میں بھی جو میسّر ہو رفاقت تیری

Marfat.com

کیسے روکے گا مجھے کوئی بھلا جنت سے
جب شہِ کون و مکاںؐ ہوگی اجازت تیری

میرے سینے میں مچلتی ہے یہ خواہش ہر دم
مر کے بھی ٹوٹے نہ آقاؐ کبھی نسبت تیری

گرمیِ آتشِ دوزخ کا اُسے کیا غم ہے
موجزن جس کے ہو سینے میں محبت تیری

اے تفاخرؔ! میں اگرچہ ہوں غریقِ عصیاں
پر یقیں ہے کہ مجھے ہوگی شفاعت تیری

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

ہے میرے لیے اتنا شَرَف وجہِ مباہات
میں نعتِ نبیؐ کہتا رہوں دوستو! دن رات

خود قادرِ مطلق ہے محمدؐ کا ثنا خواں
اس بات پہ شاہد ہیں خداوند کی آیات

کام آتا ہے واللّیل کی زلفوں ہی کا سایہ
کرتا ہوں جو سورج کی تمازت کا شکایات

آنکھوں پہ برس جاتی ہیں طیبہ کی گھٹائیں
ہر سال جب آتا ہے یہاں موسمِ برسات

خود خالقِ اکبر نے سرِ عرش بُلا کر
محبوب کی کیا جانیے کیں کتنی مدارات

Marfat.com

قرآن پڑھا صاحبِ قرآن نے جس وقت
معمور ہوئے دولتِ ایمان سے جنّات

اسلام تو تھا مذہبِ تحقیق و تجسس
پر ہم نے بنا ڈالا اسے کشف و کرامات

اس اوج پہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا کوئی بھی
اللہ نے آقاؐ کو دیے اتنے کمالات

سرکارؐ کی قربت کا شرف ہے تو مسلّم
کردار پہ موقوف ہے پر بخششِ سادات

تم چاہو انھیں گننا تو گن سکتے نہیں ہو
انسان پہ اللہ کی اتنی ہیں عنایات

تُو پیش تو کر سامنے آقاؐ کے تفاخر
دامن میں تری جتنی بھی موجود ہیں حاجات

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

اس سے پہلے بھی تھا ذکرِ خواجہؐ کون و مکاں
جس گھڑی موجود ہی نہ تھے زمین و آسماں

شاہِ بطحاؐ کے درِ اقدس کا میں ادنیٰ غلام
عظمتوں میں عرش سے بڑھ کر ہے جس کا آستاں

خُلق کا پیکر بنایا تُو نے ایسی قوم کو
ہاتھ میں ہوتے تھے جس کے ہر گھڑی تیغ و سناں

کوئی پہنچا ہے نہ پہنچے گا کبھی کوئی بشر
ایک لحظے میں مری سرکارؐ جا پہنچے جہاں

تھے بہت پیوند آقاؐ کے لباسِ پاک پر
وہؐ اگرچہ بن کے آئے تاج دارِ دو جہاں

Marfat.com

تیرے سینے میں اگر ہے آتشِ عشقِ رسولؐ
تو بجھا دے آج ہی سے آتشِ عشقِ بتاں

دشمنانِ جان و دیں کو کر دیا اُسؐ نے معاف
آپؐ کے اخلاق کی وسعت تھی اتنی بے کراں

آپؐ کی خدمت میں کرتا ہوں میں اتنی التماس
ساتھ رکھنا حشر میں اے تاج دارِ دو جہاں

ساری دنیا تھی مسلمانوں کی ٹھوکر پر کبھی
ولولے حُبِ نبیؐ کے جب تھے سینے میں جواں

آ گیا تھا آپؐ کے قدموں میں جو حبشی غلام
بن گیا تھا ایک لحظے میں وہ سلطانِ زماں

ہوں تفاخرؔ جان و دل اُس ذاتِ اقدس پر نثار
جس نے وحشی اور ابوسفیان کو دے دی اماں

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

نام لیتا ہے جو سرکارؐ کا ہر گام کے ساتھ
زندگی اس کی گزر جاتی ہے آرام کے ساتھ

اُس کی رفعت کو ذرا غور سے پرکھو تو سہی
نام آتا ہے جو اللہ کے ہر نام کے ساتھ

کم ہوئی ہے نہ مٹے گی میرے آقاؐ کی ثنا
مٹنے والے تو مٹے گردشِ ایّام کے ساتھ

صبح اُٹھتا ہوں تو کرتا ہوں ترا ذکرِ جمیل
نعت کہتے ہوئے سو جاتا ہوں ہر شام کے ساتھ

Marfat.com

برکتیں ہوتی ہیں اس کام میں بے حد و حساب
ذکر ہوتا رہے سرکارؐ کا جس کام کے ساتھ

چشمِ گردوں بھی نہیں کرتی فراموش اُسے
ظلم اتنا ہوا شبیرؓ کے خیّام کے ساتھ

اپنے اللہ سے کرتا ہے تفاخرؔ یہ دعا
موت دے روضۂ اطہر کے در و بام کے ساتھ

ﷺ

Marfat.com

ﷺ

جاوداں مجھ کو مدینے میں ٹھکانا چاہیے
میرے سر کو اک تمھارا آستانا چاہیے

سر جھکا کر گڑگڑا کر جالیوں کو تھام کر
پھر ادب سے حالِ دل اُن کو سنانا چاہیے

آرزو ہے جب میں پہنچوں سامنے سرکارؐ کے
آپؐ فرمائیں، اِسے جنت میں جانا چاہیے

جوش میں ہوتا ہے رحمت کا سمندر ہر گھڑی
عاصیوں کی اُس کو بخشش کا بہانہ چاہیے

Marfat.com

کربلا میں حضرتِ شبیرؓ نے ثابت کیا
حرف آئے دین پر تو سر کٹانا چاہیے

یہ سکھایا جان دے کر غازی علم الدین نے
کشتۂ شمعِ نبیؐ کو مُسکرانا چاہیے

جس میں رہتے تھے نبیؐ کے ساتھ حیدرؓ اور عمرؓ
میری آنکھوں کو خدایا وہ زمانہ چاہیے

وہ شفیع المذنبیں ہیں پھر ہے رونا کس لیے
آپؐ کی اس شان پر تو مسکرانا چاہیے

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

خدا بھی کرتا ہے کس درجہ احترامِ رسولؐ
جبینِ عرش پہ لکھا ہوا ہے نامِ رسولؐ

کہوں گا دیکھ کے دوزخ کو میں ببانگِ دہل
مجھے غضب سے نہ دیکھو میں ہوں غلامِ رسولؐ

بلالؓ تجھ پہ تصدق ہزار جان مری
عزیز تھا تجھے جاں سے بھی احترامِ رسولؐ

یہ کائنات بہشتِ بریں نہ بن جائے
ہو کائنات میں رائج اگر نظامِ رسولؐ

Marfat.com

تراشتا تھا جو آقاؐ کے گیسوئے خم دار
بلند بخت تھا کتنا ہی وہ حجامِ رسولؐ

حسینؓ! دینِ کو تو نے وہ ارتفاع بخشا
کہ آ رہا ہے تمھیں آج بھی سلامِ رسولؐ

گزر رہی ہے اسی آس میں حیات مری
کبھی تو ہو گا تفاخر کے گھر قیامِ رسولؐ

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

وہ نہیں ملتا زر و مال کے انباروں میں
جو ملا کرتا ہے بس طیبہؐ کے بازاروں میں

میں نہیں دولتِ دنیا کے خریداروں میں
میں ہوں اللہ کی رحمت کے طلب گاروں میں

پا سکا جو نہ کبھی فقر کی دستاروں میں
پا لیا روضۂ اطہر کے وہ میناروں میں

دولتِ حُبِ نبیؐ جس کو عطا ہوتی ہے
کس لیے گنتے ہو اس شخص کو ناداروں میں

سیرتِ آلِ نبیؐ پر جو عمل کرتے نہیں
مجھ کو شامل نہ کرو ایسے عزا داروں میں

Marfat.com

دینِ سرکارِ مدینہؐ کا حقیقت میں عروج
تھا چھپا حیدرِ کرّارؓ کی تلواروں میں

یہ تو بتلاتے ہیں یورپ کے مؤرخ بھی ہمیں
عمرِ فاروقؓ ہیں آقاؐ کے فدا کاروں میں

آپؐ نے اُن کو جہاں گیر و جہاں دار کیا
تھے جو شامل کبھی اُس دور کے ناچاروں میں

زلفِ سرکارؐ نے پائی تھی تفاخر جو مہک
مل نہیں سکتی کبھی دنیا کے گلزاروں میں

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

اس جہاں میں جو غلامِ سیّدِ ابرار ہے
وہ سمجھ لے اُس جہاں میں اُس کا بیڑا پار ہے

اُمتِ مرحوم آقاؐ کس قدر ناچار ہے
سانس تک بھی اس کا لینا ہو گیا دشوار ہے

رحمتہ اللعالمیں کی ذاتِ اقدس کے قریب
ہے وہی تو محترم جو صاحبِ کردار ہے

حاجیو! تھوڑی سی لے آنا تفاخر کے لیے
خاکِ طیبہ اس کو سُرمے کے لیے درکار ہے

Marfat.com

زر کی خواہش اور نمائش اس قدر ہے آج کل
محفلِ مدحِ نبیؐ بھی اب تو کاروبار ہے

جس جگہ پر کانپ اٹھتے ہیں جنیدؒ و بایزیدؒ
وہ فقط اللہ کے محبوب کا دربار ہے

سب صحابہ محترم ہیں یوں تو آقاؐ کے مگر
کیا بتاؤں شان اُس کی، وہ جو یارِ غار ہے

عالمِ رویاء میں مجھ کو بھی عطا کر دیں ردا
ایک مدت سے تفاخرؔ آپؐ کا بیمار ہے

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

اپنی اُمت پر خدا کا ایک احساں آپؐ ہیں
ہے جہاں جس سے معطر وہ گلستاں آپؐ ہیں

دوستو جس پہ ہے سورج بھی تصدق لاکھ بار
ظلمتِ دنیا میں وہ شمعِ فروزاں آپؐ ہیں

جن کو خود بلوا لیا اللہ نے معراج پر
تھا خدا خود میزباں جس کا وہ مہماں، آپؐ ہیں

ایک قرآں تو مُجلّد شکل میں ہے دوستو
جو خراماں تھا مدینے میں وہ قرآں آپؐ ہیں

Marfat.com

مرتبے یوں تو ملے ہیں سب رسولوں کو مگر
دو جہاں کے اوج کا، رفعت کا عنواں آپؐ ہیں

ہے مُسلّم مرتبہ اپنی جگہ توحید کا
پر جہانِ عشق کا ایمان و ایقاں آپؐ ہیں

جس نے توڑی آ کے دنیا میں شبِ تارِ الست
ہے مرا ایماں کہ وہ صبحِ درخشاں آپؐ ہیں

فاقہ مستی سے تفاخر جن کے گھر ہیں بے چراغ
بے سر و سامانیوں میں اُن کا ساماں آپؐ ہیں

ﷺ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

مری سرکارؐ نے جس وقت اپنی زلف بکھرائی
خزاں دیدہ چمن میں ایک لحظے میں بہار آئی

دعا دی رحمتہ اللعالمینؐ نے گالیاں سن کر
انوکھا تھا جہاں سے انؐ کا اندازِ شکیبائی

ہوئیں خیرہ نجوم و آفتاب و چاند کی آنکھیں
کہ ذرّاتِ زمیں نے آپؐ سے وہ روشنی پائی

جونہی تشریف لے آئے جہاں میں والیِ بطحا
تو مکّہ اک طرف دنیا میں رحمت کی گھٹا چھائی

Marfat.com

ادب سے ایستادہ تھے ستارے اور سیّارے
ہوئی معراج کی شب جب فلک پر جلوہ فرمائی

عطا اِذنِ حضوری ہو اے میرے ملجا و ماویٰ!
ہے بڑھتا جا رہا ہر دم مرا ذوقِ جبیں سائی

قسم سے ہو گیا تھا ماند حسنِ حضرتِ یوسفؑ
جونہی آقاؐ نے چہرے سے ردائے زلف سرکائی

درود اُس ذاتِ اقدس پر تفاخر اپنی اُمت کو
ضیائے چشم سے اپنی عطا کی جس نے بینائی

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

جس وقت کہوں دوستو میں ہائے مدینہ
اُس وقت مرا قلب ہی بن جائے مدینہ

دیکھے جو عقیدت سے کبھی جانبِ طیبہ
اُس آنکھ میں واللہ سمٹ آئے مدینہ

آئی تھی ندا، اور قریب اور قریب آ
جب پہنچے فلک پر شہِ والائے مدینہ

چھے سال سے یرقان کا ہے عارضہ مجھ کو
ہے ایک ہی حل اس کا کہ مل جائے مدینہ

Marfat.com

پہنچوں گا لحد میں تو یہ اللہ کہے گا
چھیڑو نہ نکیرو! یہ ہے شیدائے مدینہ

لے جائے ہَوا مجھ کو مدینے میں اُڑا کر
ہے دل میں بسی کب سے تمنائے مدینہ

گر ذوق دیا ہے تو عطا کر یہ شرف بھی
جب آنکھ لگے میری نظر آئے مدینہ

مل جائے اگر ذرّۂ صحرائے عرب بھی
اس میں بھی تفاخر کو نظر آئے مدینہ

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

اس قدر ہے دوستو! شہرِ نبوت دلنشیں
جا کے دل کہتا ہے، واپس اب نہ جائیں ہم کہیں

کاش مل جائے مجھے اُس کی زیارت کا شرف
مرتبے میں عرش سے بھی بڑھ کے ہے جو سرزمیں

جب ہوئے سرکارؐ پیدا تو کہا جبریلؑ نے
آمنہ کا لالؐ ہے سارے رسولوں سے حسیں

کر دیا وحشی کو بھی سرکارؐ نے یکسر معاف
خونِ حمزہؓ سے ہوئی تھی سرخ جس کی آستیں

Marfat.com

جگمگا اُٹھی حلیمہ سعدیہ کی جھونپڑی
گود میں اُس کی جو آئے رحمۃ للعلمینﷺ

ساری دنیا کے گلستانوں میں آ جاتی بہار
جب بکھرتی تھی مرے آقاﷺ کی زلفِ عنبریں

ہو گئیں کافور ساری ظلمتیں، تاریکیاں
آ گیا دنیا میں جب وہ نازشِ عرشِ بریں

صدقہٗ حسنؓ و حسینؓ و مرتضیٰؓ و فاطمہؓ
اب بلا لیں مجھ کو طیبہ، سرورِ دنیا و دیں

اُس درِ اقدس سے تُو بھی اے تفاخرؔ مانگ لے
اک 'نہیں' کا لفظ جس کے لب پہ آتا ہی نہیں

ﷺ

Marfat.com

ﷺ

بڑھ کے ہو اس سے اور کیا عظمت رسولؐ کی
جاری ہے شش جہت پہ حکومت رسولؐ کی

جب تک کہ حرزِ جاں نہ ہو سیرت رسولؐ کی
بے فائدہ رہے گی محبت رسولؐ کی

آدم سے لے کے حضرتِ عیسیٰؑ تھے مقتدی
زیبائشِ اُمم تھی امامت رسولؐ کی

اتنی مصیبتوں میں بھی جنبش نہیں ہوئی
بے مثل ہے جہاں میں عزیمت رسولؐ کی

Marfat.com

دشمن بھی جس کے پاس تھے رکھتے امانتیں
اللہ! کیا حسیں تھی دیانت رسولؐ کی

قربان جاؤں تجھ پہ حیاتِ رسولؐ میں
صدیق تو نے کی تھی نیابت رسولؐ کی

دوزخ میں جائے گا نہ کوئی اُنؐ کا اُمتی
تھی اس غرض سے ساری ریاضت رسولؐ کی

درہم تھے چار اور فقط ٹوٹا بوریا
وقتِ وصال نکلی یہ ثروت رسولؐ کی

اُس دل کی عظمتوں کو تفاخر مرا سلام
جس دل میں جاگزیں ہے محبت رسولؐ کی

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

سرکارؐ کو اللہ نے دیے جتنے کمالات
ان سب کو بیاں کرتی ہیں قرآن کی آیات

اُس شہر میں لے جائے مجھے کاش مقدر
ہوتی ہے شب و روز جہاں نور کی برسات

اولاد بھی، عزت بھی ہے، شہرت بھی، حیا بھی
یہ ساری خداوند کی ہیں مجھ پہ عنایات

کرتا ہے جو ہر روز ثنا خوانیِ خواجہؐ
نزدیک نہ آئیں گی کبھی اس کے بلیّات

Marfat.com

اے کاش سرِ حشر نبیؐ پاک یہ کہہ دیں
آ مجھ کو سنا تو نے جو لکھی ہے مری نعت

ہوتی ہی چلی جاتی ہے اُمت کی تباہی
دیں اب تو حضورؐ اس کو بھی تسکین کی خیرات

ہر سانس ہے مصروفِ ثنا خوانیِ آقاؐ
ہر ذرّہ ہے مصروفِ ثنا آپؐ کی دن رات

اس رات کو قسمت کی حسیں رات کہوں گا
تشریف مرے گھر میں نبیؐ لائیں گے جس رات

مل جائے تفاخر کو اگر خاکِ مدینہ
کیا لے کے کروں ساری زمیں اور سماوات

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

صاحبِ خُلقِ عظیم و صاحبِ شمس الضحیٰ
باعثِ تسکینِ قلب و جاں ہے ذکرِ مصطفےٰؐ

اُس نبیؐ کا اُمتی ہونے پہ مجھ کو ناز ہے
عظمتوں کی جس کی شاہد اب بھی ہے غارِ حرا

کیوں نہ اُنؐ کی خاکِ پا میں اپنی آنکھوں سے مَلوں
جن کی نعلینِ مبارک چومتے ارض و سما

طور پر موسیٰؑ گئے تھے جلوۂ دیدار کو
مصطفےٰؐ کو خود خدا نے عرش پر بُلوا لیا

لے لیا سرکارؐ نے آغوشِ رحمت میں اُنھیں
صاحبانِ نخوت و زر نے جنھیں ٹھکرا دیا

Marfat.com

میں ہوں تشنہ لب، عطا کر قطرۂ آبِ حیات
اے مرے ساقیِ کوثر، اے شہِ فقر و غنا

میرے جسم و جاں تصدق تجھ پہ اے رنگِ بلالؓ
تیرے نورِ عشق نے تو چاند کو شرما دیا

حُبِّ جلبِ زر سے چھٹکارا دلا دیتا ہے یہ
جذبۂ حُبِ نبیؐ ہے وہ متاعِ بے بہا

خطۂ کربل پہ یہ کتنا بڑا احسان ہے
جذب اس میں ہو گیا ہے خونِ آلِ مصطفٰےؐ

شک سے بالاتر وفا ہے حضرتِ بوبکرؓ کی
دوستو آتی ہے غارِ ثور سے اب بھی ندا

اے تفاخر! بھیج اُن پر ہر گھڑی تُو بھی درود
جس رفیع الشان ہستی کا ثنا خواں ہے خدا
صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

ہے حبیبِ کبریاؐ سے میری اتنی التماس
اب خدا کے واسطے مجھ کو بلا لیں اپنے پاس

اب تو آقاؐ میرے سوزِ قلب کی تالیف ہو
رنج و غم کے ہیں بگولے رقص کرتے آس پاس

اب نہیں مجھ کو گوارا ایک لحظے کا فراق
شہرِ محبوبِ خدا سے اس قدر ہوں میں اُداس

ہم رہیں گے خار زاروں میں سدا اُلجھے ہوئے
پہنتے جب تک نہیں ہم حسنِ تقویٰ کا لباس

Marfat.com

یہ حقیقت مان جائیں عاشقانِ مصطفےٰ
ہیں فقط اعمال ہی حُبِ محمدؐ کی اساس

روضۂ اطہر کے اندر حاضری دیتے ہوئے
ہیبتِ نبوی سے کھو جاتے ہیں شاہوں کے حواس

اس روئی سے میں بنُوں گا دوستو احرامِ حج
بو رہا ہوں کشتِ الفت میں محبت کی کپاس

غوطہ زن ہوتے ہیں لب بحرِ لطافت میں مرے
ہے تفاخر اس قدر اسمِ محمدؐ میں مٹھاس

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

نقش غیر اللہ کے دل سے مٹائے آپؐ نے
رب کے در پہ بدّوؤں کے سر جھکائے آپؐ نے

جن کو اُٹھنے بیٹھنے کی بھی نہیں تھی کچھ خبر
گُر جہاں بانی کے اُن کو بھی سکھائے آپؐ نے

چھا رہے تھے جو اندھیرے اُس جبینِ دہر پر
نورِ حق سے وہ اندھیرے جگمگائے آپؐ نے

وادیٔ بطحا کے اُن ذرّوں پہ قرباں لاکھ بار
رشکِ انجم جو نگاہوں سے بنائے آپؐ نے

Marfat.com

زینبؓ و حمزہؓ کے خوں سے جن کا دامن سرخ تھا
ایسے مجرم اپنی کملی میں چھپائے آپؐ نے

کانپ اٹھے دیکھ کر جن کو زمین و آسماں
اتنے صدمے دین کی خاطر اٹھائے آپؐ نے

جن کو پا کر سارے بے کس ہو گئے تھے سیر چشم
رحمتوں کے وہ خزانے ہیں لٹائے آپؐ نے

اے تفاخر! رونقیں جن سے رہیں گی حشر تک
محفلِ دنیا میں رنگ ایسے جمائے آپؐ نے

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

شاہِ بطحاؐ جب ہوئے معراج کی جانب رواں
آ گئی تھی وجد میں اُس رات بزمِ کہکشاں

آ گیا جب دہر میں وہ نازشِ فصلِ بہار
اُس گھڑی سے رو رہی ہے آج تک فصلِ خزاں

آپؐ کے رُخ سے ہیں پاتے چاند تارے روشنی
مسکراہٹ سے تری روشن جبینِ آسماں

جو ترے قدموں میں پہنچا ہو گیا وہ سرخرو
جو ہے منکر ہو نہیں سکتا کبھی وہ کامراں

عورتوں کا مرتبہ اُن کو بتایا آپؐ نے
گاڑ دیتے بیٹیوں کے دل میں جو نوکِ سناں

Marfat.com

اس حقیقت میں نہیں ہے جھوٹ کا کچھ شائبہ
عظمتِ سرکارؐ ہے سارے صحائف سے عیاں

بیٹھتے صدیقؓ و حیدرؓ جب نبیؐ کے سامنے
کیسا لگتا ہو گا دربارِ نبوّت کا سماں

جس گھڑی پڑھتا نہیں ہوں اپنے آقاؐ پر درود
زندگی کی وہ گھڑی جاتی ہے یکسر رائگاں

ہوش کا دامن نہ چھوڑیں زاہدانِ شہر بھی
منزلِ عشقِ نبیؐ ہے یہ، نہیں عشقِ بتاں

جب مدینے پاک میں کہتے اذاں حضرت بلالؓ
جھوم اٹھتے سوز سے اُن کے زمین و آسماں

ارزل و اسفل تفاخر، اکمل و اجمل ہے توؐ
کس طرح مدحت کروں، ہے تابِ گویائی کہاں

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

ایک چٹکی کاش مل جائے مجھے خاکِ حجاز
عمر ہو جائے یقیناً میری آنکھوں کی دراز

آرزوئے شوق میں، مَیں ہو چکا ہوں نیم جاں
سرورِ کونینؐ! اب تو دید سے مجھ کو نواز

جذبۂ محمود غزنی اب ہے اُمت میں کہاں
رہ گیا ہے پاس اس کے اک خمِ زلفِ ایاز

بھر چکے تھے جن کے سینوں میں شرر دل کی جگہ
بھر دیا ان کے دلوں میں آپؐ نے سوز و گداز

Marfat.com

دیکھتے ہی رہ گئے معراج کی شب جبرائیلؑ
جب خدا کے ہاں سجی تھی محفلِ راز و نیاز

دعویٰ عشقِ محمدؐ، کام سب اس کے خلاف
اس طرح سے لوگ کرتے ہیں ریا سے سازباز

میں نہ ڈوبوں گا کبھی بحرِ غم و آلام میں
دنیا و عقبیٰ میں جب ہیں آپؐ میرے چارہ ساز

روز پڑھتا ہے تفاخرؔ شاہِ طیبہ پر درود
یہ عمل دیتا ہے اس کو دوستو! لطفِ نماز

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

جن کی آنکھوں اور دل میں ہیں بسے رہتے حضورؐ
دُور رہ کے بھی اُنھیں تو لطف آتا ہے ضرور

اُن سروں کو در پہ اللہ کے جھکایا آپؐ نے
بھر چکی تھی جن سروں میں نخوت و کبر و غرور

حشر میں بھی اُن کو قربت مل نہیں سکتی کبھی
جو رہے تھے میرے آقاؐ سے جہاں میں دُور دُور

مجھ کو کافی ہے مدینے کا نظارا واعظو!
پاس رکھو تم جہاں کا سب زر و حور و قصور

Marfat.com

عالمِ رویاؑ میں دیکھا تھا مدینہ ایک بار
مل رہا ہے آج تک میری نگاہوں کو سرور

مجھ سا عاصی کر رہا ہے مدحِ آقائے جہاں
اس کو کہتا ہوں سراسر رحمتِ ربِّ غفور

میری نظروں میں ہے بطحا چشمۂ فیضِ ادب
نعت پاتی ہے وہیں سے میری اوزان و بحور

اُس نبیؐ اُمّی کی خدمت میں تفاخر کا سلام
ہے بنایا جس کو اللہ نے شہنشاہِ شعور

ﷺ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

منبعِ جود و سخا اے صاحبِ لطفِ عمیم
آپؐ کے قدموں میں پہنچوں گا یہ ہے عزمِ صمیم

جو عطا کرتے ہیں ہم کو، لازم و ملزوم ہیں
اُن کو کہتی ہے حدیثِ پاک قاسم اور قسیم

سارے افلاطونِ دنیا کی فراست اک طرف
بڑھ کے آقاؐ ہیں کروڑوں مرتبہ اُن سے فہیم

طعنۂ افلاس مجھ کو دشمنو! دیتے ہو کیوں
میں گدا ہوں اُس کے در کا جس کو کہتے ہیں کریم

Marfat.com

ساتھ تھا جو جاں ہتھیلی پر لیے ہجرت کی رات
کیا ملا سرکارؐ کو صدیقؓ اکبر سا ندیم

جس کی شفقت نے ابوسفیان کو دے دی اماں
ہے کوئی تاریخِ عالم میں محمدؐ سا حلیم

ساقیِ کوثر نہیں ہے مانتا جو آپؐ کو
اس کو عقبیٰ میں پلایا جائے گا آبِ حمیم

اے تفاخرؔ! وہ سمجھتا ہے عبادت نعت کو
ہے عطا جس کو کیا اللہ نے ذوقِ سلیم

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

ہے دیا اللہ نے محبوبؐ کو اتنا کمال
پورا کرتے ہیں وہ فوراً ہر سوالی کا سوال

جب محمدؐ عاصیوں کو بخشوانے آئیں گے
ہنس پڑے گا آپؐ کے آنے سے قدرت کا جلال

ربِّ کعبہ کی قسم وہ بول اٹھتے مرحبا
دیکھ لیتے حضرتِ یوسفؑ اگر اُنؐ کا جمال

آپؐ کے نقشِ قدم کو چوم لیتی تھی صبا
اس قدر مرغوب تھی اس کو ترے قدموں کی چال

Marfat.com

ہے گزرتا وقت میرا سوچتے اس بات کو
یا محمدؐ! دُور ہو گا کب جدائی کا ملال

جس شہنشاہ تک بھی پہنچے میرے آقاؐ کا پیام
سامنے رکھے نگاہوں کے وہ خسرو کا مآل

جو بھی اپنائے گا دونوں، سیرت و حُبِ رسولؐ
ایسے خوش قسمت پہ دنیا میں نہیں آتا زوال

آؤ حرزِ جاں بنائیں مل کے یہ قولِ رسولؐ
سب سے افضل ہے عبادت دوستو! رزقِ حلال

آپؐ کی چشمِ عنایت کی ہے وسعت اس قدر
دُور رہ کر بھی وہ رکھتے ہیں تفاخر کا خیال

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

جس وقت کبھی کھلتے تھے گیسوئے محمدؐ
ہر سمت بکھر جاتی تھی خوشبوئے محمدؐ

ہو جاتی تھی خیرہ بھی، پریشاں بھی اسی وقت
جب دیکھتی تھی چشمِ قمر روئے محمدؐ

بن جاتے تھے تصویرِ ادب روحِ امیں بھی
پیغامِ خدا لاتے وہ جب سوئے محمدؐ

کیوں فاتحِ عالم تھے بنے حضرتِ خالدؓ
دستار میں تھا ان کی چھپا موئے محمدؐ

Marfat.com

دیکھے ہیں مری آنکھ نے شاہوں کے محل بھی
تسکین کا ساماں ہے بس کوئے محمدؐ

کیا خوب نظر آنے لگا رنگِ مساوات
جب آ گیا دنیا میں ترازوئے محمدؐ

کہتا ہوں تفاخر میں اسے حسنِ عقیدت
اللہ کو مرغوب تھی ہر خوئے محمدؐ

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

دُور رہ کر آپؐ سے ہے درد سینے میں شدید
اب تو مل جائے وصالِ خاکِ طیبہ کی نوید

جاؤں گا جب وادیِ طیبہ کو عمرے کے لیے
زندگی میں آئے گا اک روز وہ یومِ سعید

دیکھتا ہی میں چلا جاؤں گا روضے کی طرف
دیکھنا چاہیں گی آنکھیں پھر بھی یہ منظر مزید

مرتبے میں بڑھ کے تاروں سے ہے جیسے ماہتاب
انبیا میں میرے آقاؐ اس طرح سے ہیں وحید

مجھ سے خاطی اور عاصی کا وہاں کیا پوچھنا
ہیں گدا بن کر کھڑے جس در پہ عطارؒ و فریدؒ

Marfat.com

جو عمل کرتا نہیں ہے سیرتِ شبیرؓ پر
میری نظروں میں وہی ہے عصرِ حاضر کا یزید

جب سے دیکھا چاند اور سورج نے ہے حسنِ نبیؐ
ہو گئے اُس روز سے وہ آپؐ کے رُخ کے مرید

لکھ کے میں نے خاکِ طیبہ کو جو بھیجا تھا پیام
میرے آقاؐ، اب بھی ہے محفوظ اس خط کی رسید

رات کو سوتا ہے بستر پر تفاخر جس گھڑی
دل سے کرتا ہے زیارت کے لیے گفت و شنید

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

کیا خوب لگی آج سے برسات کی بوچھار
اس موسمِ جاں بخش میں بلوائیے سرکارؐ

آئے گا بڑا لطف مدینے کے سفر کا
تا حدِّ نظر دیکھتا ہوں ابرِ گہر بار

اے کاش! پہنچ جاؤں کبھی دوشِ ہوا پر
لے جائے اُڑا کر وہ مجھے جانبِ سرکارؐ

مایوس نہیں لوٹتا کوئی بھی یہاں سے
اس در پہ نہیں رہتا کوئی شخص بھی نادار

Marfat.com

اِمشب بھی مجھے ہوگی مدینے کی زیارت
میں دیکھتا ہوں رحمتِ سرکارؐ کے آثار

صد شکر کہ آئی ہیں مدینے سے گھٹائیں
کل صبح طبیعت تھی مری کتنی گراں بار

معلوم یہ ہوتا ہے کہ پھر حسنِ نبیؐ کی
زیبائی چُرا لایا ہے برسات کا رُخسار

ساون میں تفاخر جو کھلے زلفِ محمدؐ
تسکین بہت دے گی جہاں بھر کو یہ مہکار

ﷺ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

ہر گھڑی کرتا ہے جو سرکارؐ کا ذکرِ جمیل
زندگی میں ہو نہیں سکتا کبھی ہرگز علیل

ابتدا سے قبل بھی اور انتہا کے بعد بھی
تاج دارِ انبیا ہیں بے مثال و بے عدیل

اس سے بڑھ کر اور کیا ہیں رفعتیں سرکارؐ کی
حمد سے والناس تک سب اُنؐ کی رفعت کی دلیل

حق ادا ہو کس طرح سے آپؐ کی توصیف کا
جن کی تعریف و ثنا کرتا ہے خود ربِّ جلیل

Marfat.com

سن کے اسمِ پاک اُنؐ کا جو نہیں پڑھتا درود
خود رسولِ پاکؐ اس انسان کو کہتے ہیں بخیل

آپؐ کی ذاتِ گرامی جامعِ بحرِ کمال
حسنِ یوسفؑ، دستِ موسیٰؑ، مظہرِ صدقِ خلیلؑ

یا رسول اللہ! تفاخر پر کریں نظرِ کرم
رنج وغم کی چار جانب ہے کھڑی اس کے فصیل

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

کرتا ہوں دعا خالقِ کونین سے دن رات
دکھلا دے مدینہ مجھے اے قبلۂ حاجات

ایماں کی طراوت کے لیے میں تو شب و روز
پڑھتا ہوں فدایانِ محمدؐ کی حکایات

جب دیکھوں گا آنکھوں سے میں حرمین شریفین
پھر دل میں نہیں ہو گا غمِ روزِ مکافات

سرکارؐ کے عشّاق رکھیں پیشِ نظر، یہ
تقدیس ضروری ہے بہت وقتِ مناجات

Marfat.com

ہے شہرِ نبیؐ پاک کی تو بات ہی کچھ اور
محبوب ہیں مجھ کو تو مدینے کے مضافات

اس شخص کو عشاق میں گنتا ہوں میں جس کو
معلوم ہوں آدابِ محبت کی روایات

اُمید ہے ایمان ہے، ایقان ہے میرا
سنتے ہیں وہ روضے میں تفاخر کے خیالات

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

میرے حق میں اس طرح ہو گردشِ لیل و نہار
مجھ کو لے جائے مدینہ انقلابِ روزگار

آپؐ کی ذاتِ گرامی باعثِ تسکینِ جاں
اس نظامِ دہر کو ہے آپؐ کے دم سے قرار

میں یہ سمجھوں گا فلاحِ دین و دنیا مل گئی
آپؐ کی حرمت پہ ہو جائے جو میری جاں نثار

اس کی آنکھوں میں نہیں جچتا چمن زارِ بہشت
جس نے دیکھی ہے گلستانِ نبوت کی بہار

Marfat.com

میں تو سمجھوں گا اسے بھی دوستو! لالے کا پھول
ہر قدم پر راہِ طیبہ میں ملے جو نوکِ خار

کہ رہی ہیں آج بھی ہم سے یہ ارواحِ رُسل
سب صحائف سے مقامِ مصطفیٰؐ ہے آشکار

آرزو ہے اک یہی جب وقتِ محشر ہو حساب
ہو غلامانِ محمدؐ میں تفاخر کا شمار

ﷺ

Marfat.com

ﷺ

مجھ کو آتا ہے نظر اپنی دعاؤں کا اثر
ہے مقدر میں یقیناً میرے، طیبہ کا سفر

جس گھڑی اٹھتی تھی دل میں خواہشِ وصلِ حبیب
دیکھ لیتا کوچۂ شہرِ نبیؐ وقتِ سحر

جی رہا ہوں آج کل میں دل میں یہ حسرت لیے
کب ملے گا میرے آقاؐ آرزوؤں کا ثمر

پتھروں میں بھی جو سن لیتا ہے کیڑے کی صدا
وہ خدا میری تمنّا سے نہیں ہے بے خبر

Marfat.com

شہرِ سرکارؐ دو عالم دیکھنے کے باوجود
پھر بھی حسرت دل میں رہتی ہے کہ یک بارِ دِگر

میں تسلسل سے رہوں گا جانبِ طیبہ رواں
اس سفر میں کیا بگاڑیں گے مرا برق و شرر

میں تو کہتا ہوں مقدر کے سکندر ہیں وہ لوگ
زندگی ساری جو کرتے ہیں مدینے میں بسر

عالمِ رویاؔ میں دیکھا ہے مدینہ بارہا
چوم لیتا تھا تفاخر اس گھڑی اپنی نظر

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ﷺ

درپیش آدمی کو تھا ذلت کا راستا
سرکارؐ گر دکھاتے نہ عزت کا راستا

اس پر کرم ضرور ہے میرے حضورؐ کا
دیکھا ہے جس نے خلق کی خدمت کا راستا

فاقہ کشی ہی رہتی تھی گھر میں حضورؐ کے
اے کاش! ہم بھی چُن لیں قناعت کا راستا

Marfat.com

مجروح ہو کے رحمتِ عالمؐ نے اُحد میں
دکھلایا ہم کو صبر و عزیمت کا راستا

اس کو دعائیں دیتا ہے میدانِ کربلا
جس نے بھی چُن لیا ہے شہادت کا راستا

تسلیم کر رہے ہیں تفاخر یہ غیر بھی
طیبہ سے ہو کے جاتا ہے جنت کا راستا

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

ہر گھڑی اس بات کا اظہار ہونا چاہیے
اب تو اس اُمت کا بیڑا پار ہونا چاہیے

کہلوانے کے لیے خود کو غلامِ مصطفےٰؐ
آدمی کو صاحبِ کردار ہونا چاہیے

رات دن پڑھتا ہے جو بھی اپنے آقاؐ پر درُود
روز اس کو آپؐ کا دیدار ہونا چاہیے

Marfat.com

جس کے دل میں ہو تمنّا آپؐ کے دیدار کی
اس کے دل میں عشقِ یارِ غار ہونا چاہیے

جو کرے اس ملک میں نافذ نظامِ مصطفےٰؐ
بس وہی اس ملک کا سالار ہونا چاہیے

ہو ملی جس کو تفاخّر دولتِ عشقِ رسولؐ
کون کہتا ہے اسے زردار ہونا چاہیے

ﷺ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

سکوں جو ملتا ہے سرکارؐ کی گدائی میں
کہاں وہ لطف جہاں بھر کی ہے خدائی میں

وہ کوئے دار کو جاتے ہیں مُسکراتے ہوئے
جنوں ہے ایسا محمدؐ کے ہر فدائی میں

نہ چھو سکے گی کبھی اس کو آتشِ دوزخ
حیات جس کی کٹی انؐ کی رہنمائی میں

فدا یہ کہہ کے ہُوا حسنِ حضرتِ یوسف
ہے لطف سارا محمدؐ کی دلربائی میں

Marfat.com

اسے سراغِ خدا بھی ہے دیر سے ملتا
جو دیر کر دے نبوت کی آشنائی میں

فرازِ عرش پہ پہنچے جو ایک لحظے میں
سوائے کون ہے آقاؐ کے اس خدائی میں

وہی ہے صاحبِ عزت جو بن کے انؐ کا رہا
ملی کسی کو نہ توقیر خودنمائی میں

ملا نہ اور کسی بھی رسول کو ایسا
دیا خدا نے جو سرکارؐ کی رسائی میں

عطا یہاں پہ ہی کر دی وصال کی لذّت
اثر تھا ایسا تفاخر کی بے نوائی میں

صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

جلوہ ہائے جمال

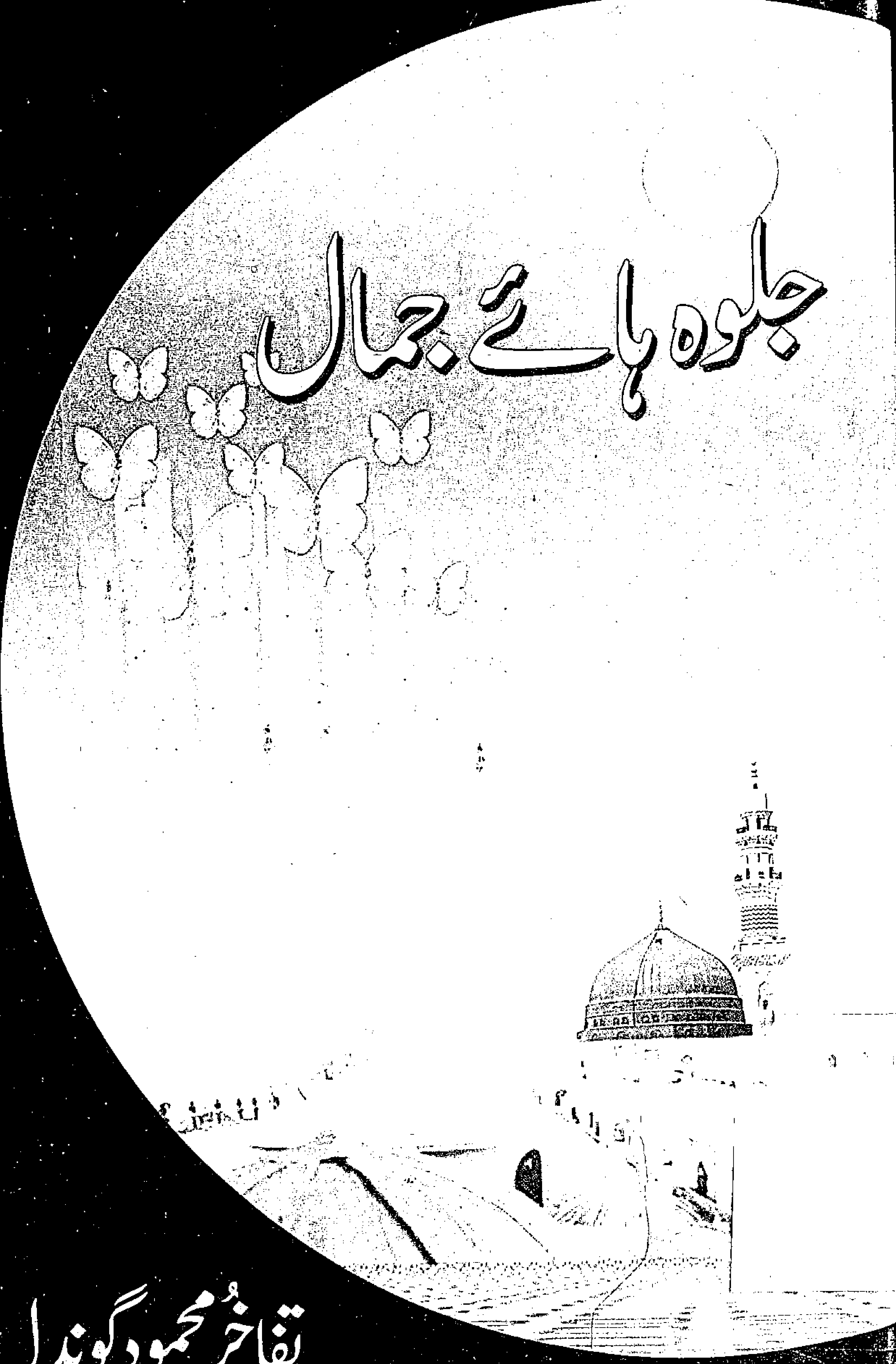

تفاخر محمود گوندل

Marfat.com